

زندگی منبر و چراغ

فارس

پیرایه شکر و شکر خوری

مجله
توسعه و پیشرفت
مجله

ندائے منبر و محراب

جلد خامس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

جس میں قدیم و جدید موضوعات پر درس مدنی اور مفصل خطبات و مقالات شامل ہیں۔ خطباء اور سیکرٹریز کے لئے بے مثال تحفہ۔ عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔ آیات و احادیث، مستند حکایات و واقعات، عالمانہ نکات و اشارات کا بیش بہا خزانہ۔

ناشر
مکتبہ اسلامیہ

سائٹ کراچی ۱۶

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

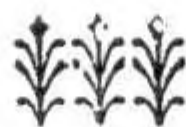
نام کتاب	ندائے منبر و محراب جلد خامس
تالیف	محمد اسلم شیخوپوری
ناشر	مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی
کتابت	حافظ گلزار احمد
طبع ثانی	ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

ملنے کے پتے

مکتبہ حلیمیہ متصل جامعہ نیورپہ سائٹ کراچی پوسٹ کوڈ ۷۵۰۰۰
 مولانا محمد اقبال نعمانی کارڈن کراچی
 مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
 مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار، راولپنڈی
 مکتبہ مجید بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

اجمالی نظر

انتساب	۱
سعادت کی تلاش	۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ	۳
قصہ یوسف علیہ السلام کی چند عبرتیں	۴
روزہ	۵
حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۶
جنت اور جنت میں لے جانے والے اعمال	۷
جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال	۸
یہود اور ہم	۹
مسلمان عورت	۱۰
فلپین اور ڈرامے	۱۱
پاکیزگی -	۱۲



فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۴۴	صحابہ کرام کی احتیاط	۱۰	انتساب
۴۶	ناپ تول میں کمی	۱۱	سعادت کی تلاش
۴۷	عجیب نکتہ	۱۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ
۴۸	خوف خدا کا نتیجہ	۲۰	شرک نہ کرنا
۴۹	تطفیف کی کچھ اور صورتیں	۲۵	والدین سے حسن سلوک
۵۰	عدل و انصاف	۲۹	قتل اولاد
۵۱	اسلام کی جیت	۳۰	خاندانی منصوبہ بندی
۵۲	دین اور آخرت کا نقصان	۳۱	اللہ کا نظام
۵۳	ایفائے عہد	۳۳	روحانی قتل
۵۶	عہد کی پابندی	۳۵	فواحش
۵۸	تفرقہ بازی	۳۶	فحاشی
۵۹	امت پنا	۳۷	جہاد ایمان کا حصہ ہے
۶۱	قصہ یوسفؑ کی چند عبرتیں	۳۹	قتل ناحق
۶۳	حسد کی بیماری	۴۰	خون مسلم کی ارزانی
۶۸	صبر و یقین	۴۲	یتیم کے مال کی خصوصیت
۷۱	ایک نکتہ		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۱۴	روزہ عام مذاہب میں	۷۲	ایک اور آزمائش
۱۱۶	تمام تعلیمات کا خلاصہ	۷۴	استقامت اور ضبطِ نفس
۱۱۷	تقویٰ کی حقیقت	۷۸	اللہ تعالیٰ کی مدد
۱۱۹	ریپرسل	۷۹	قابلِ عبرت واقعہ
۱۲۲	روزہ کی فضیلت	۸۲	واہ لے انسان
۱۲۳	سب سے بڑا انعام	۸۳	دعوتِ حق کا جذبہ
۱۲۷	امت مسلمہ کی خصوصیت	۸۷	دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی
۱۲۸	یہ مہینہ پھر کہاں!	۸۸	شرافتِ نفس
۱۳۱	رمضان کی عظمت پہچاننے والے	۹۰	جادو وہ
۱۳۲	تلامذہ کا حال	۹۳	عسر کے بعد عسر
۱۳۵	روزہ کے آداب	۹۴	اربابِ اقتدار کا اثر
۱۳۶	نگاہ کی حفاظت	۹۶	اللہ کی شان
۱۳۷	زبان کی حفاظت	۹۷	شکر
۱۳۸	کان کی حفاظت	۹۹	اللہ کے سامنے انبیاء بھی عاجز
۱۴۰	زیادہ نہ کھائے	۱۰۰	عفو و درگزر
۱۴۳	خوف و رجاء	۱۰۱	ایک نکتہ
۱۴۴	کوشش اور دعاء	۱۰۲	میرے آقا کی زندگی
۱۴۷	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۱۰۵	روزہ
۱۵۰	خوش قسمت انسان	۱۰۸	رمضان المبارک
۱۵۲	انتہائی اعتماد	۱۱۰	خطاب کا پیارا عنوان

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۹۲	راحت ہی راحت	۱۵۲	کامل ایمان
۱۹۵	جنت کی نعمتیں	۱۵۶	اللہ اور رسول کا پیار
۱۹۶	ماکولات و مشروبات	۱۵۷	بے مثال محبت
۱۹۷	حور و غلمان	۱۵۸	ادب و احترام
۱۹۹	دارالسلام	۱۵۹	شجاعت کا پیکر
۲۰۱	جنت کے چند مزید نام	۱۶۲	سب سے بڑا قاضی
۲۰۲	سب سے بڑی نعمت	۱۶۳	زہد و بے نیازی
۲۰۳	اشکالات	۱۶۵	انصاف پسندی
۲۰۵	اپنے اوپر قیاس	۱۶۶	خلیفہ اول کا اعتماد اور تعلق
۲۰۷	جنت میں لے جانے والے اعمال	۱۶۸	خلیفہ ثانی کا اعتماد اور تعلق
۲۰۸	ایمان اور عمل صالح	۱۷۰	خلیفہ ثالث کا اعتماد اور تعلق
۲۰۹	ایمان کی اہمیت	۱۷۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت
۲۱۰	عمل صالح	۱۷۲	دو ضروری باتیں
۲۱۲	حقوق العباد کی ادائیگی	۱۷۵	شہادت
۲۱۳	خدمت	۱۷۷	علم و حکمت کا خون
۲۱۶	اچھے اخلاق	۱۸۳	جنت میں لیجانے والے اعمال
۲۱۸	صبر	۱۸۶	خطاب اور بشارت
۲۱۸	شکر	۱۸۷	ایک لطیفہ
۲۱۹	سچائی اور ایفائے عہد	۱۸۹	اہل جنت کی خصوصیت
۲۱۹	نرم خوئی	۱۹۱	کامل خوشی

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۵۴	اعضاء کا غلط استعمال	۲۲۱	جہاد
۲۵۶	قلب میں اور ڈرامے	۲۲۲	جنہیں یقین تھا
۲۵۷	حقوق العباد کا ضیاع	۲۲۵	جہنم اور جہنم میں لیجانے والے اعمال
۲۵۹	باطنی امراض	۲۲۸	صفات باری تعالیٰ
۲۶۰	اخلاقی برائیاں	۲۳۰	دل کی آواز
۲۶۵	یہود اور ہم	۲۳۱	پیار والا انداز
۲۶۸	مسلمان یہود کے نقش قدم پر	۲۳۲	اے میرے چاہنے والو!
۲۶۹	یہودی مولویوں کی خرابیاں	۲۳۳	ایک عجیب نکتہ
۲۷۹	نجات کے ٹھیکیدار	۲۳۵	بہت بری جگہ
۲۸۰	تخریف و تغیر	۲۳۷	طوق و سلاسل
۲۸۲	فرقہ واریت	۲۳۸	دوزخیوں کا سامان خورد و نوش
۲۸۳	نبی عن المنکر کا ترک	۲۴۰	جہنمیوں کا لباس
۲۸۵	عقیدہ آخرت کا بگاڑ	۲۴۱	جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا
۲۸۶	ٹونے اور ٹوکے	۲۴۲	جہنمیوں کی درخواستیں
۲۸۸	قومی مزاج کا بگاڑ	۲۴۳	غلطی ہماری ہے۔
۲۸۰	زندگی سے شدید محبت	۲۴۵	یقین رکھنے والے
۲۸۲	ناشکر اپن	۲۴۸	جہنم میں لے جانے والے اعمال
۲۸۴	سننے تھے عمل نہیں کرتے تھے	۲۴۹	ترک عبادات
۲۸۶	دامنی ذلت	۲۵۰	زکوٰۃ
۲۸۷	ہم ہی مستثنیٰ کیوں؟	۲۵۱	حرام مال کمانا۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۲۵	ہلاکت کا سامان	۲۸۸	مقتدی نہیں امام
۳۲۶	ایک قابل فخر مثال	۲۸۹	صحابہ کرام کا جذبہ اتباع سنت
۳۲۸	پہلے اپنے آپ کو بدلنے	۲۹۰	کہاں وہ اور کہاں ہم
۳۲۹	ایک دیندار بادشاہ کا واقعہ	۲۹۵	مسلمان عورت
۳۳۱	قابل رشک مائیں	۲۹۹	مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں
۳۳۲	حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ	۳۰۱	تاریخ کی گواہی
۳۳۳	اہم شافعی رحم کی والدہ	۳۰۲	حضرت ہاجرہ علیہا السلام
۳۳۴	اصل جمال تو آپ کا ہے	۳۰۳	اُمّ موسیٰ علیہا السلام
۳۳۶	ضرورت تو یہ ہے -	۳۰۴	حضرت مریم علیہا السلام
۳۳۱	فلمیں اور ڈرامے	۳۰۶	حضرت خدیجہ رضی
۳۳۲	ذرائع ابلاغ	۳۰۷	عورت کا شرف
۳۳۴	اشتہار بازی	۳۰۹	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی
۳۳۵	سب سے مؤثر کردار	۳۱۱	پہلی شہادت
۳۳۶	وقت کا ضیاع	۳۱۳	فاطمہ بنت خطاب رضی
۳۳۸	پانچ قیمتی چیزیں	۳۱۴	توحید کا نشہ
۳۵۲	ہے کوئی جو عبرت حاصل کرے -	۳۱۷	اُمّ حکیم رضی
۳۵۳	نئی نسل کا ضیاع	۳۱۸	ام سلیم رضی
۳۵۵	دوسرا پہلو	۳۲۰	فاطمہ بنت محمدؑ
۳۵۶	گھر کی گواہی	۳۲۲	اپنی ذمہ داری سمجھیے
۳۵۶	گھر کی خبر لیجیے	۳۲۳	آئیڈیل کون؟

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۹۶	زبان کی پاکیزگی	۳۵۸	صحّت کا ضیاع
۳۹۷	غیبت اور بہتان	۳۶۰	دولت کا ضیاع
۳۹۸	جھوٹ اور محسوس گوئی	۳۶۳	شرم و حیاء کا ضیاع
۴۰۰	دماغ کی پاکیزگی	۳۶۴	عشق کا بھوت
۴۰۱	غذا کی پاکیزگی -	۳۶۶	شقاوت کی انتہاء
۴۰۳	پاکیزہ غذا کا اثر	۳۶۷	دین کا ضیاع
۴۰۴	ناپاک غذا کے دنیاوی اثرات	۳۷۰	آخرت کی تباہی
۴۰۵	ظاہری پاکیزگی	۳۷۲	عذابِ قبر
۴۰۶	پاکیزہ ترین مذہب	۳۷۷	پاکیزگی
۴۰۸	ماحول کی صفائی	۳۷۸	ہمہ جہت پاکیزگی
۴۱۱	خاندانی پاکیزگی	۳۷۹	دل کی پاکیزگی
۴۱۲	تعلیمی ادارے	۳۸۰	فرق
۴۱۳	سیاست کی پاکیزگی	۳۸۳	جن کا تزکیہ ہو چکا تھا -
۴۱۴	ہر شعبہ حیات میں پاکیزگی	۳۸۴	باطنی امراض
۴۱۵	پہلے اپنی فکر سمجھیے -	۳۸۶	تکبر
		۳۸۷	حسد
		۳۸۸	اباب و وسائل
		۳۸۹	آنکھوں کی پاکیزگی
		۳۹۰	ایسا ثواب ایسا عذاب
		۳۹۳	کانوں کی پاکیزگی

انتساب

وہ جمعہ کا مبارک دن تھا اور ربیع الاول کے ۲۸ تاریخ — اسے پہینے
 میرے اسے عظیم انسان کے ولادت ہوئے تھے، جو گرسے ہوؤں کو اٹھانے، ٹھکرانے ہوؤں کو سینے
 سے لگانے، مستضعفین کو سسر آنکھوں پر بٹھانے اور جو روح جفا کے طوقے و سلاسل میں
 جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرنے کا پیغام سنانے آیا تھا۔ مزدور کے حقوق، مسکین کے شفقت
 مظلوم کے داد سے، سکین کے ہمدردی اور عورت کے عظمت کا بتوں اسی بے مثال
 پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیا۔ — عورت جسے نحوست اور بدبختی کے علامت
 سمجھا جاتا تھا۔ آقائے کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے رحمت کے نشانی قرار دیا

۲۸ اور ۲۹ ربیع الاول کے درمیان شب نے میرے آقا کے دعویٰ کے سچائے
 کا ایک اور ثبوت پیش کر دیا۔ — یہ شب قیامت کے شب تھے۔ —

— آج کے کراچی کے ہر رات بلکہ ہر دن قیامت کا دن ہوتا ہے
 خاک و خون میں ترپتی لاشیں، ڈرلے اور آگ سے داغ داغ جوانے جسم، کٹے
 ہوئے اعضاء، دھکتے الاذ، دھواں دھواں فضا، گولیوں کے دناں دنوں اور
 نالوشیوں کے آوازیں، روشنیوں کے اسے شہر کا مقدر بن کر رہ گئی ہے
 اس رات موسیٰ کا لونی کے تہیدست مزدور دن بھر کے مشقت
 کے بعد میٹھی نیند سو رہے تھے کہ چند خونے آشام درندے ان کے لئے آجیل
 بن کر آگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے آٹھ بے گناہ کلمہ گو مسلمانوں کو موت کے
 گھاٹ اتار دیا۔ ان درندوں نے تین بیٹیوں کے ایک باپ کے خون سے
 بھی اپنے غلیظ پیاسے بھانی چاہی لیکن تینوں معصوم بیٹی اپنے باپ پر حال
 بن کر لیٹ گئیں۔ انھوں نے طے کر لیا تھا کہ باپ کے جسم میں جو گولے جائے گے وہ ہمارے
 جسم سے ہو کر جائے گی۔ ان بچیوں کے آہ و زاری اور ایشا نے انے درندوں کے
 سینے میں موجود گوشت کے لوتھڑے میں جذبہ تر تم پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے انگلیوں
 سے لوح دہر پر جلیے حروف میں لکھ دیا کہ بیٹیوں، نحوست نہیں، رحمت ہوتی ہے
 یہ چند سیاہ اوراقے انہیں روشنے چینے

بیٹیوں کے نذر کرتا ہوں۔ —

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سعادت کی تلاش

پانچویں جلد پیش خدمت ہے۔ ہر جلد پیش کرتے وقت اپنے بجز اول
 میح مدانی اور فرو مائیگی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ نہ یہ حروف
 لکھنے کے قابل تھا نہ اب ہوں پھر بھی ٹیڑھی میڑھی آرٹھی ترچھی چند لکیریں
 کھینچ لیتا ہوں تو یہ محض اس مالک و خالق کا کرم ہے جو اگر چاہے تو حیوانی
 سے وہ کام لے لے جو بڑے بڑے سورا بھی انجام نہ دے سکیں۔

یہ سلسلہ خطبات، دعوت و تبلیغ کی ایک کڑی ہے اور دعوت
 و تبلیغ شیوہ پیغمبری ہی نہیں بلکہ فریضہ نبوت بھی ہے۔ اس فریضہ کی
 کما حقہ ادائیگی کے لئے اولاً تو درود کی ضرورت ہے۔ ایسا درود جو کسی
 کروٹ چین نہ لینے دے۔

سچا داعی وہ ہے جو قوم کی بد حالی، انسانیت کی دین سے دوری،
 شیطنیت کا تسلط، نوجوانوں کی گمراہی، ماؤں، بہنوں کی بے پردگی، بزرگوں
 کا تناقل و تجاہل، ظلم و عدوان کا غلبہ اور ضلالت کی تاریکی دیکھ کر سراپا رو
 بن جائے اور اس کا دن کا سکون اور راتوں کی نیند حرام ہو جائے۔

حضرت مولا محمد یوسف دہلوی نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بیان
 کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی دین سے دوری پر مضطرب اور بے قرار
 رہتے تھے۔ ایک شب وہ بے چینی میں کروٹیں بدل رہے تھے، اور

آہیں بھڑے تھے کہ ان کی اہلیہ نے اس اضطراب اور بے چینی کی وجہ سے پوچھی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر اس کی وجہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے تو آہیں بھڑنے والا ایک نہیں رہے گا بلکہ دو ہو جائیں گے۔

دوسری صفت جو داعی کے اندر ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنے پروگرام کی سچائی اور کامیابی کا پورا پورا یقین ہو۔ اگر داعی کے سینے میں خود ہی شکوک و شبہات کے کانٹے ہوں۔ تو وہ دوسروں کے دل میں یقین پیدا نہیں کر سکتا۔ اس یقین کا حال دیکھنا ہو تو رسول کا منات صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے۔ اسے عرب کی محنت اور قریش کی بدترین عداوت کے باوجود جس چیز نے آپ کو جادہ استقامت پر قائم رکھا وہ یہی یقین تھا۔ سچے داعی میں جس تیسری صفت کا ہونا ضروری ہے وہ اس کی عملی زندگی ہے۔ داعی کی عملی زندگی ایسی ہونی چاہیے کہ اس کی نشست و برخاست، اس کی خرید و فروخت اور اس کا چلنا پھرنا دعوت بن جائے۔ وہ جس چیز کی دعوت دے اس پر سب سے پہلے خود بھی عمل کرے، تبھی اس کی دعوت مؤثر ہو سکتی ہے۔ قال بلا حال اکثر بے اثر ہوتا ہے۔

ان تین بنیادی صفات کا ہر داعی میں ہونا ضروری ہے۔ جب ان تین صفات کی روشنی میں اپنے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتا ہوں تو سوائے ندامت اور عاجزی کے چند آنسوؤں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا، عجز و بے چارگی کے یہ چند آنسو ہی میری کل کا منات ہیں، کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آتا کہ میں بھی وہ سچا داعی بن گیا ہوں جو داعیانہ صفات سے متصف اور پیغمبرانہ اخلاق سے مزین ہوتا ہے جس کا وعظ اثر انگیز اور

جس کی دعوت انقلاب آفرین ہوتی ہے اگرچہ اس سلسلہ خطبات میں جو پھول اور کلیاں ہیں۔ ان کی سجادٹ اور بناوٹ میں اس ناچیز کا کردار محض پھولوں کو لٹری میں پروانے والے کا سا ہے لیکن اس کردار کا نبھانے والا اگر کوئی ماہر ہوتا تو ان کی پھین کچھ سوا ہوتی۔

شاید قلم و قسطاس کے اس مشغلہ میں کوئی ایسے دو حرف معرض تحریر میں آجائیں جو بارگاہِ حق میں قبول ہو جائیں اگر ایسا ہو گیا تو یقیناً ہی دو حرف اس نامہ سیاہ کی مغفرت اور بخشش کا سامان بن جائیں گے۔

ابتداء ہی میں قارئین کی خدمت میں عرض کر دیا گیا تھا کہ اس کتاب کا انداز عام کتابوں سے ہٹ کر ہو گا۔ ان خطبات اور مقالات میں نہ تو اپنی شیریں بیانی سے قارئین کو سلانے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ ہی مفتح و مسجع عبارتوں سے انہیں مبہوت کیا گیا ہے بلکہ برسر زمین کو حقائق کی روشنی میں جھنجھوڑا گیا ہے اور کتنے ہی مقامات ہیں جہاں لفظوں سے نشر کا کام لیا گیا ہے۔

ان مواعظ میں علمیت تو ظاہر ہے کیا ہوگی لیکن اتنا یقین ضرور ہے کہ پڑھنے والا ان میں اپنے دل کی آواز محسوس کرے گا اور یہی سمجھے گا کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو مفساد رونما ہو چکے ہیں، ان سے چشم پوشی نہیں کی گئی بلکہ کھل کر ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان سطور کا راقم پاکستان کے آشوب زدہ شہر کراچی میں مقیم ہے۔ جہاں ہر روز جوان لاسٹے گرتے ہیں اور جنازے اٹھتے ہیں۔ ظاہر ہے کوئی بھی حساس انسان ناہوش ہونے کی اس فضاء سے چشم پوشی نہیں کر سکتا اور نہ ہی۔ منا۔

معلوم ہوتا ہے کہ قتل و غارت گری کے ماحول میں حاضر ناظر جیسے مسائل چھیڑ کر ٹوٹے ہوئے دلوں میں مزید فاصلے پیدا کئے جائیں۔ جہاں زندوں کا سماع بھی مشکوک ہو وہاں مُردوں کے سماع اور عدم سماع کی بحثیں یقیناً بے وقت کی راگنی کہلائیں گے۔

پیش نظر حالات سے مؤلف کا ذہن تو متاثر تھا ہی۔ بے جان قلم بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ آپ دوران مطالعہ محسوس کریں گے کہ اکثر مقامات پر کسی نہ کسی مناسبت سے صراحتاً یا اشارتاً ان حالات کا تذکرہ نوک قلم پر آ ہی گیا ہے۔ آئیے! مل کر دعا کریں کہ بارِ الہ! لاکھوں عرتوں کی پامالی اور جانوں کی ہلاکت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اس ملک اور اس شہر کی حفاظت فرما!

اگر اس کتاب کے مطالعہ سے کوئی ایک ذہن بھی دینی جذبات سے مالا مال ہو جائے اور کوئی ایک انسان بھی اصلاح کے لئے آمادہ ہو جائے تو یقیناً اس فرمایہ کے لئے ایسی سعادت ہوگی جس پر رشک کیا جائے یہ ساری جان کا ہی اسی سعادت کی تلاش میں ہے اور جو ٹیندہ یا بندھ کے اُصول کے مطابق اسکے حصول سے ناامید بھی نہیں ہوں۔

محتاجِ دُعاء

محمد اسلم شیخوپوری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ

بتاؤں تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کھمال جنوں
نہ اس میں عصرِ رواں کی جیا سے بے زاری
نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ و افسوں
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطون

علامہ محمد اقبال رح

”یہ دس باتیں جو آپ کے سامنے بیان کی گئی ہیں، آئیے
 ہم ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔
 والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں
 فقر و فاقہ کی وجہ سے نہ تو اولاد کا جسمانی قتل کریں اور نہ ہی
 روحانی قتل کریں۔
 ہر قسم کی بے حیائی سے اپنے دامن کو بچائیں۔
 کسی انسان کے قتل ناحق سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کریں۔
 کسی کے مال پر اوڑھ بڑھائی میموں کے مال پر قبضہ نہ جمائیں۔
 ناپ تول ہمیشہ درست رکھیں
 جب بھی بات کہیں عدل و انصاف کی کہیں۔
 اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کریں۔
 کتاب سنت کے راستے سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہ ہوں۔“



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ

قُلْ تَعَالَوْا اتْلُ مَا حَرَّمَ
 رَبِّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا
 بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ
 إِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوا
 أَوْلَادَكُمْ
 مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
 وَإِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا
 الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
 وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا
 النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
 إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ
 بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا
 تَقْرَبُوا
 مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي
 هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ
 أَشُدَّهُ ۝ وَأَوْفُوا بِالْكَيْلِ
 وَالْمِيزَانَ
 بِالْقِسْطِ ج لَا تُكَلِّفُوا
 نَفْسًا
 إِلَّا وُسْعَهَا ج وَإِذَا قُلْتُمْ
 فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ
 وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ

تو کہہ! تم آؤ، میں سادوں جو حرام کیا ہے
 تم پر تمھارے رب نے کہ شریک نہ کرو۔
 اسکے ساتھ کسی چیز کو، اور ماں باپ کے
 ساتھ نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو
 مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور
 ان کو اور پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام
 کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ
 ہو اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام
 کیا ہے اللہ نے مگر حق پر، تم کو یہ حکم کیا
 ہے تاکہ تم سمجھو، اور پاس نہ جاؤ یتیم
 کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو
 یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو
 اور پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف
 سے، ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم
 کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہو اور
 جب بات کہو تو حق کی ہو اگرچہ وہ
 اپنا قریب ہی ہو اور اللہ کا عہد پورا
 کرو، تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت

وَصَلُّمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ
 صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا
 السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ
 وَصَلُّمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

پڑھو اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی
 سواں پڑھو اور مت چلو اور راستوں
 پر کہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستے سے
 یہ حکم کر دیتے تم کو تاکہ تم بچتے رہو۔

گرامی قدر سامعین! آپ کے سامنے سورۃ الانعام کی آیت نمبر اکیاون سے
 آیت نمبر تیرہن تک تین آیات تلاوت کی ہیں، یہ بڑی اہم آیات ہیں، ان میں جو
 دس باتیں بیان کی گئی ہیں، ان پر عمل کرنے سے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی سنوہ
 سکتی ہے، اور آج ہمیں جو انتشار و افتراق، قتل و غارتگری، جھوٹ اور بدبھدی
 حق تلفی اور لوٹ مار، فحاشی و بے حیائی اور گھربلو اور خاندانی نظام کی تباہی اور بیادنی
 نظر آ رہی ہے، یہ درست ہو سکتی ہے، اور ہم ایک اچھے انسان اور کامل مسلمان
 بن سکتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے نور و زانہ اپنے رب کا آغاز کرتے ہوئے ان
 آیات کا مفہوم سامنے رکھ کر ان آیات کی تلاوت کر لیا کریں، اور رات کو سونے
 سے قبل یہ جائزہ بھی لے لیا کریں کہ میں نے ان دس احکام پر کہاں تک عمل کیا، کون
 سا حکم اور کون سی بات ابھی تک میری عملی زندگی میں نہیں آسکی، اور کس شعبے میں
 ابھی تک کمزوری پائی جاتی ہے، یوں سب اپنا تنقیدی جائزہ لیں گے اور کوشش
 بھی کریں گے اور کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ دس کے دس احکام ہمارے
 عملی زندگی میں آجائیں گے اور پھر ہمیں دل کا سکون، اخلاق کی پاکیزگی، اللہ تعالیٰ
 کا رضاء و نیا کی عزت و سرفراز، اور آخرت کی کامیابی انشاء اللہ تعالیٰ ضرور
 نصیب ہوگی۔

ان تین آیات کے اہمیت و عظمت کا اندازہ آپ اسی بات سے لگائیں کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہتا ہو، جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے، ان میں وہ وصیت موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے امت کو دی ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ انسان کے لئے وصیت کی کیا اہمیت ہوتی ہے، ایک شخص اپنی وفات کے بعد اپنی اولاد کے لئے، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے اپنے متعلقین اور دوست و احباب کے لئے جن باتوں کو بہت ضروری سمجھتا ہے، ان کی وہ وصیت کر جاتا ہے تو یوں سمجھئے کہ یہ دس باتیں وہ ہیں، جو آپ کی امت کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دس باتوں کو آپ کا مہربند وصیت نامہ قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے فرمایا:

"کون ہے جو مجھ سے تین آیتوں پر بیعت کرے، پھر یہی تین آیتیں

"تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اس بیعت کو پورا کرے گا،

تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا۔"

گویا یوں سمجھئے کہ حضور علیہ السلام کے جو امتنی زندہ تھے ان کو تو آپ نے ترغیب دی کہ مجھ سے ان تین آیتوں پر بیعت کر لو، اور جو آپ کے بعد آنے والے تھے ان کو آپ نے ان پر عمل کرنے کی وصیت فرمادی۔

اور بات صرف یہ نہیں کہ یہ تین آیتیں آپ کا وصیت نامہ ہیں بلکہ خود

العلمین نے بھی ان تین آیتوں میں سے ہر آیت کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے۔

”ذَٰلِكُمْ وَصَّوْكَم بِهِ“ یہ الفاظ تین بار ارشاد فرمائے، جن کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان باتوں کی وصیت کرتا ہے اور اکیڈمی حکم کرتا ہے تاکہ تم سمجھو، تم یاد رکھو، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور بچتے رہو،

مفسرِ قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورہ آ عمران میں اللہ تعالیٰ نے آیاتِ محکمات کا جو ذکر کیا ہے تو وہ یہی تین آیات ہیں اور ان آیات میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں متفق ہیں، ان میں سے کوئی چیز کسی مذہب و ملت اور کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئی۔ کعب اجبار رضی اللہ عنہ جو تورات کے ماہر عالم ہیں، پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیات جن میں دس حراہ چیزوں کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات بسم اللہ کے بعد انہی آیات سے شروع ہوتی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ دس کلمات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ لہ

ان دس باتوں میں سب سے پہلی بات اور سب سے پہلا حکم **شُرک نہ کرنا** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دوسرے جرائم تو معاف ہو سکتے ہیں، مگر شرک ایسا جرم ہے جو کسی صورت معاف نہیں ہو سکتا، سورہ نسا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْزِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ**۔ بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک

۱۰ چاروں احادیث جو یہاں ذکر کی گئی ہیں، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے ”معارف القرآن“ میں نقل کی ہیں۔

يُضْرَمَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
 (سورہ نساء پ ۱۰)

ٹھہرائے اور بختا ہے اس سے نیچے کے
 گناہ جس کے چاہے۔

سورہ ماائدہ میں فرمایا گیا:

لَمْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ
 عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ
 بِاللَّذَالِمِينَ مِنْ أَنْصَارِهِ
 (سورہ الانعام پ ۱)

بیشک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کے سوا
 حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا
 ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی نہیں ظالموں
 کی مدد کرنے والا۔

مشرک خواہ کیسا ہی سخی کیوں نہ ہو، کیسا ہی بااخلاق کیوں نہ ہو، کیسا ہی عبادت
 باصنعت کرنے والا کیوں نہ ہو، کیسا ہی حاجی اور نمازی کیوں نہ ہو، کیسا ہی بہادر
 بجاہد کیوں نہ ہو، کیسا ہی ذاکر و شاغل کیوں نہ ہو،

اس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا سوائے دوزخ کے اور کوئی نہیں
 نہ شرک وہ چنگاری ہے جو اعمال کے خرمن بوجھ لاکر دیتی ہے، یہاں تک کہ
 خالے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت دو سرتام انبیاء کرام
 اسلام کی طرف بھی وحی کی گئی کہ اگر آپ جیسی شخصیات میں سے بھی کسی سے
 سرزد ہوا تو نبوت و رسالت جیسے عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود
 کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سورہ زمر میں ہے:

أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَالِیَ الَّذِينَ
 بَلَكَ لَنْ أَشْرَكَتَ لِيَحْبَطَنَّ
 عَمَلُكَ وَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ
 (سورہ زمر پ ۲۲)

البتہ تحقیق حکم دیا جا چکا ہے تجھ کو اور تجھ
 سے پہلوؤں کو کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضائع
 ہو جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو جائے گا
 نقصان اٹھانے والوں میں۔

ماہر ہے نبی معصوم بھی ہوتا ہے اور محفوظ بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے

نبی کی خود حفاظت فرماتا ہے، اس لئے کسی نبی سے شرک کے ارتکاب کا تہ
غی نہیں ہو سکتا، لیکن ہمارے جیسے انسانوں کو سمجھانے کے لئے فرمایا گیا کہ جب
شرک ایسا ہولناک جرم ہے کہ اگر بالفرض اللہ کے پیاروں اور مقربین خاص سے
بھی سرزد ہو جائے، تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو تم کس شمار میں ہو،
مشرک وہ بد نصیب انسان ہے کہ اگر اللہ کا نبی بھی اس کی مغفرت کی دعا کرے
تو بھی اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ عبداللہ بن ابی بظاہر کلمہ پڑھتا تھا مگر اس
دل میں کفر و شرک کی غلاطت تھی، اس کا جنازہ خود نبیوں کے سردار صلی اللہ
وآلہ نے پڑھایا، لیکن رب کریم نے فرمایا :

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ
آپ منافقوں کے لئے معافی مانگیں
نہ مانگیں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ
بھی دعائے مغفرت کریں گے تو اللہ
ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔
(سورہ توبہ پ ۱)

بلکہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم
اللہ علیہ وسلم نے ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دعائے مغفرت کرنے کا ارادہ فرمایا
لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرما دیا۔ نہ
مشرک وہ بد نصیب ہے، کہ اگر وہ ساری زندگی روزے رکھتا رہے، جہاد
رہے، عبادت و ریاضت کرتا رہے، مسجدیں بناتا رہے بلکہ مسجد حرام کو بھی تعمیر
تو اسے کچھ بھی ثواب نہیں ملتا۔ اس کی ساری محنت ضائع چلی جاتی ہے۔
کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مشرکین مکہ عبادت نہیں کرتے تھے؟
قرآن بتاتا ہے کہ وہ صدقہ اور خیرات کرتے تھے۔ اپنی پیداوار میں سے
کے نام پر نکالتے تھے، کچھ بتوں کے نام پر نکالتے تھے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ مشرکین عرب میں نماز کا دستور بھی موجود تھا۔

وہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، خود بھی حج اور عمرے کرتے تھے، کعبہ کی درباری کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے، اعتکاف بھی کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کرتے تھے کہ وہ اللہ کو مانتے تھے اور صرف یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، بلکہ اللہ کو زمین و آسمان کا خالق اور قادر و مختار بھی مانتے تھے لیکن چونکہ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے تھے اور ان کو بھی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے، اسلئے انہیں مشرک قرار دیا گیا۔

ان کا اللہ کی ذات پر ایمان

ان کا صدقہ و خیرات

ان کے حج و عمرے

ان کی نمازیں اور اعتکاف

ان کی کعبہ کی درباری اور حاجیوں کی خدمت

ان کے کسی سحام نہیں آئی، سب اعمال غارت ہو گئے۔

عبد اللہ بن جدعان ایک کافر تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ جاہلیت میں مہمان نوازی اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا

اور جو لوگ ناحق گرفتار ہو جاتے تھے، ان کی مدد کر کے ان کو چھڑوا یا کرتا تھا، پڑوسیوں

کے حق میں بہت اچھا تھا اور غریبوں کو کھانا کھلا یا کرتا تھا۔ کیا یہ کام اس کے

لئے مفید ثابت ہوں گے؟

آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا تو یہ کام اس کے لئے

مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ لہ

میرے بزرگو اور دوستو! یہ وضاحت میں نے اس لئے کر دی ہے تاکہ کہیں آپ اس دھوکے میں نہ رہیں کہ ہم تو اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ ہم تو نمازیں پڑھنے والے اور صدقہ و خیرات کرنے والے ہیں، ہم تو مسجدوں اور مدرسوں کی خدمت کرنے والے ہیں، ہم توجہ و عمر، کرنے والے ہیں۔ ہم کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟

کتنے ہی سیدھے سادے لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ کو بھی مانتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، دو ستر نیک کام بھی کرتے ہیں۔ مگر پیروں اور فقیروں کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔

مزاروں پر جا کر اولاد مانگتے ہیں، دولت اور صحت مانگتے ہیں، صدقہ اور خیرات محض دکھلاوے کے لئے کرتے ہیں۔

اولیاء اور انبیاء کے لئے وہ صفات ثابت کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔

کوئی سمجھتا ہے کہ اولیاء اور انبیاء ہر جگہ موجود ہیں اس کا عقیدہ ہے کہ ان کو پکارا جائے تو وہ ہماری پکار کو سنتے اور مدد کے لئے پہنچتے ہیں۔

کسی کا خیال ہے کہ قیامت کے دن جب ہم پکڑے جائیں گے تو وہ زبردستی ہمیں اللہ سے چھڑالیں گے۔

کسی کی سوچ یہ ہے کہ وہ ہمیں عنیب کی خبریں بتا سکتے ہیں، یہ سب شریک عظام اور خیالات ہیں۔

اگر ہم میں سے کوئی شخص غلطی یا ضدکی وجہ سے ان غلط عقائد میں مبتلا ہے تو اسے فوری طور پر توبہ کر کے اپنا عقیدہ درست کر لینا چاہیے۔

کسی جماعت یا کسی فرد کی ضد میں اپنی آخرت کو تباہ کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے اور تباہی بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت حرام اور جہنم واجب ہو جاتی ہے، پھر نہ تو بہ کام آئے گی نہ کسی کی سفارش فائدہ دے گی، اس لئے سب سے پہلا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا،

والدین سے حسن سلوک | دوسرا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے، کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ اور حسن سلوک کرو،

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن کریم میں کئی مقامات ایسے ہیں، جہاں پہلے عقیدہ توحید اختیار کرنے اور شرک سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے :—

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۖ
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
(سورہ بنی اسرائیل ۱۵)

اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے
سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ
کے ساتھ حسن سلوک کرو،

سورۃ البقرہ میں ہے :—

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ
إِحْسَانًا
(سورۃ البقرہ ۲۱)

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل
سے قول و اقرار لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی
عبادت مت کرنا اور ماں باپ کی اچھی طرح
خدمت گزار رہ کرنا۔

سورہ نساء میں ارشاد ہے :—

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ

اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو، اور اس کے
ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، اور والدین

کے ساتھ اچھا معاملہ کرو

اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت کا درجہ ہے۔ یوں بھی ہمیں حقیقتاً پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن ظاہری طور پر ہمارے اس دنیا میں آنے کا سبب والدین ہیں، اس لئے رب کریم نے اپنا حق بیان کرنے کے بعد والدین کا حق بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا حق عبادت ہے اور والدین کا حق ان کی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق توجید و ایمان ہے، اور والدین کا حق راحت رسانی اور

احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق روزہ اور نماز ہے اور والدین کا حق انکے سامنے عجز و نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرنا اور والدین کا دل دکھانے والا مبغوض ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۳ کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ آپ اوپر

سُن چکے ہیں، اسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا
دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، سو ان کو
کبھی ہوں بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا
اور ان سے خوب اوبسے بات کرنا اور انکے
سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ
جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ میرے
پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے،
جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش
کی، اور صرف اس ظاہری تعظیم پر اکتفاء
لَا وَابِينَ غَفُورًا

مت کرنا، دل میں بھی ان کا ادب کرنا کیونکہ تمہارا رب تمہارے مافی
الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں
کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں والدین کے بارے میں پانچ نصیحتیں فرمائی ہیں:

۱۔ پہلی یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اُف
بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ زبان سے کوئی ایسی بات نہ ہو، جس سے ان کے دل
کو تکلیف پہنچے،

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ اُف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں
باپ کو تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسکو بھی ضرور حرام قرار دیدیتے۔ ۱۔
حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی والدین کی ایسی حالت ہو
جائے کہ تمہیں ان کے کپڑوں یا ستر سے پاخانہ صاف کرنا پڑے تو اُف مت کہو،
جیسے کہ بچپن میں تمہارا پاخانہ صاف کرنے ہوئے وہ اُف نہیں کہتے تھے۔

۲۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ ماں باپ سے ادب سے بات کرو، ان سے بات کرنے کا
انداز ایسا نہ ہو جیسا کہ خادموں اور نوکروں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے بلکہ
لہجہ نرم، انداز دلنشین اور الفاظ ادب و احترام والے ہوں۔

۳۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ
جھکے رہنا۔ اگر بالفرض کبھی وہ غصے میں آجائیں یا سخت سُست الفاظ
استعمال کریں تو بھی تم عاجزی اور انکساری اختیار کرو، سخت بات کا
جواب سخت لہجے میں نہ دو،

۴۔ چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ والدین کے لئے دعا بھی کرتے رہا کرو، اس لئے

کہ صرف خدمت سے ان کے احسانات کا حق تو کبھی بھی ادا نہیں ہو سکتا لہذا ان کے لئے دعائیں کریں تاکہ کسی طرح ان کا حق ادا ہو جائے۔
تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو مکر پر اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا، اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا، آپ نے فرمایا کہ ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا۔ لہ

۵۔ پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ صرف ظاہری ادب ہی کافی نہیں بلکہ دل سے بھی ان سے محبت رکھو اور ان کی تعظیم کرتے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ کر رہے ہو، وہ صرف ظاہری دکھاوا ہے، یا واقعی دل میں بھی ادب و احترام ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ والدین کے حقوق کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری احادیث بھی ہیں۔ لیکن فی الحال انہی چند آیات پر اکتفاء کرتا ہوں، انشاء اللہ کسی دوسری نشست میں والدین کے حقوق کے بارے میں تفصیل سے بات ہوگی۔

البتہ اپنے نوجوانی دوستوں سے اتنی بات ضرور کہوں گا کہ مغرب کی لعنتی سوسائٹی کی نقالی میں آپ نہ لگیں اور والدین کو اپنے کندھوں کا بوجھ اور اپنے خوبصورت گھر کے لئے عیب نہ سمجھیں ورنہ آپ کی اولاد آپ کے ساتھ بڑھاپے میں اس سے بھی کہیں زیادہ بُرا حشر کرے گی، جیسا حشر آج آپ اپنے والدین کے ساتھ کر و گے۔

تمہارے والدین کے سر کے بال ایسے ہی سفید نہیں ہونے۔ ان کی کمر میں

ویسے ہی خم نہیں آیا، ان کے ہاتھ ایسے ہی کھردرے نہیں ہو گئے بلکہ تمہاری خدمت کرتے کرتے ان کے سیاہ بال سفید ہو گئے، ان کا سر و قد جسم جھک گیا اور تمہیں سہولتیں مہیا کرنے کی خاطر مزدوری کرتے کرتے ان کے ہاتھ کھردرے ہو گئے ہیں کتنے دکھ کی بات ہے جس اولاد کی خاطر وہ شب و روز محنت کرتے رہے، راتوں کو جاگتے رہے، آنکھوں میں حسین خواب سجاتے رہے، آج وہ اولاد کچھ کرنے کے قابل ہوئی ہے تو قابل احترام ہستیوں کو وہ اپنے کندھے کا بوجھ اور گھر کی شان و شوکت کے لئے عیب سمجھتے ہیں۔

ان تین آیات میں جو دس احکام دیئے گئے ہیں

قتل اولاد

ان میں تیسرا حکم یہ ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ اِمْلَاقٍ ۗ اِپنی اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرو،
فَخَنُّ نَزْرُ قُكْمٌ وَاِيَا هُمْ ط ہم تم کو بھی رزق دینگے اور ان کو بھی،
زمانہ جاہلیت میں دو وجہ سے اولاد کو قتل کیا جاتا تھا۔ ایک تو بیٹیوں کو عار اور شرم کی وجہ سے قتل کر دیتے تھے تاکہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے۔

شیطان نے سچی یہ پڑھائی تھی کہ تمہاری بیٹی کا دوسرے کے گھر میں جانا بڑی شرم کی بات ہے، حالانکہ احمق یہ نہیں سوچتے تھے کہ ہماری جو بیوی ہے وہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے اور ہم جس ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں آخر وہ بھی تو کسی نہ کسی کی بیٹی اور بہن ہوگی۔

دوسری وجہ اولاد کو قتل کرنے کی یہ تھی کہ ہم اسے ضروریات زندگی کہاں سے مہیا کریں گے، ان کے کھانے، پینے، رہنے، سہنے، اور ٹھننے، پہننے کا انتظام کہاں سے ہوگا۔

پھر بعض اوقات تو والدین غریب ہوتے تھے تو اپنے فقر اور غربت کی وجہ سے

قتل کر دیتے تھے اور بسا اوقات غربت نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف غربت کا اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کثرتِ اولاد کی وجہ سے ہم غریب ہو جائیں اور ہم اولاد کی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں۔

اسی لئے دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ أُولَادُكُمْ أَوْلَادُكُمْ وَأَفْلَاسُكُمْ أَوْلَادُكُمْ قَتْلُكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ أُولَادُكُمْ أَوْلَادُكُمْ وَأَفْلَاسُكُمْ أَوْلَادُكُمْ قَتْلُكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا ۚ

(سورہ بنی اسرائیل ۱۵) قتل نہ کرو۔

دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ اگر حقیقتاً غربت ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو، اور اگر غربت و افلاس کا محض اندیشہ ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو۔

آخر اولاد کو تم اسی بنا پر قتل کرتے ہو نا، کہ ہم اسے کھلائیں گے کہاں سے؟

تو اس سوال کا جواب میں تمہیں دیتا ہوں، تمہاری اولاد وہیں سے کھائے گی، جہاں سے تم کھاتے ہو، اس کی ضروریات وہیں سے پوری ہوں گی، جہاں سے تمہاری ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ مَحْنُ سُرْرُكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔

تمہاری سوچ یہ ہے کہ تم خود کما کر کھا رہے ہو، تمہاری دوکان تمہیں پال رہی ہے، تمہاری ملازمت تمہاری ضروریات کو پورا کر رہی ہے، تمہارا کاروبار تمہیں روزی دے رہا ہے۔ حالانکہ تمہاری یہ سوچ غلط ہے۔

تمہیں بھی روزی اللہ دے رہا ہے اور تمہاری اولاد کو بھی روزی وہی دے گا دوکان، ملازمت، تجارت، کاروبار اور کھیتی باڑی روزی کمانے کا وسیلہ ہے مگر رزاق اور روزی رساں صرف اللہ ہے۔

صد افسوس کہ آج کل ہمارے ماں خاندانی

خاندانی منصوبہ بندی

منصوبہ بندی یا برنٹھ کنٹرول کی تحریک

چل رہی ہے، اس میں بھی پس پردہ یہی سوچ کارفرم ہے کہ آبادی میں گراف اضافہ

ہو گیا تو اس کی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی، لہذا اس آبادی میں اضافہ کی روک تھام کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا ہے، جس کا ہر سال کا بجٹ کروڑوں روپے ہوتا ہے، یہ محکمہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار بازی پر لاکھوں روپے خرچ کر رہا ہے۔

- لوگوں کو اعداد و شمار کے ذریعہ ڈرایا جا رہا ہے کہ فلاں سن میں پاکستان کی آبادی اتنے کروڑ کی ہو جائے گی، اور اتنی بڑی آبادی کی معاشی ضروریات پوری کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہذا آبادی کو کنٹرول کیا جائے، حالانکہ یہ سوچ اور یہ تحریک اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت میں مداخلت کے مترادف ہے، اس کا وعدہ ہے:
- وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَىٰ زَمِينٍ مِّنْ حَلْقٍ مِّنْهُ يَرْزُقُهَا اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَسْتَقْرَّهَا ۗ اللَّهُ يَرْزُقُهَا كَمَا يَشَاءُ ۗ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهَا لِقَوْمٍ عَالَمِينَ
- اللہ رزقہا و یعلم مستقرہا ۗ رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو، وہ ان سب کے ٹھیسے ٹھکانے کو جانتا ہے۔

تمہیں انسانوں کی روزی کی فکر ہے جب کہ وہ رحیم و کریم رب کہتا ہے کہ میں ہر جاندار کی مستقل قیام گاہ اور عارضی قیام گاہ کو جانتا ہوں اور انہیں ان کے ٹھکانے پر ہی روزی پہنچاتا ہوں، خواہ جنگل کے درندے ہوں یا فضاؤں میں اڑنے والے پرندے ہوں، خواہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں ہوں یا سمندروں اور دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں اور دوسرے جانور ہوں، وہ سب کو ان کی ضروریات زندگی فراہم کر رہا ہے۔

اللہ کا نظام | منصوبہ آبادی کا اس کا اپنا ایک نظام ہے جو ہر قسم کے خلل اور خرابیوں سے پاک ہے، اس نظام کے تحت

وہ انسانوں اور حیوانوں کی آبادی کو کنٹرول کرتا ہے اور انہیں ایک حد تک رکھتا ہے۔

دنیا میں بسنے والوں کو جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اسے وہ عام کر دیتا ہے اور جس چیز کی ضرورت کم ہوتی ہے، اسے وہ اپنے نظام کے تحت خود ہی کم کر دیتا ہے۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال یہ ہے کہ جب سفر کے لئے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، اس وقت تمام انسان گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے، جو کہ آسانی ہر ملک ہر شہر اور ہر گاؤں میں انہیں مستیاً جاتے تھے، لیکن جب سفر کے جدید ذرائع وجود میں آگئے۔ ہوائی اور بحری جہاز ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں عام ہو گئیں تو گھوڑوں اور اونٹوں کی اہمیت کم ہو گئی، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ لوگوں نے انہیں عام استعمال میں لانا ہی چھوڑ دیا، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آج گلی کو چوں میں گھوڑے اور اونٹ بلیوں کی طرح گھومتے دکھائی دیتے، ان کے ریوڑ کے ریوڑ ہوتے یا کم از کم یہ تو ہونا کہ ان کی قیمتیں اتنی کم ہو جائیں کہ ہر کوئی آسانی سے انہیں خرید سکتا۔

لیکن ہوا کیا؟ نہ تو گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوا نہ ہی ان کی قیمتیں کم ہوئیں، جوں ہی حمل و نقل کے ذرائع وجود میں آئے، قدرت کے نظام کے تحت بتدریج گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، ایسا نہیں ہوا کہ ان کی نسل کٹی یا منصوبہ آبادی کے لئے کوئی مہم چلائی گئی ہو یا کوئی محکمہ قائم کیا گیا ہو، یاد دوائیاں ایجاد کی گئی ہوں بلکہ خود بخود ہی ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، اور قیمتیں آسمانوں سے باتیں کرنے لگیں۔ پہلے ہر گھر میں گھوڑا ہوتا تھا۔ اب گھوڑے خال خال لوگوں کے پاس ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں پرانے لوگوں کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان میں پہلے قانونی طور پر گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی، ہر روز لاکھوں کی تعداد میں گائے ذبح ہوتی تھیں۔ انڈیا بہت بڑا ملک ہے، پورے ملک میں ایک دن میں کم از کم دو لاکھ گائے ذبح ضرور ہوتی ہوں گی اور دو لاکھ کا مطلب

ہے ایک مہینہ میں ساٹھ لاکھ گویا سالانہ کروڑوں گائیں ذبح کی جاتی تھیں، مگر بعد میں انڈیا کی متعصب حکومت نے گائے کے ذبح کرنے پر پابندی لگا دی، اب ہونا تو چاہئے تھا کہ جب سالانہ پانچ سات کروڑ گائیں ذبح ہونے سے بچ رہی ہیں تو تیس چالیس کے عرصے میں گائے کی اتنی کثرت ہو جاتی کہ انسانوں کا آبادیوں میں رہنا محال ہو جاتا، کیونکہ گائے بھی تو آبادی میں رہتی ہے، جنگل میں تو نہیں رہتی، ————— حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی ان دیکھے ہاتھ نے ان کی افزائش نسل کو منصوبہ بندی کے تحت کم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے، جس کے اندر تو والد و تناسل کی ایسی زبردست قوت پائی جاتی ہے کہ اس کی نسل کو پوری قوت سے پڑھنے دیا جائے تو تمام رُوٹے زمین صرف اسی نسل سے پیٹ جائے اور کسی دوسری نسل کے لئے ایک ذرہ برابر جگہ باقی نہ رہے۔

مثلاً اسٹار مچھلی بیس کروڑ انڈے دیتی ہے اگر اس نسل کے صرف ایک جوڑے کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو صرف اسی جوڑے کی تیسری چوتھی نسل تک دنیا کے تمام سمندر اسی سے بھر جائیں، اور ان میں پانی کے ایک قطرے کی بھی گنجائش نہ رہے، مگر وہ کون ہے جو ان نسلوں کو اپنی مقررہ حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

کیا وہ آپ کا برتنہ کنٹرول اور خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ ہے؟

کیا وہ آپ کا کنڈوم کلچر ہے؟

کیا یہ آپ کی مانع حمل دواؤں کا اثر ہے؟

نہیں!! ان میں سے کوئی چیز نہیں۔

بلکہ وہ میرے رب کا اپنا نظام ہے جو اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں ساری کائنات

کو اور کاٹنات کی ساری مخلوقات کو کنٹرول کرتا ہے۔
میرے اور آپ کے نظام میں خرابی ہو سکتی ہے لیکن اس کے نظام میں کوئی خرابی
نہیں۔

جب وہ مالک و خالق وعدہ کرتا ہے کہ زرق میرے ذمہ ہے تو ہمیں ان دیکھے
اندیشوں سے دبلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ جوں جوں آبادی میں اضافہ کریگا
وسائل و اسباب میں بھی اضافہ کرتا چلا جائیگا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ جس طرح فقر و فاقہ کے
ڈر سے اولاد کا جسمانی قتل حرام ہے، اسی طرح اولاد

روحانی قتل

کا روحانی قتل بھی حرام ہے۔

وہ والدین جو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اسلامی نہج پر نہیں کرتے، ان کے
صائب ذہنوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش نہیں
بٹھاتے، انہیں صحیح عقائد سکھانے کی کوشش نہیں کرتے،

انہیں قرآن کی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں، انہیں یورپ سے مرعوبیت کا
درس دیتے ہیں، انہیں اسلام سے بغاوت کا راستہ دکھاتے ہیں، انہیں فحاشی
و عریانیت کے راستے پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔

ایسے والدین کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے روحانی قتل کا از نکاب

کر رہے ہیں۔

قرآن کریم میں اس شخص کو زندہ ہا گیا ہے جو اللہ اور رسول کو پہچانتا ہے، اور
اس بد نصیب کو مردہ قرار دیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی معرفت سے محروم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ (یعنی گمراہ) تھا پھر تم

اَرْمَنَ كَا نَ مَيِّتًا فَاحْيِيْنٰهُ

اس کو زندہ (یعنی مسلمان) بنا دیا۔

لہذا بچوں کے جسمانی قتل سے بچنے کے ساتھ ان کے روحانی قتل سے بچنے کی کوشش کیجئے اور ان کی تربیت اس انداز سے کیجئے کہ وہ چور ڈاکو اور قاتل بننے کے بجائے دین کے داعی، قوم کے محافظ اور اسلام کے مجاہد بنیں۔

چوتھا حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ

فواحش

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ
جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں،

یہاں ایک نکتے کی طرف خاص طور پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا، وہ یہ کہ اس سے پہلے تیسرے نمبر پر جو حکم بیان ہوا وہ یہ تھا کہ اپنی اولاد کو افلاس کی وجہ سے قتل نہ کرو، اور اس کے فوراً بعد جو حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ، پندرہویں پارے میں بھی اسی طرح ہے، پہلے حکم دیا گیا کہ اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، اور اس کے بعد فرمایا گیا کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ۔

آخر ان دونوں میں کچھ تو مناسبت ہوگی، جس کی وجہ سے رب کریم نے اپنے کلام حکیم میں انہیں آگے پیچھے ذکر فرمایا ہے۔ اور مناسبت ان دونوں میں یہ ہے کہ شہوت پرست انسان یہ تو چاہتا ہے کہ عورت اس کی شہوت رانیوں کی تسکین کرے اور اس سے اس کو وقتی لذت اور سرور حاصل ہو، لیکن وہ اولاد کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا، اور اگر غلطی سے عورت کو حمل ٹھہر جائے تو وہ اسے اسقاط پر آمادہ کرتا ہے بلکہ بچہ پیدا ہو بھی جائے تو بے حیا مرد اور بے حیا عورت کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ دونوں مل کر کسی طرح اسے ٹھکانے لگا دیں۔

اگر آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو آپ کو مانع حمل دوائیوں کے استعمال کرنے
— حمل کو ساقط کرنے اور نومولود بچوں کو قتل کرنے میں پیش پیش وہی لوگ نظر آئیں گے
جو ازدواجی رشتے کے بغیر آپس میں جنسی تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔

یورپ میں ایسی لڑکیوں کو کنواری ماؤں کا نام دیا جاتا ہے جو شادی سے پہلے
مائیں بن جاتی ہیں اور ہمارے لئے شرم اور عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے معاشرے
میں بھی اب ایسی ماؤں کی کمی نہیں مگر ہمارے ہاں چونکہ زنا کاری اور اس کے نتائج کو
بڑی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے ہوتا یہ ہے کہ یا تو حمل ساقط کر لیا جاتا ہے یا
پیدا ہونے کے بعد اس بے گناہ کو اپنا گناہ چھپانے کے لئے گڑ میں، کوڑے کرکٹ
کے ڈھیر پر اور فٹ پاتھوں پر پھینک دیا جاتا ہے۔

نور چونکہ قتل اولاد میں بے چائی اور فحاشی کا بھی عمل دخل ہوتا ہے، اس لئے
دونوں کو اکٹھے ذکر کیا گیا ہے اور دونوں سے منع کیا گیا ہے۔

ویسے قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں فاحشہ ہر ایسے
برے کام کو کہتے ہیں، جس کے اثرات بُرے ہوں اور دور

فحاشی

بیک پہنچیں، اس مفہوم کے اعتبار سے فحاشی اور بے چائی کا دائرہ بہت وسیع
ہو جاتا ہے۔ فحاشی زبان سے بھی ہو سکتی ہے، عمل سے بھی ہو سکتی ہے اور دل
سے بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی فحاشی سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، خواہ اس کا
تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے ہو، قول سے ہو یا کہ عمل سے ہو، جب کہ مغربی تہذیب
جس پر ہم مڑے جا رہے ہیں، اس کی بنیاد ہی بے چائی پر ہے۔

اخبارات میں بے چائی، ریڈیو اور ٹی وی میں بے چائی، سڑکوں اور دوکانوں پر
بے چائی، کھیل کے میدانوں اور سکولوں، کالجوں میں بے چائی اور ہم مغرب والوں

پر کیسے انگلی اٹھائیں، ہمارے اپنے ملک کا شہروں اور گھروں کا یہی حال ہے۔ اجارات اٹھائیں تو نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں، ریڈیو اور ٹی وی کھولیں تو فحش گانے سننے اور ناقابل بیان مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں، دکانوں اور بازاروں میں دیکھیں تو مائیں اور بہنیں ایسے لباس میں دکھائی دیتی ہیں کہ انہیں ماں اور بہن کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اسلام کی بنیاد پر بننے والے اس ملک سے ناسمجھ گانے والے طائفے بیرونی ممالک میں بھجھے جاتے ہیں اور ان پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور بتایا یہ جاتا ہے کہ یہ پاکستان کا تعارف کرتے ہیں۔ معزز گھرانوں کی نوجوان لڑکیاں ناچنے اور تھرکنے کو اپنی ثقافت سمجھتی ہیں، گھر گھر سے جیہا کے جنازے اٹھ رہے ہیں۔

جیہا۔ ایمان کا حصہ ہے | جب کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جیہا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔

جیہا ہی تو وہ طاقت ہے جو انسان کی آنکھوں کو جھکا دیتی ہے جو اس کی زبان پر تالا ڈال دیتی ہے۔

جو اس کے گندے جذبات کو لگام دیتی ہے۔

جو اس کے اٹھے ہوئے قدموں کو روک دیتی ہے۔

جو دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں اس کی حفاظت کرتی ہے۔

جس شخص میں جیہا نہ ہو اس کا ایمان بھی مشکوک ہے۔

اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: —————

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا حَيَاءَ | جس میں جیہا نہیں اس میں ایمان نہیں
جب جیہا نہ رہے تو پھر انسان جو چاہے کرتا پھرے، اسے کوئی نہیں روک

کتا۔ ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے :۔

إِذَا لَمْ تَخُشْ عَاقِبَةَ اللَّيَالِيِ وَلَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا تَشَاءُ

جب تم راتوں کے انجام سے نہیں ڈرتے، اور جیابھی نہیں کرتے تو جو چاہو کرتے رہو۔

فَلَا وَاللَّهِ مَا فِي الْعَيْشِ خَيْرٌ وَلَا الدُّنْيَا إِذَا ذَهَبَ الْحَيَاءُ

اللہ کی قسم نہ زندگی میں کوئی خیر ہے، نہ ہی دنیا میں جبکہ جیابھی باقی نہ رہے،

يَعِيشُ الْمَرْءُ مَا اسْتَحْيِ بِخَيْرٍ وَيَقِي الْعُودُ مَا بَقِيَ الْحَيَاءُ

حقیقت میں آدمی اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ خیر کے

ساتھ رہے۔ کیونکہ ٹہنی اس وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک کہ تنہا

باقی ہے۔

یہ بھی ذہن میں ضرور رکھیے کہ اس آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ "بے حیائی نہ کرو"

بلکہ یوں فرمایا کہ "بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ" مقصد یہ کہ ایسی محفلوں، ایسے

پروگراموں اور ایسے مقامات پر بھی نہ جاؤ، جہاں جانے کے بعد بے حیائی میں مبتلا

ہونے کا خطرہ ہو، اور ایسے کام بھی نہ کرو، جو فحاشی تک پہنچانے کا سبب بنتے

ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

مَنْ حَامَ حَوْلَ حِمِّيِ أَوْ شَكَ يَعْنِي جَوْشَخْصَ كَسِي مَمْنُوعَ حُجَّةَ كَعْرِ دُكْهُوْمَتَا،

تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے (صحیح مسلم - ۵۸)

اس لئے فواحش کی جگہوں سے اور فواحش میں مبتلا دوستوں سے دور ہی دو

رہنا چاہیے، اپنے اوپر زیادہ اعتماد صحیح نہیں ہے، نفس بڑا دھوکہ باز اور فریبی ہے

جیلے بہانے پہلے سے بے جیا انسانوں اور بے حیائی کی مجالس میں لے جائے گا۔

کبھی کہے گا کہ تمہارے سے نہ جانے سے رشتہ دار ناراض ہوں گے۔

کبھی کہے گا تمہارے رویے سے کسی کی دل شکنی ہوگی۔

کبھی کہے گا تم نماز روزے کی پابندی کرتے ہو، تم پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

کبھی کہے گا لوگ دقیانوسی کہیں گے آخر زمانہ بھی تو بھانا ہے۔

پھر آہستہ آہستہ اس طرح کہ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا وہ تمہیں فحاشی میں

بتلا کر دے گا۔

اس لئے فرمایا کہ تم فواحش کے قریب بھی نہ جاؤ۔

محرّمات میں سے پانچویں چیز قتل ناحق ہے، اس کے متعلق

قتل ناحق

فرمایا گیا ہے :

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ ۗ نَهْ قَتْلُ كَرِوَسِ كَوْجِسِ كَاخُونِ اللّٰهِ نَهْ حَرَامِ
إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

پہلی بات تو یہ جان لیں کہ حق کے ساتھ قتل کرنا کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا :

”کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں سے ایک یہ کہ وہ شادی شدہ

ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو جائے، دوسرے یہ کہ اس نے

کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے، تیسرے یہ کہ

اپنا دین حق چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو،“

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس وقت باغیوں کے زرعے میں محصور تھے،

اور لوگ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے، اس وقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

لوگوں کو یہ حدیث سنا کر کہا تھا کہ اللہ کے فضل سے میں ان تینوں چیزوں سے بری

ہوں، میں نے زمانہ اسلام میں تو کیا، زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی بدکاری نہیں کی،

اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کبھی میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں اپنے دینِ اسلام کو چھوڑ دوں، پھر تم مجھے کس بنا پر قتل کرتے ہو؟

مگر یہ بھی سن لیں کہ ان تین جرائم کی بناء پر بھی ہماشما کو کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ یہ اسلامی حکومت کا کام ہے کہ وہ اسے جرم کی سزا دے، اگر کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دے دی جائے، تو شہر اور آبادیاں انار کی اور فساد کا شکار ہو جائیں گی۔ امن اور سکون اور تحفظ نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جس کا دل چاہے گا وہ کسی بے گناہ پر الزام لگا کر اس کا خون بہا دیگا۔

اور آج جو حالات ہیں ان میں تو الزام کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی، ایک درندہ صفت انسان کلاشکوف ہاتھ میں لے کر نکلتا ہے اور دو چار بے گناہ انسانوں کو بھون ڈالتا ہے نہ قاتل جانتا ہے کہ میں کیوں قتل کر رہا ہوں، نہ ہی مقتول کو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے میرے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔

خونِ مسلم کی ارزانی

مسلمان کا خون سب سے زیادہ ارزاں چیز بن کر رہ گیا ہے۔ غیر مسلموں اور حیوانوں سے بھی زیادہ ارزاں! پچھلے دنوں ایک خبر نظر سے گزری کہ دو نوجوانوں کو اغوا کر لیا گیا۔ اغواء کرنے والے ظاہر ہے مسلمان ہی تھے، اغواء کے بعد انہیں پتہ چلا کہ ان دونوں نوجوانوں میں سے ایک عیسائی ہے اور دوسرا مسلمان، انہوں نے عیسائی نوجوان کو چھوڑ دیا اور مسلمان کو گولیوں سے بھون ڈالا، اسی طرح چند روز پیشتر یہ خبر اخبار میں آئی تھی کہ یہاں کراچی میں کسی جگہ ایک نوجوان کھڑا تھا، قریب ہی ایک کتابھی تھا، درندہ صفت دہشت گردوں نے اس نوجوان کو اڑا دیا، جب کہ کتا پنج گیا۔

یہ اس مسلمان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے جس کے بارے میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے ایک کلمہ (بات) سے مسلمان کے قتل پر مدد کی، وہ جب قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کی پیشانی پر تحریر ہوگا۔

هَذَا آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ

یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ (ابن ماجہ)

وہ رحیم و کریم اللہ جس کی رحمت سے شرابی مایوس نہیں،

زانی مایوس نہیں

ڈاکو اور چور مایوس نہیں

بے نماز اور فاسق و فاجر مایوس نہیں۔

اس کی رحمت سے وہ بد بخت محروم ہوگا جس نے مسلمان کو قتل تو نہیں کیا ہوگا

بلکہ کوئی ایسی بات کہہ دی ہوگی جو اس کے قتل کا سبب بن گئی ہوگی۔

مثلاً کسی کو بھڑکا دیا ہوگا کہ فلاں تمہیں برا بھلا کہتا ہے۔

کوئی غلط افواہ اڑا دی ہوگی۔

کوئی جو شلی تقریر کر دی ہوگی جس سے لوگوں کے جذبات مشتعل ہو گئے ہوں گے

تو اس بد بخت کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا قیمتی اور محترم ہے کہ حدیث میں آتا ہے

« اگر آسمان و زمین والے کسی مسلمان کا خون بہانے میں شریک ہو جائیں تو اللہ ان

سب کو دوزخ میں ڈال دے گا » (ترمذی شریف)

ایک تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ

« اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ آسان ہے »۔

مسلمان تو مسلمان، اسلام تو غیر مسلم پر بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا،

جو ایک ذمی اور معاہدہ کی حیثیت سے اسلامی مملکت میں رہتا ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

”جو مسلمان کسی معاہدہ (غیر مسلم شہری) پر ظلم کرے گا یا اس کا حق مارے گا یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی کوئی چیز جبراً لے گا، تو میں اللہ کی عدالت میں مسلمان کے خلاف دائر ہونے والے مقدمے میں اس غیر مسلم شہری کا وکیل بن کر کھڑا ہوں گا۔“

یہ بات تو آپ میں سے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جس مظلوم کے وکیل کا ثنات کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، اسے استغاثہ کے مقدمے میں کسی صورت بھی شکست نہیں ہو سکتی۔ یہ احادیث اگر آپ کے قلب و دماغ کو کچھ متاثر کرتی ہیں تو خدا را اٹھیے اور ان سنگدل انسانوں کو سمجھانے کی کوشش کیجیے جو اغیار کے اشاروں پر ناپاچ رہے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے ناپاک منصوبوں کی تکمیل کی خاطر ملک عزیز کی سڑکوں اور گلی کوچوں کو لالہ اللہ پڑھنے والے مسلمانوں کے خون سے رنگین کر رہے ہیں۔

میں نے اپنی محدود دیباچہ کے مطابق پچھلے دو جمعوں میں سورۃ الانعام

مالِ یتیم

کی تین آیات میں جو دس احکام بیان کئے گئے ہیں، ان میں پانچ احکام بیان کر چکا ہوں اور آج بقیہ پانچ احکام یا محرمات کی بابت اپنی ناقص سوچ بوجھ اور مطالعہ کے مطابق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں

ان آیات میں چھٹا حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، کسی بھی انسان کے مال، جائیداد، زمین، مکان، دوکان اور سامان پر ناحق قبضہ جمانا ایسا گناہ ہے کہ اس کی بخشش اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس کی تلافی نہ کر دی جائے یا جب تک کہ اس مظلوم شخص سے معافی نہ مانگ لی جائے

اگر معافی تلافی کے بغیر کسی کا انتقال ہو گیا تو اسے قیامت کے دن ہولناک انجام

سے دوچار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ اپنے حقوق ضائع کرنے والے کو توہو سکتا ہے کہ بغیر سزا دیئے معاف فرمادیں۔ لیکن حقوق العباد ضائع کرنے والے شخص کی نیکیاں لے کر ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی، جن کے اس نے حقوق ضائع کئے ہوں گے اور اگر سب کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو پھر ان کے گناہ لے کر اس کے ذمے ڈال دیئے جائیں گے۔

ایسے ہی شخص کو حدیث میں مفلس قرار دیا گیا ہے، کیونکہ قیامت کے دن جب کہ انسان ایک ایک نیکی کا محتاج ہو گا اس دن یہ حرمان نصیب نہ صرف یہ کہ اپنی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا بلکہ دوسروں کے گناہ بھی اپنے ذمہ لے لیگا۔

یوں تو کسی انسان کے مال کو غصب کرنا، ہڑپ کرنا، چوری چکاری

یتیم کے مال کی خصوصیت

یا داؤد فریب سے ہتھیالینا جائز نہیں مگر یتیم کے مال کے قریب نہ جانے کا خاص طور پر دو وجہ سے حکم دیا، ایک تو اس لئے کہ عام شخص اپنی ذاتی طاقت یا اپنے جتنے اور جماعت کی حمایت کے ساتھ اپنے حق کا دفاع کر سکتا ہے اور اپنا مال اور مکان اور زمین بچانے کے لئے لڑ سکتا ہے مگر یتیم ایسا نہیں کر سکتا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب معاشرہ جس سے قرآن کریم براہ راست خطاب کرتا ہے، اس معاشرہ میں یہ ظلم ہو رہا تھا کہ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے مال و دولت پر ان کے اپنے عزیز و اقارب ناجائز قبضہ جمالتے تھے، خاص طور پر یتیم بچیوں کا معاملہ تو بہت ہی نازک تھا۔ بعض اوقات بالغ ہونے کے باوجود ان کے رشتے صرف اسلئے نہیں کرتے تھے کہ کہیں مال ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بظاہر یتیموں کے متولی اور سرپرست بن کر بظاہر بڑی شفقت و محبت دکھاتے کہ ہم صرف ان کی حفاظت اور تربیت کی خاطر وقت سے

ہے ہیں۔ لیکن درپردہ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے جتنا کھا سکتے ہیں کھا جائیں۔ جہاں کس کی ضرورت ہوتی تھی، وہاں سو خرچ کرتے اور خوب عیاشی کرتے اسی لئے فرمایا گیا۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا اسْرَافًا وَبَدَارًا اَنْ يَّكْبُرُوا۔ (سورہ نسا، پٹ)

یتیموں کے مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ، اس نیت سے کہ یہ جب بڑے ہو جائیں گے تو ہمارا تصرف ختم ہو جائے گا۔ اور ان کا مال واپس کرنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى
ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ
نَارًا ط و سَيَصْلُوْنَ سَعِيْرًا
ہیں اور عنقریب دکھتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے

ان وعیدوں اور احکامات کے بعد صحابہ

صحابہ کرام کی احتیاط

کرام رضی اللہ عنہم بڑے چوکنے اور محتاط

ہو گئے تھے، ان میں سے بعض تو ایسے تھے کہ ان کے گھر میں ان کی پرورش میں کوئی یتیم تھا تو انہوں نے اس کا کھانا پینا الگ کر دیا، تاکہ اس کے کھانے کا کوئی حصہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے پیٹ میں نہ چلا جائے مگر اس میں بڑا خرچ تھا کہ ایک بچے کا کھانا الگ پکا یا جائے، اس لئے انہیں اجازت دی گئی کہ ان کا کھانا پکانا اپنے ساتھ کر سکتے ہو، باقی اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے، جن کے دل میں کھوٹ ہے اور ان کو بھی جانتا ہے جو اصلاح چاہتے ہیں۔

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کی تربیت اور پرورش پر جنت میں اپنے ساتھ ہونے کی بشارت سنائی ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نیک کام میں بھی سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، حدیث میں آتا ہے: —

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْتَ
فِي الْجَنَّةِ
میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت
میں اس قدر قریب ہوں گے، جس قدر

یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی لڑکیاں یتیم ہو گئیں
تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنی پرورش میں لے لیا۔

یتیموں کی پرورش کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت دیانت داری کے
ساتھ ان کے مال کی حفاظت بھی کرتے تھے، اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے اور
تجارت کے ذریعے اسے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عام
حکم تھا۔

اتَّجِرُوا فِي أَمْوَالِ الْيَتَامَى
لَا تَأْكُلُوهَا الزُّكُورُ
یتیموں کے مال سے تجارت کرو کہ زکوٰۃ اسے
کھانا چلے۔

پرورش اور تجارت کے علاوہ بھی کئی طریقوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ
سلوک کیا کرتے تھے۔

ایک یتیم نے ایک شخص پر باغ کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے لیکن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ رو پڑا۔ آپ کو اس پر رحم آگیا،
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے سفارش کی کہ یہ باغ تم اسے دے دو، اللہ
تعالیٰ اسکے بدلے تمہیں جنت میں باغ دیگا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

حضرت ابوالاحد ریح رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم میرے
باغ کے عوض اپنا باغ بیچتے ہو، اس نے کہا کہ ہاں میں بیچتا ہوں، رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جو باغ آپ یتیم کے لئے مانگتے

تھے، وہ اگر میں دے دوں تو کیا اس کے بدلے میں مجھے جنت میں باغ ملے گا
 آپ نے فرمایا، ہاں ملے گا، چنانچہ انہوں نے وہ باغ یتیم کے حوالے کر دیا۔
 بہر حال چھٹا حکم یہ دیا گیا کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے
 سے جو مستحسن ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے، جب وہ بالغ
 ہو جائے تو پھر دیکھیں گے کہ اس میں اپنے مال کی حفاظت اور اسے صحیح مصرف
 میں خرچ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے یا نہیں، اگر صلاحیت پیدا نہ
 ہوئی ہو تو پچیس سال کی عمر تک انتظار کیا جائے گا اگر اسکے باوجود اس میں
 صلاحیت پیدا نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بہر حال اس کا
 مال اس کے حوالے کر دیا جائے، وہ جانے اور اس کا کام البتہ اگر وہ
 دیوانہ اور پاگل ہو تو پھر مال اسکے حوالے نہ کیا جائے۔

دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس میں صلاحیت پیدا نہ ہو
 جائے اگرچہ بڑھا ہی کیوں نہ ہو جائے، مال اسکے حوالے نہیں کیا جائے گا۔
 ساتویں چیز جس کا ان آیات میں حکم دیا گیا ہے،

ناپ تول میں کمی

یہ ہے کہ ناپ تول کو انصاف کے ساتھ
 پورا کرو، نہ تولنے میں زیادتی کرو اور نہ دینے میں کمی کرو،

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام
 کی قوم اسی گناہ میں مبتلا تھی چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔
 وَيَقْوِمُوا أَوْقُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ
 بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
 أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتَسُوا فِي الْأَرْضِ
 مَفْسِدِينَ ۝ ۵

اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری
 طرح کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں
 نقصان مت کیا کرو، اور زمین میں فساد
 کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔

عجیب نکتہ

مفسرین نے یہاں بڑا عجیب نکتہ لکھا ہے، جس میں ہمارے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ فرماتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور پر وہ سب سے پہلے ایمان ہی کی دعوت دیا کرتے تھے اور ایمان سے پہلے دوسرے معاملات اور اعمال پر توجہ نہیں دی جاتی تھی، دنیا میں ان پر عذاب آنے یا نہ آنے کی بنیاد بھی ان کے ایمان و کفر پر ہوتی تھی۔ ایمان لے آتے تھے تو عذاب سے بچ جاتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے تو ان پر عذاب آجاتا تھا۔ مگر صرف دو قومیں ایسی ہیں جن پر عذاب نازل ہونے میں کفر کے ساتھ ساتھ ان کے اعمالِ خبیثہ کو بھی دخل رہا ہے۔

ایک لوط علیہ السلام کی قوم کہ ایک خبیث عمل میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کی بستی کو الٹ دیا گیا۔ اور دوسری شعیب علیہ السلام کی قوم جن پر عذاب آنے کا سبب کفر و شرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرنے کو بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب گناہوں سے زیادہ مبغوض اور شدید ہیں، بظاہر وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کام ایسے ہیں کہ پوری نسل انسانی کو ان سے شدید نقصان پہنچتا ہے۔ اور پورے عالم میں اس سے فسادِ عظیم پھیلتا ہے۔

جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں گڑبڑ کے جرم میں مبتلا تھی، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ بھی اسی جرم میں مبتلا تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی وہ سورہ مطففین تھی، جس

میں ایسے لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی، فرمایا گیا :

وِيلَ لِلْمُطَفِّفِينَ هَ الَّذِينَ إِذَا
بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنیوالوں
اُكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ
کی، جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں
وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ زَنَوْهُمْ
تو پورا لے لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول
يُخْسِرُونَ هَ أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ
کر دیں تو گھٹا دیں، کیا ان لوگوں کو اس کا یقین
أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ هَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ
نہیں کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں
يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ هَ
زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے، جس دن
تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے،

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تو سمجھانے بچھانے کے باوجود گڑبڑ
سے باز نہیں آئی تھی، لیکن اہل مدینہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس
رسم بد سے باز آگئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول پورا پورا کرنے
میں معروف و مشہور ہیں۔

اور یہ اصل میں نتیجہ تھا دلوں میں خوف کے
خوف خدا کا نتیجہ پیدا ہو جانے کا کیونکہ انسان کے پیش نظر

اگر صرف ملکی قانون ہو یا کسی مادی اور ظاہری طاقت اور گرفت کا خوف ہو تو وہ
اپنے جرم کے لئے ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے کہ قانون کی نظر سے بچ جائے لیکن
جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو، وہ ایسی جگہ بھی جرم کے ارتکاب سے بچنے
ہے جہاں وہ ملکی قانون کی نظروں سے بچا ہوا ہوتا ہے۔

اہل مدینہ ہوں یا اہل مکہ، ایمان لے آنے کے بعد ان کے دلوں میں ایسا خوف
خدا پیدا ہو گیا تھا، جو انہیں جلوت میں بھی گناہوں سے بچانا تھا اور خلوت میں بھی،
آبادی میں بھی ان کی حفاظت کرتا تھا اور ویرانے میں بھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ایک دن وہ چلتے پھرتے مدینہ منورہ کے اطراف میں نکل آئے، وہاں ایک چرواہے کو دیکھا جو بکریاں چرارہا تھا۔ آپ نے اسے کھانے پر بلایا تو اس نے معذرت کی کہ میں رونے سے ہوں۔ اب انہوں نے اسکے تقویٰ اور خوفِ خدا کا امتحان لیتے کے لئے کہا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری مجھے فروخت کر دو، میں تمہیں سکا قیمت بھی دوں گا اور روزہ افطار کرنے کے لئے گوشت بھی دوں گا۔ لیکن اس نے کہا، کہ یہ بکریاں میری نہیں بلکہ میرے آقا کی ہیں اس لئے میں فروخت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے آقا کیا کر سکتے ہیں وہ تو یہاں موجود نہیں۔ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ خا ئن اللہ تو اللہ کہاں جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس فقرے پر حجوم گئے اور بار بار کہنے لگے، قال الراعی خا ئن اللہ چرواہا کہتا ہے تو اللہ کہاں جائیگا۔

مدینہ آنے کے بعد اس چرواہے کو بکریوں سمیت اس کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں بھی اسے ہبہ کر دیں۔

تو جب یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اور کوئی نہیں کہ اللہ تو مجھے دیکھ ہی رہا ہے تو پھر جرم کرنا اور ڈنڈی مارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اگر یہ یقین نہ ہو تو پھر نسان جو چاہے کرتا ہے، اسے کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔

تطفیف کی کچھ اور صورتیں

ناپ تول میں کمی جسے قرآن نے تطفیف کہا ہے اس کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ مختصر طور پر یوں سمجھ لیں کہ کسی کے ذمے دوسرے کا جو بھی حق ہے اس میں کمی کرنا

تطیف میں داخل ہے

ام مالک رح نے مؤطا میں حضرت عمر رض سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو نماز کے ارکان میں کمی کرتے دیکھا تو فرمایا کہ تو نے تطیف کر دی یعنی جو تیرا واجب تھا وہ ادا نہیں کیا۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد ام مالک فرماتے ہیں۔ لِكُلِّ شَيْءٍ دِفْءٌ وَتَطْفِيفٌ حَقٌّ كَاطُورٍ دِينًا أَوْ كَمِيٍّ كَرِنًا هَرَجِيْرًا مِثْلَ مَا هُوَ فِي كِتَابِ الْمُؤَطَّاءِ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو ملازم اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کرتا، وقت چراتا ہے یا کام میں کوتاہی کرتا ہے وہ کوئی وزیر و امیر ہو یا معمولی ملازم ہو اور وہ کوئی دفتری کام کرنے والا ہو یا علمی اور دینی خدمت جو حق اس کے ذمے ہے، اس میں کوتاہی کرے تو وہ بھی مطفین میں داخل ہے۔ اسی طرح مزدور جو اپنی مقررہ خدمت میں کوتاہی کرے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

آٹھواں حکم یہ دیا کہ "جب تم بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا رشتہ دار ہی ہو،

عدل و انصاف

اسلام کا عمومی حکم یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں، ہر شعبے میں، ہر مقام پر اور ہر کسی کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرو، اگر تم حاکم ہو تو بھی عدل کرو، قاضی اور جج ہو تو بھی عدل کا فیصلہ کرو۔ اُستاد ہو تو شاگردوں کے ساتھ عدل کرو، والد ہو تو اولاد کے درمیان عدل کرو، افسر ہو تو اپنے ماتحت ملازمین کے ساتھ انصاف کرو۔

گواہ ہو تو حق و انصاف کے ساتھ گواہی دو

مبلغ اور داعی ہو تو بھی حق و انصاف کی بات کرو،

آپس میں کوئی معاملہ درپیش ہو تو اس میں بھی حق و عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھو، غرضیکہ زندگی کا کوئی بھی مرحلہ ہو، کوئی بھی شعبہ ہو، کوئی بھی مقام ہو، تمہاری دوستی اور دشمنی، نفع اور نقصان، اعلیٰ اور ادنیٰ، رشتہ دار اور اجنبی جیسے مسائل پر نظر بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں پر رہنی چاہیے

کوئی راضی ہو یا ناراض تمہیں ہر حال میں سچی بات کہنی چاہیے، سچی گواہی دینی چاہیے کیونکہ سچی گواہی کے اثرات و نتائج دنیا و آخرت کے حق میں بہتر ہوں گے اور جھوٹی گواہی کے نتائج نہ دنیا میں بہتر ہو سکتے ہیں اور نہ آخرت میں۔

مشہور شاعر احسان دانش مرحوم نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے آبائی قصبہ کاندھلہ (یوپی)

اسلام کی جیت

میں ایک مرتبہ کسی زمین کے ٹکڑے کے تنازعہ پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں تصادم ہو گیا۔ مسلمان کہتے تھے کہ یہ ٹکڑا ہمارا ہے اور ہندو کہتے تھے کہ ہمارا ہے۔ جب مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی تو دونوں قریبیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ضلعی صدر مقام سہارن پور سے ایک اعلیٰ انگریز افسر آیا۔ اور اس نے مولانا مظفر حسین کاندھلوی کو کہلا بھیجا کہ وہ جس قوم کے حق میں گواہی دیں اسی کے حق میں فیصلہ کر دوں گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کو ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کے شدید جذبات پائے جاتے تھے چنانچہ مولانا نے اس انگریز افسر سے ملنے سے انکار کر دیا۔ مگر جب بار بار اصرار کیا گیا کہ حضرت آپ کی وجہ سے دو قوموں کے درمیان

مگر اوڑک سکتا ہے اور مصالحت ہو سکتی ہے جب کہ دونوں فریق آپ کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں تو مولانا مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ اس شرط پر آنے کو تیار ہوئے کہ وہ اس انگریز افسر کا چہرہ نہیں دیکھیں گے۔ اور اس افسر نے بھی یہ شرط مان لی۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب تشریف لائے اور انگریز کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے، آپ کے سامنے مسلمانوں اور ہندوؤں کا بہت بڑا مجمع تھا ہزاروں لوگ اس فیصلے کو سننے کے لئے جمع تھے۔ ظاہر ہے مسلمانوں کو تو یقین ہی ہو گا کہ ہمارے مولانا نہیں لہذا ہمارے ہی حق میں فیصلہ کریں گے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہمارا مولوی ہو اور ہمارے ہی خلاف بات کرے، ہماری بلی ہمیں کو میاؤں" مگر مسلمانوں کی توقعات کے برعکس مولانا نے اعلان کیا کہ زمین کا یہ منازعہ مگر اصل ہندوؤں کا ہے اور اس پر مسلمانوں کا دعویٰ بالکل بے جا ہے۔

زمین ہندوؤں کو مل گئی، مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا اور اسلام یوں جیتا کہ اسی روز شام تک چوبیس خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔

تو یہ بتا رہا تھا کہ سچی گواہی اور انصاف کے فیصلے کے اثرات ہمیشہ دیرپا

دین اور آخرت کا نقصان

اور اچھے ثابت ہوتے ہیں، جب کہ جھوٹی گواہی اور ظالمانہ فیصلے کے نتائج نہ دنیا میں بہتر ہوتے ہیں نہ آخرت میں۔

جھوٹی گواہی کے متعلق ابو داؤد اور ابن ماجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، یہ تین مرتبہ فرمایا، اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنْفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ترجمہ: اجتناب

پرستی کے گندے عقیدے سے بچو اور جھوٹ بولنے سے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے ہوئے۔

اسی طرح حق کے خلاف فیصلہ کرنے کے بارے میں ابوداؤد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "قاضی" (یعنی مقدمات کا فیصلہ کرنے والے) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جس نے معاملہ کی تحقیق شریعت کے موافق کر کے حق کو پہچانا پھر حق کے مطابق فیصلہ دیا، وہ جنتی ہے اور جس نے تحقیق کر کے حق بات کو جان لیا مگر جان بوجھ کر فیصلہ اسکے خلاف کیا وہ دوزخی ہے، اور اس طرح وہ قاضی جس کو علم نہ ہو یا تحقیق اور غور و فکر میں کمی کی اور جہالت سے کوئی فیصلہ دے دیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

ان احادیث کو سامنے رکھتے اور دیکھتے کہ آج کتنے لوگ ہیں جو حق و انصاف کی بات کرتے ہیں۔

کتنے قاضی اور جج ہیں جو یعنی برحقیقت فیصلے کرتے ہیں۔

کتنے لوگ ہیں جو دوستیوں اور تعلقات پر عدل کی آواز کو غالب رکھتے ہیں، میری ناقص سوچ تو یہ ہے کہ اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ عدل کا فقدان ہے، کسی شعبے میں بھی عدل کا وجود دکھائی نہیں دیتا، ہر طرف ظلم ہی ظلم ہے، زیادتی ہی زیادتی ہے، نا انصافی ہی نا انصافی ہے

گھروں میں ظلم ہے۔

دفتروں میں ظلم ہے۔

محکموں میں ظلم ہے۔

تھانوں میں ظلم ہے۔

عدالتوں میں ظلم ہے۔

دیہاتوں میں ظلم ہے۔

شہروں میں ظلم ہے۔

جب ہر طرف ظلم ہی ظلم ہوگا تو تعصبات کیوں نہ اُبھریں
قومیت کی آوازیں کیوں نہ اٹھیں،

ظلم کی ہمہ گیری ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اس ملک کا وجود خطرے میں پڑ چکا ہے
آدھا حصہ ہم پہلے گنوا بیٹھے ہیں اور اب باقی آدھے پر بھی لرزہ طاری ہے، اس
ملک کے باسی وسوسوں اور اندیشوں میں مبتلا ہیں کہ نہ معلوم کل کیا ہو جائے۔
خدارا! اپنے گھر میں اپنے دفتر میں اپنی فیکٹری میں اور اپنے دائرہ اختیار میں عدل
کیجیے، عدل کو اپنائیے، عدل کی عادت ڈالیے۔ عدل کو رواج دیجیے، ہو سکتا ہے
آپ کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی عدل کرنے لگیں۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے، اگر آپ اپنے دائرہ اختیار میں عدل کا چراغ روشن
کر دیں گے تو ممکن ہے کہ اس چراغ سے پورے ملک میں عدل کے بہت سارے
چراغ روشن ہو جائیں اور یوں اس مظلوم ملک کے مظلوم انسانوں کے دروہام عدل
کی پاکیزہ روشنی سے جگمگا اٹھیں۔ اور جس دن ایسا ہو گیا۔ انشاء اللہ اس کے بعد
کسی دشمن کو اس ملک کے وجود پر اپنی ناپاک نگاہیں گاڑنے کی جرأت نہیں ہوگی۔
ان حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ **وَبِعَهْدِ اللّٰهِ**

ایفائے عہد | **اَوْ قُوَا**۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔

اللہ کا وہ کون سا عہد ہے جسے پورا کرنے کا یہاں حکم دیا گیا ہے؟ اس عہد
سے مراد "عہدِ الت" بھی ہو سکتا ہے، جب عالم ارواح میں تمام انسانوں سے
سوال کیا گیا تھا۔

”الَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔

اور سب نے جواب دیا تھا ”بلی“ بلاشبہ آپ ہمارے رب اور پروردگار ہیں۔

اور اس سے وہ خاص خاص عہد بھی مراد ہو سکتے ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر فرمایا گیا ہے اور انہی میں سے یہ تین آیات بھی ہیں، جن میں دس احکام تاکید کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں اور ہمیں ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ویسے کلمہ طیبہ بھی تو ایک عہد ہی ہے۔

جب ایک شخص لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو گویا اللہ سے عہد کرتا ہے کہ:

میں تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا

تیرے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔

تیرے سوا کسی سے امیدیں قائم نہیں کروں گا۔

تیرے سوا کسی کو حاکم مطابقت تسلیم نہیں کروں گا۔

تیرے سوا کسی کے سامنے پیشانی نہیں جھکاؤں گا۔

تیرے سوا کسی اور کے نام پر نذر و نیاز نہیں مانوں گا۔

میرے قیام و قعود، میرا رکوع و سجود، میرا صدقہ و خیرات، میری زندگی اور موت

سب تیرے لئے ہوگی۔

اور محمد رسول اللہ، کہہ کر وہ یہ عہد کرتا ہے کہ میں زندگی کے ہر شعبے

میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کروں گا۔

شادی میں، خوشی میں، موت اور غم میں، تجارت اور ملازمت میں، گھراؤ

بازار میں، مسجد اور ایوان میں، امن اور جنگ میں، سفر اور حضر میں، سیاست

اور حکومت میں۔ غرضیکہ ہر حالت میں اور ہر شعبے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

و سلم کی ہدایات کو آپ کی تعلیمات کو آپ کے ارشادات کو اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھوں گا۔

محترم سامعین! جس طرح اللہ کے عہد کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر بندوں کے ساتھ کوئی وعدہ کیا جائے تو اسے بھی پورا کیا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس میں انت دین لمن لا عہد له نہ ہو اور اس شخص کا دین کامل نہیں جس میں عہد نہ ہو،

یہ اسلامی تعلیمات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے قول و قرار کے بڑے پابند تھے وہ ہماری طرح وعدہ توڑنے اور مکر نے کے لئے نہیں کرتے بلکہ زبان سے جو لفظ نکالتے تھے، اس کو پتھر کی لکیر سمجھتے تھے

جبکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ جو جتنے مشہور اور بڑے لوگ ہیں وہ اتنے ہی قول و قرار کے کچے اور وعدہ خلاف ہوتے ہیں۔
وعدہ خلافی ایک عام معمول بن کر رہ گیا ہے، اسے کوئی عیب نہیں، بلکہ ہنر سمجھا جاتا ہے۔ بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو ایسی گولی دی ہے کہ یاد رکھے گا۔

جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ ہر حالت میں عہد کو پورا کرتے تھے، ہر مزان کا نام اپنے ضرور سنا ہوگا۔ یہ ایرانیوں کے ایک لشکر کا سردار تھا۔ ایک مرتبہ مغلوب ہو کر اس نے جزیہ دینا بھی قبول کر لیا تھا، مگر پھر باعنی ہو کر مقابلے

پر آگیا، آخر سے دوبارہ شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچا۔

آپ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، آپ نے ہرمزان سے کہا کہ تم نے کئی بار بد عہدی کی ہے اگر اب تمہیں سزا دی جائے تو تمہیں کیا عذر ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید میرا عذر سننے سے پہلے ہی مجھے قتل نہ کر دیا جائے آپ نے فرمایا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تم بلا خوف و خطر اپنا عذر بیان کرو، اس نے کہا، پہلے مجھے پانی پلا دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی لانے کا حکم دیا، ہرمزان نے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لے کر کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میں پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیا جاؤں، حضرت عمرؓ نے فرمایا، جب تم پانی نہ پی لو اور اپنا عذر بیان نہ کرو، تم اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ سمجھو، ہرمزان نے پانی کا پیالہ رکھ دیا (بعض کتابوں میں ہے کہ پانی گرا دیا) اور کہا میں پانی نہیں پینا چاہتا اور چونکہ آپ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ جب تک میں پانی نہیں پی لوں، آپ مجھے قتل نہیں کریں گے اس لئے آپ مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہرمزان کی اس چالاکی اور دھوکہ دہی پر بہت غصہ آیا، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ درمیان میں بول اٹھے کہ امیر المؤمنین یہ سچ کہتا ہے، کیونکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ جب تک تم عذر بیان نہیں کر لو گے اور پانی نہیں پی لو گے تم کسی خطرے میں نہیں ڈالے جاؤ گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بات کی دوسرے لوگوں نے بھی تائید کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہرمزان! تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے لیکن میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا، کیونکہ اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی، ایفاء عہد اور حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ اور امیر المؤمنین نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ تو ناں حکم یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

تفرقہ بازی

دسواں حکم ان آیات میں یہ دیا گیا ہے: —

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہ دین میرا سیدھا راستہ ہے سو اس راہ پر
فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ط راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی

یہ آخری بات ہے جس کا ان آیات میں حکم دیا گیا ہے کہ یہ دین اور یہ قرآن
میرا سیدھا راستہ ہے تو اگر منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو اسی جرنیلی سڑک
پر چلتے رہو۔ ایک نہ ایک دن تم منزل تک ضرور جا پہنچو گے۔

اس جرنیلی سڑک کو چھوڑ کر ان پکڈنڈیوں پر سرگز نہیں چلو، جو لوگوں نے اپنی اپنی
خواہشات اور اپنے اپنے خیالات سے خود بنا رکھی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں اور خطوط
کھینچے اور فرمایا کہ یہ سبل ہیں (یعنی وہ راستے ہیں جن پر چلنے سے اس آیت میں منع فرمایا گیا)
اور فرمایا کہ ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو سیدھے راستے سے
ہٹا کر اس طرف بلاتا ہے، اس کے بعد آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی۔

قرآن کریم تو اسلئے نازل ہوا تھا کہ لوگ اپنے خیالات اور اپنی مرضیات اور نظریات
و افکار کو قرآن کریم کے تابع ڈھالیں۔ لیکن لوگوں نے یوں کیا کہ بجائے اس کے کہ اپنے
خیالات کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کی بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرتے، الٹا انہوں
نے قرآن کریم کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش شروع کر دی، جیسا کہ
کسی شاعر نے کہا ہے ۷

ہوئے کس قدر بے توفیق فقہانِ حرم
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

اسی سے فرقے پیدا ہوتے ہیں

اسی سے گمراہیاں جنم لیتی ہیں

اسی سے مختلف راستے نکلتے ہیں۔

اور یہی آج امت کی کمزوری اور مغلوبیت کا بڑا سبب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی قربانیوں سے
ایک امت کو تیار کیا تھا۔ اس امت کا ہر فرد امتی

امت پنا

ہونے کے جذبے سے سرشار تھا۔ ان میں سے کوئی فارس کا رہنے والا تھا، اور
کوئی حبشہ کا، کوئی روم کا یا شندہ تھا اور کوئی نینوا کا، کسی کا قبیلہ غفار سے تعلق
تھا اور کسی کا دوس سے، کوئی اموی تھا اور کوئی طائی تھا کوئی ازدی تھا، اور کوئی
جعشہ تھا، لیکن جو کوئی بھی تھا، جہاں کہیں کا بھی تھا، جس قبیلے کا بھی تھا وہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے پر فخر کرتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی
میں دنیا اور آخرت کی کامیابی سمجھتا تھا۔

امت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے، ہر شخص اپنی رائے پر ڈٹا ہوا ہے اور اسی
کو حق سمجھتا ہے، ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی الگ بنا ڈالی ہے اور
اسی میں مگن ہے۔

اب اگر کوئی چاہے کہ دوبارہ ہمارے اندر امت پنا پیدا ہو جائے تو اس
کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ اپنے ذاتی خیالات اور نظریات کو چھوڑ
کر قرآن کی بالادستی قبول کر لی جائے۔

یہ طے کر لیا جائے کہ ہمیں عبادت اور ریاضت میں، سیاست اور ثقافت

میں، معاشرت اور معیشت میں، شادی اور غمی میں، غرضیکہ ہر ہر معاملے میں، یہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی ہے، اس طریقے سے امت پنا پیدا ہو سکتا ہے اور کھیلوں کا یہ بکھرا ہوا گلابیہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتا ہے اس سے ہٹ کر اگر ہم نے کوئی بھی کوشش کی تو وہ اتحاد کے بجائے ہمیں مزید انتشار کی طرف لے جائے گی۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ دس باتیں جو آپ کے سامنے بیان کی گئی ہیں آئیے ہم ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

فقر و فاقہ کی وجہ سے نہ تو اولاد کا جسمانی قتل کریں اور نہ ہی روحانی قتل کریں۔ ہر قسم کی بے حیائی سے اپنے دامن کو بچائیں۔ کسی انسان کے قتل ناحق سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کریں۔ کسی کے مال پر اور خصوصاً یتیموں کے مال پر قبضہ نہ جائیں۔

ناپ تول ہمیشہ درست رکھیں

جب بھی بات کہیں عدل و انصاف کی کہیں،

اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کریں۔

اور کتاب و سنت کے راستے سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہ ہوں، اللہ مجھے اور آپ سب کو ان دس احکام کو اپنی زندگیوں میں عملی طور پر زندہ کرنے کی

توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

قصہ یوسف علیہ السلام کی چند عبرتیں

یکے پر سید زان گم کردہ فخر زند
کہ اے روشن گہر پیر حسرت مند
زمصرش بوئے پیراہن شمشیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگف احوال ما برق جہانست
دھے پیدا و دیگر دم نہاں است
گھے بر طارم اعلیٰ نشینم
گھے بر پشت پائے خود نہ بنیم

گرچہ رفتہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وارے باید دوید
(مولانا روم نور اللہ مرقدہ)

«حضرت یوسف علیہ السلام نہ تو کنوئیں کی تاریکی میں مایوس ہوئے تھے، نہ ہی مصر کے بازار میں دل شکستہ ہوئے اور نہ ہی فوطیفاً کے گھر میں عزت و احترام کے ملنے کے بعد آپ سے باہر ہوئے بلکہ ہر حال میں راضی برضا ہے

مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے وہ بہار میں بھی اپنے مالک کو نہیں بھولتا اور خزاں میں بھی اس کی دستگیری سے مایوس نہیں ہوتا وہ فقر و غربت میں اپنے مالک سے وابستہ رہتا ہے اور دولت و ثروت میں بھی اس سے رشتہ نہیں توڑتا۔

وہ مصائب و آلام میں اس کو پکارتا ہے اور مسرت و خوش عیشی میں اسے فراموش نہیں کرتا۔

جھونپڑے میں بھی وہ اپنے تدبیر کی حفاظت کرتا ہے اور قصر شاہی میں بھی دامن تقویٰ کو آلودہ نہیں ہونے دیتا۔ یہاں شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے :-

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

قصہ یوسف علیہ السلام کی چند عبرتیں

نحمدہ و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد
 فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الرَّقْف تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ المر: یہ روشن کتاب کی آئینیں ہیں، ہم نے
 الْمُبِينِ ۛ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ سُورَانًا قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو،
 عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۛ مَحْنُ اے پیغمبر! ہم اس قرآن کے ذریعہ سے
 نَقْصٌ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، ایک
 بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ نہایت اچھا قصہ (واقعہ) سناتے ہیں
 وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِيتًا اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

الغافلین ۛ (سورہ یوسف، ۱۱ تا ۳۱)

گرامی قدر حاضرین و سامعین میں نے آپ کے سامنے سورہ یوسف کی چند
 آیات تلاوت کی ہیں، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کا وہ
 مشہور واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جسے ربُّ العزت نے خود ہی "حسن القصص"،
 قرار دیا ہے۔ یعنی یہ قصہ اور واقعہ تمام واقعات سے زیادہ حسین اور بہترین
 ہے۔ یاد رکھیں کہ قرآن کریم قصوں، کہانیوں کی کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ اُس کا
 مقصد نزول صرف اور صرف ہدایت ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں اللہ
 تعالیٰ نے خود ہی اس کا مقصد نزول بیان فرمایا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ كَامًا مَّكْمُومًا ۝۱
 رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن

فِيهِ الْقُرْآنِ هُدًى لِّلنَّاسِ نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے
اس لئے قرآن کا اس قصے کو "احسن القصص" قرار دینا محض
اس کی دلچسپی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اس میں ہدایت اور عبرت
و نصیحت کا بے پناہ سامان ہے۔

میں اس وقت آپ حضرات کے سامنے اس واقعہ کی تفصیلات
اور جزئیات بیان نہیں کرنا چاہتا، بلکہ اس میں جو عبرتیں اور بصیرتیں پوشیدہ
ہیں صرف انہیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی چیز جو اس واقعہ سے
حسد کی بیماری | معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حسد ایک

ایسی بیماری ہے جو بھائی کو بھی بھائی کے خلاف عنین و غضب میں مبتلا
کر دیتی ہے اور یہ کہ بڑوں بڑوں کی اولاد میں بھی یہ بیماری ہو سکتی ہے بلکہ
جہاں تک میرا ناقص تجربہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ بیماری اسی طبقے میں
زیادہ ہوتی ہے، جسے ہم اونچی سوسائٹی کا طبقہ یا بڑے لوگ کہتے ہیں،
یہ لوگ بڑے ہوتے ہیں مگر دل چھوٹے ہوتے ہیں۔

علم بھی ہے، دولت بھی ہے، فیکٹری اور کارخانہ بھی ہے، عہدہ اور
منصب بھی ہے۔ لیکن دل میں حریفانہ جذبات اور رقیبانہ خیالات حسد
میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی بڑے لوگ تھے۔ ایک عظیم مہمگیر
حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ لیکن جب دیکھا کہ ہمارے آباؤ
اپنی تمام اولاد میں سے سب سے زیادہ پیار یوسف سے ہے تو وہ حسد
میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ یہ فطری بات ہے کہ والدین کو اپنی اولاد میں سے

کسی ایک سے زیادہ پیار ہو جاتا ہے۔

یہ تو جائز نہیں کہ والدین اپنی اولاد میں نا انصافی اور ظلم کریں
کسی ایک کو اچھا کھانا دیں اور دوسرے کو بچا کھچا اور ہلکا کھانا دیں۔
کسی ایک کو اچھا لباس اور دوسروں کو گھٹیا لباس دیں۔
لیکن جہاں تک قلبی محبت کا تعلق ہے تو وہ کسی ایک سے زیادہ
ہو سکتی ہے اسلئے کہ دل پر انسان کا اختیار نہیں۔

حضور علیہ السلام کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باقی
ازواج مطہرات سے زیادہ محبت تھی۔ لیکن اس کے باوجود باری کے اعتبار
سے اور نان و نفقہ کے اعتبار سے سب سے برابری کا سلوک فرماتے تھے۔
اسی بارے میں ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

اللَّهُمَّ هَذَا قَسَمِي فِيمَا لِيَ اللَّهُ! جو میرے اختیار میں ہے
أَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِي اس کے مطابق میں تمام بیویوں
فِيمَا لَأَمْلِكُ میں عدل کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں۔

لیکن جو میرے اختیار میں نہیں ہے
اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرنا۔

— دل پر چونکہ میرا اختیار نہیں ہے

تو دل کو جس طرف چاہے پھیر سکتا ہے۔

جس کی طرف مائل کرنا چاہے مائل کر سکتا ہے۔

جس کی محبت چاہے دل میں ڈال سکتا ہے۔

اس لئے اگر دل میں کسی بیوی کی محبت زیادہ ہو تو اس پر میرا مؤاخذہ

نہ کرنا کیونکہ میں اس سلسلہ میں بے بس ہوں۔

جیسے بیویوں کا معاملہ ہے بعینہ یہی معاملہ اولاد کا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ظاہری طور پر تو اپنی ساری اولاد سے انصاف کا سلوک کرے لیکن اگر دل میں کسی ایک کی محبت زیادہ ہو تو اس پر گرفت نہیں ہوگی حضرت یعقوب علیہ السلام ظاہری معاملات میں اپنی ساری اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے، مگر یوسف علیہ السلام کی صورت و سیرت کی وجہ سے محبت ان سے زیادہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے برادرانِ یوسف حسد میں مبتلا ہو گئے اور ان کے حسد نے انہیں اپنے معصوم بھائی کے قتل کا راستہ دکھایا، جیسے آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو حسد نے اپنے بھائی ہابیل کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔

اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ حسد کیسی خطرناک بیماری ہے۔ بھائی، بھائی کے خون کا پیسا ہو جاتا ہے۔ اس خوفناک بیماری سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

برادرانِ یوسف نے بغض و حسد کی بنا پر آپس میں جو مشورہ کیا تھا۔

قرآن کریم نے ان کے مشورہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

اِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ
 أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا وَنَحْنُ
 كُؤُومٌ سِمْ سِمْ سِمْ سِمْ سِمْ
 عِصْبَةٌ طِرَاتٌ أَبَانَا لَفِي ضَلِيلِ
 مُبِينٍ ۗ قَتَلُوا يُوسُفَ
 أَوْ اطَّرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ
 وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ
 بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝

جب وہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے اور ہم ان سے زیادہ قوت والے ہیں، بلاشبہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے، یوسف کو مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک دو، تاکہ تمہارا باپ کی توجہ تمہاری طرف سمٹ آئے، اور

ہو رہنا بعد میں نیک قوم

چنانچہ جیلے بہانے سے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور وہاں جا کر ایک خشک کنوئیں میں انہیں ڈال دیا اور شام کو واپسی میں ان کی قمیص کو کسی جانور کے خون میں تر کر لیا اور انتہائی مکاری سے ٹسے بہاتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

يٰۤاَبَانَا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ
اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں
تَرَكَتْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
دوڑنے میں لگ گئے اور ہم نے یوسف
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ
کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا
(سورہ یوسف)

اس کو کھا گیا۔

چونکہ جانتے تھے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں، دل میں چورتھا اس لئے خود ہی بول اٹھے۔

وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَكُو
اور آپ تو ہمارے اوپر یقین نہیں کریں
كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝
گے گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں۔

انسان کتنی ہی ہوشیاری کیوں نہ کرے، اس سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جس سے اس کی ہوشیاری اور مکاری کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ برادران یوسف نے قمیص کو خون سے تر کر لیا تھا۔ مگر قمیص کو پھاڑنا بھول گئے تھے۔ جس سے ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا تھا کہ ایسا کو ایفا میڈ بھیڑیا کہاں سے آگیا جس نے ایسی صفائی سے قمیص اتاری کہ خون میں تر بہ تر ہونے کے باوجود نہ داماں چاک ہوا نہ غراش آئی۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔

نہ دامن پہ کوئی دھبہ نہ خنجر پر نشا
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرد ہو۔
مگر پیغمبر بڑے حوصلے والا ہوتا ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام ساری بات سمجھ گئے لیکن اس کے باوجود نہ طعنہ دیا نہ بحث کی نہ نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ بس اتنا کہنے پر اکتفاء

کیا کہ: —————

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَبِرُوْا عَلٰى مَا نَزَّلْنَا مِنْ سُلٰطٰنٍ مُّجِيْبٍ ۗ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ لَكُمْ اَلْسُنًا مَّوَدُوْعًا ۗ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
 اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر کرو اس پر جو تم پر نازل ہوا ہے اور اللہ تمہارے لیے لہجے کا مودعہ لکھتا ہے تاکہ تم تقویٰ کرو۔ (سورہ یوسف)

دوسرا سبق جو ہمیں اس واقعہ سے ملتا ہے، وہ **صبر و یقین** مصائب اور پریشانیوں پر صبر اور اللہ تعالیٰ کی

ذات اور اس کے وعدوں پر یقین کامل ہے۔

بہت سے حضرات کے ذہنوں میں صبر کا بہت ہی محدود و سادہ مفہوم ہے۔ حالانکہ صبر بے شمار خوبیوں کا مجموعہ اور متعدد اخلاقی حقیقتوں کا ترجمان ہے۔ اگرچہ لغت میں ان خوبیوں اور حقیقتوں کے الگ الگ نام تجویز کر دیئے گئے ہیں، مگر اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے یہ سب صبر ہی ہیں۔ شرمگاہ اور پیٹ کی خواہشات کے مقابلہ میں صبر کیا جائے تو اسے عفت کہتے ہیں۔ اگر دولت کی کثرت کی حالت میں صبر کیا جائے تو اسے ضبط نفس کا نام

دیتے ہیں۔

اگر میدان جنگ میں صبر کیا جائے تو اس کا نام شجاعت ہے۔

اگر غیظ و غضب میں صبر کیا جائے تو یہ حلم کہلاتا ہے۔

اگر زمانے کے حوادث پر صبر کیا جائے تو اسے وسعت صدر اور کشادہ دلی

کا نام دیا جائے گا۔

اگر دوسروں کے پوشیدہ رازوں پر صبر کیا جائے تو اسے چشم پوشی کہتے ہیں
اگر ہر قسم کی عیش پسندی کے مقابلہ میں صبر ہو تو اس کا نام زہد ہے۔

اگر تھوڑے رزق پر صبر کیا جائے تو اسے قناعت کہتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر

صبر والی یہ ساری ہی صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں

جس وقت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا، اسی وقت

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اہم کیا کہ گھرانے کی ضرورت نہیں، تم ضائع نہیں

جاؤ گے، اللہ کی مدد اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہیں عزت و سرفرازی

عطا کریگا۔ اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔ جب تم انہیں ان کی حرکتیں او

زیادتیاں یاد دلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

بِاَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا

يَشْعُرُونَ

یوسف علیہ السلام کی چھوٹی سی عمر تھی، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا، والد

کی آغوشِ محبت حاصل تھی، مگر اب اس سے محروم ہو گئے۔ بھائیوں نے

بے دفائی کی، گھر سے دور ایک تاریک کنوئیں میں پڑے ہیں۔ مگر چونکہ اللہ

تعالے کی ذات پر یقین کامل تھا اس لئے نہ روئے نہ چلائے نہ شور کیا نہ واویلا
بس شاکر و صابر اللہ کے فیصلے پر راضی برضا بیٹھے ہیں۔ اور اللہ کا دستور یہ
ہے کہ وہ اپنی ذات پر یقین رکھنے والوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اور دشمنوں
کی تدبیروں اور حاسدوں کی سازشوں کو یوں بے اثر بنا تا ہے کہ دیکھنے والے
دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

برادرانِ یوسف نے انہیں کنوئیں میں ڈال کر اپنے خیال میں ان کے
مستقبل کا خاتمہ کر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زوال کو عروج کا
اور پستی کو بلندی کا ذریعہ بنا دیا۔

اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والوں کا ہمیشہ یہی معاملہ رہتا ہے۔ وہ ابھر
کر ڈوبتے ہیں، اور ڈوب کر ابھرتے ہیں۔ حضرت اقبالؒ نے خوب کہا ہے۔
جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جلتے ہیں۔

ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ
ذات باری پر یقین و ایمان بحال رکھتے ہیں اور یہی یقین انہیں موجوں کی
طغیانی سے حفاظت و سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچا دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ
سارے ظاہری وسائل و اسباب بھی اگر انسان کا ساتھ چھوڑ جائیں تو بھی
اسے ناامید نہیں ہونا چاہیئے، اگر اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین بحال ہے
تو انشاء اللہ وہ مالک و خالق پریشانیوں کی ایک تاریک رات کے بعد اسے
صبح امید کا روشن چہرہ ضرور دکھائی دیگا۔

ایک صوفی ابن عطاء اللہ سکندری رح کا بڑا پیارا قول ہے وہ ہم میں سے

ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے اور اس میں ان تمام لوگوں کے لئے ایک حوصلہ اور روشن پہلو ہے جو کسی قسم کی مصیبت اور پریشانی سے دوچار ہیں۔
فرماتے ہیں:

رُبَّمَا كَانَتْ الْمِثْنُ فِي الْمِحْنِ اللّٰهُ تَعَالَى كَثْرَاحْسَابَاتٍ
اور کرم مصائب میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ذات پر تین بجال رکھے اور مالکِ حقیقی کے ساتھ تعلق استوار رکھنے کے ساتھ ساتھ کوشش جاری رکھے تو مصیبتوں کے بعد آسانیوں کا دور ضرور شروع ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ نما اعلان فرمایا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔
ہونے والی ہے۔ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی
(سورۃ الانشراح) کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے۔

اس آیت میں آپ نے سنا کہ "العسر" پر الف
ایک نکتہ | لام آیا ہے اور "یسرا" پر الف لام نہیں آیا ہے
جس پر الف لام آئے اسے معرفہ کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں نکرہ ہوتا
ہے اس پر الف لام نہیں آسکتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ اگر دو بار آئے
تو اس سے ایک ہی چیز مراد ہوتی ہے

اور نکرہ اگر دو بار آئے تو اس سے دو مختلف چیزیں مراد ہوتی ہیں،
گویا اس آیت میں مشکل اورنگی تو ایک ہی مراد ہے اور آسانیاں دو مراد ہیں، اس سے یہ نکتہ
نکالا گیا ہے کہ اگر انسان پر ایک مشکل آئے تو اللہ تعالیٰ دو آسانیاں پیدا
فرماتا ہے۔ بس شرط صرف یہ ہے کہ انسان صرف صبر کرے اور یقین کا

رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے کے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا۔
 حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں میں
ایک اور آزمائش راضی برضا بیٹھے تھے کہ وہاں سے

حجازی اسمعیلیوں کا ایک قافلہ گزرا جو کہ بخورات، بلساں اور سالہ
 لے کر شام سے مصر کی طرف جا رہا تھا، انہیں پانی کی ضرورت پیش
 آئی تو اپنے میں سے ایک شخص کو کنوئیں سے پانی لینے کے لئے بھیجا، اس نے
 کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام سمجھے کہ شاید بھائیوں کو رحم آ
 گیا ہے۔ آپ ڈول پکڑ کر لٹک گئے، وہ سقہ جو پانی لینے آیا تھا، اس
 نے جب سر اچا حسن و جمال کو دیکھا، تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے
 جوش سے شور مچایا

یا بشریٰ هذا غلام اے واہ واہ! یہ تو لڑکے کا نکل آیا۔
 حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے تو نکل آئے مگر اب
 ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور یعقوب
 علیہ السلام کے لخت جگر کا مصر کے بازار میں نیلام ہو رہا ہے۔
 اتفاق سے مصری افواج کا افسر اور شاہی خاندان کا ایک فرد
 فوطیفار وہاں آنکلا اور اس نے چند دراہم کے کر اس ڈربے بہا کو
 خرید لیا۔ حجازی تاجروں پر یہ مصری پوری طرح صادق آ رہا تھا۔

فروختند و چہ ارزاں فروختند

فوطیفار ایک جہان دیدہ انسان تھا۔ اس نے آپ کی شکل و صورت
 کو دیکھا، گنتار اور کردار کو دیکھا۔ حلم و وقار کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اسے صرف

بدوی غلام کی حیثیت دینا مناسب نہیں، یہ گھر میں خصوصی شرف و منزلت کے مستحق ہیں، اس نے اپنی بیوی سے کہہ دیا۔

اَلْکَرِیْمِیُّ مُشَوَّاهُ عَسَیْ اَنْتَ (دیکھو) اس کو عزت سے رکھو، کچھ عجیب
یَنْفَعُنَا اَوْ نَنْجِدَکَ وَلَدًا نہیں کہ ہم کو فائدہ بخشے یا ہم اس کو
اپنا بیٹا بنالیں۔

فوطیفار نے صرف گھر میں ہی آپ کو پیار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دولت و ثروت اور گھریلو زندگی کی تمام ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد کر دیں۔

آگے چل کر آپ کو جو پورے مصر کی حکومت ملنے والے تھی، یہ اس کی تمہید اور عملی تربیت تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
وَکَذَٰلِکَ اَلَلّٰہُ مَلَّکًا لِّیُوَسِّفَ اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف
فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَہٗ مِنْ تَاوِیْلِ الْاِحَادِیثِ ط وَاللّٰہُ کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اس
عَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ کو سکھائیں باتوں کا نتیجہ اور مطلب
نکالنا اور اللہ طاقت ور رہتا ہے اپنے کام میں، لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں
جو نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نہ تو کنوئیں کی تاریکی میں مایوس ہوئے تھے نہ ہی مصر کے بازار میں دل شکستہ ہوئے اور نہ ہی فوطیفار کے گھر میں عزت و احترام کے ملنے کے بعد آپ سے باہر ہوئے، بلکہ ہر حال میں رضی بہ رضا رہے۔

مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے وہ بہار میں بھی اپنے مالک کو نہیں بھولتا

مادر خزاں میں بھی اس کی رحمت کی دستگیری سے مایوس نہیں ہوتا۔
وہ فقر و غربت میں بھی اپنے مالک حقیقی سے وابستہ رہتا ہے اور دولت
و ثروت میں بھی اس سے رشتہ نہیں توڑتا۔

وہ مصائب و آلام میں بھی اس کو پکارتا ہے اور مسرت و خوش عیشی
میں بھی اسے فراموش نہیں کرتا۔

— جھونپڑے میں بھی وہ اپنے تئیں کی حفاظت کرتا ہے اور قصر شاہی
میں بھی دامن تقویٰ کو آلودہ نہیں ہونے دیتا۔

بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے کہ :

ظفر آدمی اس کو نہ جائیے گا۔

ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی

جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

استقامت اور ضبطِ نفس

حضرت یوسف علیہ السلام
کو پورا آسائش ٹھکانہ بھی مل گیا

کار و باری اختیارات بھی حاصل ہو گئے، عزت و راحت بھی حاصل ہو گئی،
لیکن ابھی ایک اور آزمائش آپ کے انتظار میں تھی۔

یہاں یہ بھی جان لیں کہ جو اللہ کے مقرب اور محبوب ہوتے ہیں، ان پر
آزمائشیں بھی بہت آتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے۔ نزدیکانِ رابیش بود
حیرانی مقربینِ بارگاہ کے لئے حیرانی اور پریشانی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔
اور آزمائش کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔

انسان کو کبھی فقر و فاقہ سے آزما یا جاتا ہے اور کبھی سونے چاندی کے

انبارے کر آیا جاتا ہے۔

کبھی صحت سے آیا جاتا ہے اور کبھی بیماری سے آیا جاتا ہے۔

کبھی کچھ دے کر آیا جاتا ہے اور کبھی کسی نعمت سے محروم کر کے آیا

جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے آیا گیا۔ بھائیوں کی بے وفائی سے

وطن سے بے وطن کر کے۔

کنوئیں کی تاریکی میں ڈال کر

بازارِ مصر میں ایک بدوی غلام کی حیثیت سے بولی لگو کر

وسائل و اسباب سے محروم رکھ کر

اور اب آیا جا رہا ہے خوش حالی اور فراوانی عطا کر کے۔

اور یہیں سے ایک دوسری آزمائش شروع ہوتی ہے

وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حسن دے

رکھا تھا۔

جمال و رعنائی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔

چہرہ سورج اور چاند کی طرح روشن تھا۔

عصمت و حیا کی فراوانی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

جو دیکھتا تھا بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔

جس حسن سے سب ہی متاثر ہو رہے تھے اس سے عزیز مصر کی بیوی

متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتی تھی جبکہ آپ اس کے گھر میں رہتے تھے۔

وہ آزاد سوسائٹی کی آزاد منش عورت تھی اور آزاد سوسائٹی میں جو کچھ

آج ہو رہا ہے وہی کچھ کل بھی ہو رہا تھا۔

کل کے مصر کی داستانیں آج کے یورپ میں بکثرت دہرائی جا رہی ہیں، اس وقت بھی ایسی حیا باختہ عورتیں تھیں جو مردوں کی عصمت و عفت داغدار کرنے کے درپے ہو جاتی تھیں اور آج بھی ایسی عورتیں بے شمار ہیں، جو مردوں کی عزت و آبرو لوٹ لیتی ہیں۔

صرف مرد ہی عورتوں کو اغواء نہیں کرتے، عورتیں بھی مردوں کو اغواء کر لیتی ہیں، عزیزِ مصر کی بیوی حسنِ یوسف کو دیکھ کر دل پر قابو نہ رکھ سکی اور اس نے یوسف کو حاصل کرنے اور اسے معصیت کی گندگی میں مبتلا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

فوطیفار کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہر حربہ آزما یا مگر وہ خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ کو عفت و عصمت کے راستے سے ہٹانے میں ناکام رہی۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی آنکھوں کے نور پر زلیخا کا کوئی داؤ نہ چل سکا تو اس نے ایک مکان کا دروازہ بند کر لیا اور یوسف علیہ السلام کو دعوت دی۔

قَالَتْ هَيْتَ لَكَ كَهْنَةَ لِي آمِيرٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یوسف علیہ السلام کی جوانی کا زمانہ ہے، دروازہ بند ہے نہ بدنامی کا ڈر ہے نہ قانون کا خوف۔ سامنے شاہی خاندان کی حسین و جمیل عورت ہے جو عشوہ طراز یوں کی بارش کر رہی ہے اور مطلوب نہیں بلکہ طالبِ معشوق نہیں بلکہ معشوق بن کر آئی ہے اور اس عزم کے ساتھ آئی ہے کہ آج وہ بہر صورت شاد کام ہو کر رہے گی۔

اس نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ خلوت کی خاموشیوں میں شاہی خاندان کی

نوجوان اور خوبصورت عورت اور اس کے حسن کی بے پناہ نمائش سے یوسف
جیسا صحرائی اور بدوی نوجوان اتنی بے توجہی برت سکتا ہے

وہ جس سوسائٹی میں پلی بڑھی تھی، اس سوسائٹی میں تو ایسے مواقع کو

تلاش کیا جاتا تھا، نہ کہ ان سے فرار اختیار کیا جاتا تھا۔

عزیز مصر کی بیوی نے اپنے حسن و جمال کو تو دیکھا۔

یوسف کی جوانی اور رعنائی کو تو دیکھا۔

خلوت کی خاموشی اور پردہ داری کو تو دیکھا۔

مگر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نور دیدہ کے ایمان و یقین اور

عفت و عصمت کے جوہر کو نہ دیکھ سکی۔

اس بے چاری کو کیا خبر تھی کہ جس انسان کے دل میں اللہ کے حاضر و

ناظر ہونے کا یقین پیدا ہو جائے، اس کی خلوت و جلوت ایک ہو جاتی

ہے، اسے رقیب کا ڈر اور قانون کا خوف برائی سے نہیں روکتا، بلکہ

اسے صرف اور صرف مالک حقیقی کا خوف گناہ کی گندگی میں آلودہ ہونے

سے بچا لیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فوطیفار کی بیوی کی ترغیب اور دعوت

گناہ کے جواب میں صرف دو باتیں کہیں، ایک یہ کہ میں اس ذات کی پناہ

مانگتا ہوں جس کا اسم جلالہ اللہ ہے۔

اللہ کی پناہ مانگ کر آپ نے زلیخا کو بتایا کہ

جس اللہ کو میں مانتا ہوں وہ دن کے اُجالے میں بھی دیکھتا ہے اور

رات کی تاریکی میں بھی دیکھتا ہے۔

وہ تنہائی کی سرگوشیوں سے بھی باخبر ہے اور بازار کی مجلس آرائیوں سے

بھی اسی کی پناہ اور اسی کا حصار مجھے معصیت کی غلاظت سے بچا سکتا ہے۔
دوسری بات آپ نے اسے یہ سمجھائی کہ میں احسان شناس ہوں، احسان
فراموش نہیں،

میں اپنے اس محسن سے خیانت کیسے کر سکتا ہوں، جس نے مجھے غلام
بنا کر رکھنے کی بجائے عزت و حرمت عطا کی ہے، اگر میں ایسا کروں تو یہ ظلم
ہوگا۔ اور ظالم کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں ہے آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ يَوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعَى كَمَا اللَّهُ كِي پِنَاهُ ؛
مَتَّوَاى ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ بلاشبہ وہ (عزیز مصر) میرا مُرتبی ہے،
جس نے مجھ کو عزت سے رکھا، بلاشبہ
ظالم فلاح نہیں پاتے۔

یہاں سے ایک سبق یہ بھی ملا کہ گناہ سے
اللہ تعالیٰ کی مدد | بچنے کے لئے انسان کو اپنی حد تک

کوشش ضرور کرنی چاہیے وہ جب کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل
حال ہو جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مالک و خالق کے احسانات کا رقبہ
کیا پھر زینجا کو سمجھانے کی کوشش کی، اس پر بھی وہ باز نہ آئی بلکہ دست
درازی پر اتر آئی۔ تو آپ وہاں سے بھاگے، سب دروازے مقفل تھے،
فرار کا کوئی راستہ نہ تھا مگر جو کچھ اپنے بس میں تھا، اس سے گریز نہیں کیا، قدم
اٹھائے، دروازے کی طرف دوڑ لگا دی، تب اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ
ہوئی، قفل ٹوٹتے گئے اور دروازے کھلتے گئے۔

مولانا رومی رح فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی گناہوں سے بچنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

گرچہ رخت نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف و ارمی باید دوید

اگرچہ دنیا میں کوئی بھی راستہ نظر نہ آئے تو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑ لگا دینی چاہیئے، وہ اللہ جس کے ڈر سے آپ گناہ سے بھاگیں گے وہ اپنے فضل و کرم سے خود بخود راستہ کھول دے گا۔

انسان ہمت بھی کرے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے تو

رحمت حق ضرور متوجہ ہوگی۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ میں تو گناہگار ہوں، میری دعا کیسے قبول ہوگی، وہ مالک بڑا رحیم و کریم ہے۔ اسے جب کوئی گناہگار بھی پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو بھی قبول کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

چوں برآرند از پریشانی حنین عرش برزد از این المذنبین

ایں چنین سرزد کہ مادر بر ولد دست شاں گیرد بیالامے کشد

گنہگار انسان جب ندامت و پریشانی سے روتا ہوا اللہ کو پکارتا ہے، تو عرش عظیم اس طرح کانپ اٹھتا ہے، جیسے ماں اپنے بچے کے رونے پر کانپ جاتی ہے۔ اور رب کریم اس کا ہاتھ پکڑ کر بلندی اور اپنا قرب عطا فرمادیتے ہیں۔

اگرچہ اس وقت حضرت یوسفؑ کے قابل عبرت واقعہ

واقعہ کے بارے میں عرض کر رہا ہوں

مگر مجھے ایک انتہائی عبرت انگیز واقعہ یاد آ رہا ہے، وہ سنائے بغیر نہیں رہ

سکتا۔ اس سے آپ یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ جب اللہ کو پکارا جاتا ہے اور انسان تھوڑی سی ہمت بھی کر لیتا ہے تو کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت منوجہ ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگوں میں سے ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں وہ اکثر پیدل سفر کرتے تھے اور جہاں شام ہوتی تھی وہیں رات گزار لیا کرتے تھے

ایک مرتبہ وہ جلال آباد یا شاملی کی طرف گئے۔ آپ نے مسجد میں جھاڑ دی، پھر کافی دیر انتظار کرتے رہے مگر کوئی بھی شخص نماز کے لئے نہ آیا تو آپ کو تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی بستی ہے اور کوئی بھی نماز کے لئے نہیں آیا۔

نماز سے فارغ ہو کر اس بارے میں ایک شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے اور وہ شرابی اور زندی باز ہے اگر وہ نماز پڑھنے لگے تو دوسرے لوگوں پر بھی اثر ہوگا کیونکہ النَّاسُ عَلَىٰ دِينِ مَلُوْا كَيْسَمِ لَوْكٍ اپنے وڈیروں اور چوہدریوں کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ اگر درست ہو جائیں تو نیچے والوں پر بھی ضرور اثر ہوگا۔ آپ بلا کسی تکلف کے ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس زندی بیٹھی ہوئی تھی اور وہ نشہ میں مست تھے۔

آپ نے خان صاحب سے فرمایا کہ اللہ کے بندے! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو کچھ دوسرے لوگ بھی نماز پڑھنے لگیں گے اور اللہ تعالیٰ کا گھر آباد ہو جائے گا۔ خان صاحب نے کہا کہ ایک تو مجھ سے وضو نہیں ہوتا اور دوسرے یہ، یہ دونوں بُری عادتیں ہی مجھ سے نہیں چھوڑیں۔

آپ نے فرمایا کہ وضو کے بغیر ہی پڑھ لیا کرو، اور شراب بھی پی لیا کرو،

آپ نے خانصاحب کے لئے شراب کو جائز قرار نہیں دے دیا تھا بلکہ حکمتاً سے اجازت دے دی، آپ کو یقین تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی زندگی بدل جائے گی وہ شراب جیسی نجاست کے قریب بھی نہیں جائیگا خانصاحب نے وعدہ کر لیا کہ اچھا میں نماز پڑھ لیا کروں گا آپ وہاں سے تشریف لے گئے، اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے

ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آج آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ (۱) پہلی یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی (۲) دوسری یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔

آپ نے پہلی بات کا جواب نہ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ یوں کہتے کہ خانصاحب شراب اور زنا چھو کر زاہد و پارسا بن جائیں گے تو یہ ایک قسم کا دعویٰ ہوتا اور اللہ والوں پر تو اضع کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کے دعویٰ پسند نہیں کرتے۔

البتہ دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ "میں نے سجدے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت میں نے اسے تیرے دربار میں کھڑا کر دیا اب اس کے دل کا بدلنا تیرے ہاتھ میں ہے۔"

ادھر خانصاحب کا حال یہ ہوا کہ جب رنڈیاں ان کے پاس سے چلی گئیں تو نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا۔ انہیں اپنا وعدہ یاد آ گیا کہ مجھے تو مسجد میں جانا ہے اور اگرچہ مولانا سے تو ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانے کی اجازت لے چکے تھے مگر دل نے ملامت کی ہوگی کہ آج پہلی بار اللہ کے گھر میں جا رہے ہو، آج بھی ناپاک ہو کر جاؤ گے۔ آج تو پاک ہو کر جاؤ، کل سے بغیر

غسل ہی کے پڑھ لینا۔

چنانچہ غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی، نماز کے بعد باغ کی طرف چلے گئے، عصر اور مغرب اسی وضوء سے پڑھی۔ نماز مغرب کے بعد کھانا کھا کے لئے گھر میں گئے۔ اچانک بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے، ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے۔ آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے تھے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی

یہ بھی عجیب بات ہے کہ بعض لوگوں کو حرام کا چسکا لگ جاتا ہے۔ اور انہیں حلال میں مزہ نہیں آتا اور جسے حلال کا چسکا لگ جائے تو وہ کبھی حرام کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

یہاں ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ ہر انسان کا ضمیر اسے برائی پر ملامت کرتا ہے مگر انسان اسے تھپک تھپک کر سلا دیتا ہے، کبھی کبھی کسی ٹھوکرو سے، کسی واقعہ سے کسی دل میں اتر جانے والے جملے سے سویا ہوا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور جب ضمیر بیدار ہو جائے۔

ایمانی جس جاگ اٹھے۔

انسانیت انگریزائیاں لینے لگے۔

تو انسان کی زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔

خانصاحب نے آج جب بیوی کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے ضمیر نے ملامت کی، تیرے گھر میں حور بیٹھی ہے اور تو کیسا بدنصیب ہے کہ گندی عورتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے، فوراً باہر آئے اور رنڈیوں سے کہہ دیا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔

کہا جاتا ہے کہ فرض تو فرض ان خانصاحب کی پچیس سال تک تجد

کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ واقعہ مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی نے تذکرہ انجیل میں لکھا ہے۔ جس کا دل چاہے وہاں دیکھ سکتا ہے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان ہمت کرے اور اللہ سے دعا بھی کرے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی۔ اور بے مثال ہمت و استقامت اور ضبط نفس کا ثبوت بھی دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے گناہ سے بچنا آسان کر دیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ کہیلی فوطیفار کی بیوی ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق میں مبتلا نہیں تھی بلکہ شاہی خاندان کی دوسری عورتوں نے بھی جب حسن یوسف کو قریب سے دیکھا تو وہ بھی ان پر ڈورے ڈالنے لگیں، البتہ عزیز کی بیوی نے یہ دھمکی بھی سرعام دے ڈالی تھی کہ اگر یوسف نے میری بات نہ مانی تو میں اسے جیل میں ڈلوادوں گی۔ اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

یہاں سے ایک تو اس وقت کی مصر کی گزری

واہ لے انسان

سوسائٹی کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہی خاندان

کی ساری ہی عورتیں ایک عقیف اور پارسانو جوان کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں بلکہ ان میں سے ایک سب کے سامنے کہہ رہی ہے کہ اگر یوسف نے اس گزری میں مبتلا ہونے سے انکار کر دیا تو میں اس سے اس کی آزادی چھین لوں گی اسے ذلت سے دوچار کر دوں گی۔ انسان جب اپنے مقام سے گرتا ہے تو کتنا گرتا ہے؟ اس کا اندازہ مصر کے شرفاء کی ان منتخب اور معزز خواتین کے کردار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری عبرت کی بات جس کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں :-

یہ کہ انسان کو اپنی دولت اور اپنے اختیارات پر کتنا ناز ہوتا ہے کہ اپنی حماقت کی وجہ سے سمجھنے لگتا ہے کہ کسی سے عزت کا چھیننا اور اسے ذلت سے دوچار کرنا یہ تو بس میرے اختیار میں ہے حالانکہ جسے اللہ عزت دینا چاہتا ہے اس سے کوئی عزت نہیں چھین سکتا۔ یوسفؑ اس کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اپنے مالک حقیقی سے التجا کی رَّبِّ السَّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا لَمْ يَأْتِ بِكَ مِنْ دُونِ يَدِّ عَوْنِي إِلَيْهِ ط

یہ مجھ کو بلاتی ہیں مجھے اس کے مقابلے میں

(سورۃ یوسف)

قید خانہ زیادہ پسند ہے۔

یوسف علیہ السلام نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ عزیز کی بیوی سے خطاب کرتے یا ان عورتوں کو گفتگو کا موقع دیتے بلکہ اپنے اپنے اللہ کو پکارا، اور یوں ان سب پر واضح کر دیا کہ تمہاری باتوں سے متاثر اور مرعوب ہونا، تو دور کی بات ہے، میں تمہارے جیسی آزاد منش عورتوں کے ساتھ بات کرنے کا بھی روادار نہیں،

یوسف علیہ السلام کو بغیر کسی جرم و

دعوتِ حق کا جذبہ | خطا کے جیل بھیج دیا گیا۔ مگر چونکہ

خاندانِ نبوت سے تعلق تھا اور خود بھی نبی تھے۔ اس لئے جیل خانے میں بھی آپ نے دعوتِ حق اور تبلیغِ دین کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کی ذکاوت و ذہانت اور سیرت و کردار دیکھ کر دونوں جوان جو کہ آپ کے ساتھ ہی جیل میں گئے تھے۔ آپ سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں مگر آپ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان کے خوابوں کی تعبیر بتلانے سے پہلے انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں اور شرک سے

نفرت دلاتے ہیں آپ نے فرمایا :

يَسَاحِبِي السِّجْنِ أَعْرَابٌ
مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

اے یارانِ مجلس (تم نے اس پر بھی غور
کیا کہ) جدا جدا معبودوں کا ہونا
بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب
پر غالب ہے۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ
إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا
أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ مَا أَنْزَلَ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنَّ
الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ طَأْمَرَ
تَعْبُدُوا وَإِلَّا آيَاكُمُ ذَلِكَ
الَّذِينَ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی
کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے
زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو
تم نے اور تمہارے باپ دادوں
نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کیلئے
کوئی سند نہیں اتاری، حکومت تو
اللہ ہی کے لئے ہے، اس کا فرمان
یہ ہے کہ صرف اس کی بندگی کرو
اور کسی کی نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے
مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے

(سورہ یوسف)

جیل خانے کی صعوبتوں میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے دعوت
و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔
جن عظیم انسانوں کے دل میں انسانیت کا درد اور دعوتِ حق کا سچا
 جذبہ ہوتا ہے، ان کا یہی حال ہوتا ہے، وہ نہ دن دیکھتے ہیں نہ رات
 نہ سفر دیکھتے ہیں نہ حضر
 نہ جیل دیکھتے ہیں نہ جلالِ پادشاہی۔

نہ وہ دھن دولت سے مرعوب ہوتے ہیں۔ نہ حکومت و اقتدار سے خوف کھاتے ہیں۔

وہ تو بس موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جوں ہی موقع ملتا ہے، وہ دین کی بات کان میں ڈال دیتے ہیں۔

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رح کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ بس میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھ والی سیٹ پر ایک ہندو بنیا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مولانا سے پوچھا آپ کو کہاں جانا ہے مولانا نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ میں نے بڑے تعجب سے کہا،

اے میاں عجیب بات کرتے ہو، سفر بھی کر رہے ہو اور تمہیں اپنی منزل کا علم بھی نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا لالہ جی! دنیا کی منزلوں کا کیا یاد رکھنا ہے ہمیں تو اپنی اس حقیقی منزل (آخرت) کو یاد رکھنا چاہیے، جہاں مجھے اور آپ سب کو ایک دن جانا ہے، تھوڑی دیر بعد بننے کے سوال کیا یہ گاڑی جس میں ہم سفر کر رہے تھے کب کی بنی ہوگی۔

آپ نے فرمایا۔ جو چیز بنی ہی ٹوٹنے کے لئے ہے، ہمیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اصل فکر تو انسان کو بنانے اور سنوارنے کی ہونی چاہیے جس کے بننے اور بگڑنے پر اس عالم کا بننا اور بگڑنا موقوف ہے۔

تو بات یہ ہے کہ جس کے دل میں انسانیت کا درد اور دعوت حق کا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے درد کے اظہار اور دوسروں کے کان میں حق بات ڈالنے کا کوئی نہ کوئی موقع تلاش کر ہی لیتا ہے اور جس کے دل

میں ان پاکیزہ جذبات کے بجائے ہونسن کاریوں نے ڈیرے لگا رکھے ہوں۔ وہ میسر شدہ موقع کو بھی لگا کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پاکیزگی کا پیکر اور تقویٰ و طہارت کا منظر تھے۔ انسانیت کے ہمدرد اور اپنی امت کے عنخوار تھے، انہیں جیل کی صعوبتیں حق بات کہنے سے کیسے باز رکھ سکتی تھیں۔

بے شک ان پر الزام لگایا گیا تھا۔ مگر الزام اور جرم میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے

دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی | اگر جرم کیا ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس

وقت فوراً جیل سے باہر آجاتے۔ جب خود بادشاہ نے اپنے کارندوں سے کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو رہائی دے دو اور میرے پاس لے آؤ۔
لیکن چونکہ آپ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ شہوت میں ڈوبی ہوئی ایک عورت کا الزام تھا، اس لئے آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا، جب تک کہ اس الزام کی صفائی نہ ہو جائے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر سامنے نہ آجائے آپ نے بادشاہ کا پیغام لانے والے سے فرمایا:

ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا
بِالنِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ
أَيْدِيَهُنَّ۔
اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے بیشک میرا پروردگار

عورتوں کے چہرے سے واقف ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تیرا رب جو تحقیق و نصیحت کرے گا، سو

کرے گا۔ جہاں تک میرے رب کا تعلق ہے وہ اس سارے معاملے کو بخوبی جانتا ہے۔

إِنَّ رَبِّي بَلِيدٌ هَيِّنٌ عَلِيمٌ

اگرچہ میرا رب میرے کردار کی پاکیزگی اور میری عفت کی حفاظت کو خوب جانتا ہے مگر جب تک شاہی خاندان کی بگڑی ہوئی خواتین بھی میری عفت و عصمت کا اعلان نہ کر دیں، میں اس وقت تک کال کو ٹھہری سے باہر نہیں آؤں گا۔

آپ چونکہ منصب نبوت پر فائز تھے اور آپ کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سزا انجام دینا تھا۔ اس لئے آپ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپ کی رہائی کو آپ کی بے گناہی کا نہیں بلکہ عزیز مصر کے رحم و کرم کا نتیجہ سمجھیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو دعوت و تبلیغ کے اس عظیم مقصد کو نقصان پہنچتا جو آپ کی زندگی کا اصل نصب العین تھا۔

مفسرین اور علماء نے یہاں ایک عجیب

شرافت نفس

سوال اٹھایا ہے وہ یہ کہ اصل دست

درازی تو عزیز کی بیوی نے کی تھی مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ صرف ان مصری عورتوں کا حوالہ دیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟

مفسرین نے پھر خود ہی اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱۔ پہلا یہ کہ یہی وہ خواتین تھیں، جنہوں نے اپنے ناپاک جذبات کی تکمیل میں ناکامی کے بعد عزیز کی بیوی کو جیل میں بھجوانے کی شہ دی

تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو امرأۃ العزیز والے معاملے کے بعد جیل میں نہیں ڈالا گیا بلکہ ان عورتوں کے قضیہ کے بعد ڈالا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو جیل تک پہنچانے میں زیادہ عمل دخل انہی عورتوں کا تھا، اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی انہی عورتوں کا ذکر کیا۔

(۱۲) دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ عزیز مصر کی بیوی نے جو کچھ کیا سو کیا۔ لیکن آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس میں خود عزیز مصر کا کوئی قصور نہیں، بلکہ وہ خود بھی آپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا اور اس نے اپنی بیوی کو بھی حسن سلوک کا حکم دے رکھا تھا تو خانوادہ نبوت سے تعلق رکھنے والے اس شریف النفس انسان کو اس کی شرافت نفس نے یہ اجازت نہیں دی کہ میں اس شخص کی بیوی کا نام لے کر اسے رسوا کروں، جس نے مجھے عزت دی، میرا احترام کیا اور گھر کے ایک فرد کی طرح بنا کر رکھا۔

یہ خاندانی شرافت بھی بڑی چیز ہوتی ہے، انسان کتنا ہی گیا گذر کیوں نہ ہو، خاندانی شرافت کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی اپنا اثر دکھا کے رہتی ہے، اسی لئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو سونے اور چاندی کی کانوں سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے سونے کی کان سے سونا نکلتا ہے اور چاندی کی کان سے چاندی برآمد ہوتی ہے، نمک کی کان سے نمک برآمد ہوتا ہے اور پتیل تانے کی کان سے پتیل اور تاننا ہی مل سکتا ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ واقعی سونے کی کان تھا۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ الکریم بن الکریم بن الکریم بن یوسف بن یعقوب بن

اسحق بن ابراہیم اور دوسری روایت میں ہے۔ اکرم الناس یوسف
نبی اللہ بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ط

جادو وہ -----
وہ جو محاورہ ہے ناں کہ جادو وہ
جو سر چڑھ کر بولے تو یہ محاورہ حضرت

یوسف علیہ السلام پر خوب صادق آتا ہے۔ آپ کے کردار کی طہارت،
سیرت کی پاکیزگی اور دامن کی عفت و عصمت کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولا۔
کہ ہر زبان پر یہی تھا کہ یوسف پاک ہے، اس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں
اس کے کردار کی چادر پر کوئی داغ نہیں جب ان خواتین کو بلوایا گیا، جن کے
حسن کی بجلیاں سیدنا یوسف علیہ السلام کے خرمن عفت و عصمت کا کچھ نہ
بگاڑ سکی تھیں تو وہ بیک زباں قسم کھا کر پکار اٹھیں۔
قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ
کے کوئی بات نہیں دیکھی۔
مِنْ سُوءٍ

اسی مجمع میں عزیز کی بیوی بھی موجود تھی، اس نے شاہی خاندان کی دوسری
عورتوں کو حقیقت حال کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا اور سنا تو اس کے ضمیر
نے اسے بھی خاموش نہ رہنے دیا اور وہ بے اختیار بول اٹھی،

اَللّٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ زَا نَا
جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو گئی
ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف
پر ڈورے ڈالے کہ وہ اپنا دل ہار
لِمَنْ الصّٰدِقِيْنَ
بیٹھے بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل
(سورہ یوسف)

سچا ہے۔

اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا رشتہ دار بہت

پہلے اپنا فیصلہ سنا چکا تھا کہ جب یوسف کا پیرہن پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یوسف سچا اور الزام لگانے والی عورت جھوٹی ہے،

اور تو اور عزیز نے بھی یوسف علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ

يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا لِيُؤَسِّدَ رَبِّ انَّمَا اسے جانے دو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے متعلق تمام شخصیتوں کی زبان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا اقرار کروا کر دنیا والوں کو بتا دیا۔ کہ جو شخص محض اللہ کے خوف سے گناہ سے اپنا دامن بچاتا اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی تدبیر کے باوجود اس کی عزت و ناموس کی خود حفاظت کرتا ہے۔

پھر کبھی تو اس کی عفت و عصمت کا اعلان خارق عادت کے طور پر کسی بچے سے کرا دیتا ہے، جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کی طہارت کا اعلان، شیر خوارگی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کروایا، کبھی اس کی پاکیزگی کا اعلان خود باری تعالیٰ فرمادیتا ہے جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کی صفائی کے بیان میں سترہ آیات نازل فرمادیں۔

اور کبھی اس کے کردار کی صفائی کا اقرار اس کے دشمنوں کی زبان سے

کرا دیتا ہے، جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہوا۔

الْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

کمال تو وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت جب کہ وہ سارے لوگ
سیدنا یوسف علیہ السلام کی سچائی اور طہارت کی گواہی دے رہے تھے،
جن کا کسی بھی اعتبار سے اس واقعے سے تعلق تھا۔ اس وقت خود حضرت
یوسف علیہ السلام کا رد عمل کیا تھا۔

کیا وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

کیا ان کی گردن فخر سے تن گئی تھی؟

کیا وہ اپنے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کرنے والوں کو کوسنے
دے رہے تھے؟

نہیں نہیں! ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔

نہ گردن تنی ہوئی تھی۔

نہ زبان پر فخر یہ بول تھے۔

نہ طعنے تھے نہ جوابی الزامات تھے۔

بلکہ جو کچھ تھا وہ اپنی ذات کی نفی تھی۔

اپنے کمال کی نفی تھی۔

اللہ کی بڑائی اور اُس کی دستگیری کا اعلان نما عجز و انکساری کا اظہار تھا
بندگی اور عبودیت کا اقرار تھا۔

فرمایا:

وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ
لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا
رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ
رَحِيمٌ

یہ اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا آدمی
کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی اُبھالنے
والا ہے مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا
پروردگار رحم کرے بلاشبہ میرا پروردگار

بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے

یہ رب کا ثنات کی شان ہے کہ وہ

خزاں کے بعد بہار، زوال کے بعد عروج
ذلت کے بعد عزت، غم کے بعد خوشی، بیماری کے بعد صحت، غریبی کے
بعد امیری اور عسر کے بعد یسر کے مواقع پیدا کرتا رہتا ہے۔

کا ثنات میں وقوع پذیر ہونے والے اسی مد و جزر اور اتار چڑھا
سے انسان اللہ کو اور اس کی قدرت کو پہچانتا اور مانتا ہے، ایک تو وہ
وقت تھا جب یوسف علیہ السلام بھائیوں کے حسد اور ظلم کے نتیجے
میں عجیب بے بسی کے عالم میں کنوئیں میں ڈالے گئے

پھر غلام بنائے گئے اور بازار مصر میں فروخت ہوئے۔

پہلے بھائیوں کی زیادتی کے نتیجے میں کنعان کے کنوئیں میں ڈالے
گئے اور یہاں نازنینان مصر کی سازش کے نتیجے میں حوالہ زنداں ہوئے
اب آزمائشوں کا دور ختم ہوا اور عسر کے بعد یسر کا آغاز ہوا تو جیل
بھیننے کا آڈر دینے والا بادشاہ خود کہتا ہے۔

اَسْتَوْنِي بِهِ اَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي
اس کو جلد میرے پاس لاؤ کہ میں اس کو
خاص اپنے کاموں کیلئے مقرر کروں
(سورہ یوسف)

الزامات و اتہامات کے بادل چھٹ جانے کے بعد

ہر جانب سے آپ کی عفت و عصمت کا اقرار کر لیئے جانے کے بعد

بادشاہ کی درخواست پر آپ زنداں سے نکل کر قصر شاہی میں پہنچے

گفتگو ہوئی، تبادلہ خیالات ہوا تو وہ آپ کی عقل و دانش دیکھ کر بڑی

مسرت سے کہتا ہے۔

إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ بلاشبہ آج کے دن تو ہماری نگاہوں
(سورہ یوسف) میں بڑا صاحبِ اقتدار اور امانت دار

پھر اس نے آپ سے دریافت کیا کہ میرے خواب میں جس قحط سالی
کی طرف اشارہ ہے۔ مجھے اس کے سلسلہ میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں
آپ نے جواب دیا۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا
یوسف نے کہا اپنی مملکت کے خزانوں پر آپ مجھے مختار کیجئے، میں حفاظت
(سورہ یوسف) کر سکتا ہوں اور میں اس کام کا جاننے والا

ہوں۔

آپ جانتے تھے کہ یہاں آدے کا آدہ ہی بگڑا ہوا ہے جس ملک
کے معزز نگہرانوں کی خواتین اپنے شوہروں سے خیانت پر آمادہ ہوں
خود ان کے شوہروں کا کیا حال ہوگا۔

اقتدار اگر بددیانت افراد کے
ہاتھوں میں ہو تو تمام تر وسائل کے

باوجود عوام کو خوشحالی نصیب نہیں ہو سکتی اور اگر اربابِ اقتدار عادل
ہوں، خوفِ خدا رکھتے ہوں، قیامت کے دن کے حساب کتاب سے
ڈرتے ہوں، امانت کو امانت سمجھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے رزق میں
بھی برکت عطا فرماتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ کا اپنے ملک میں کسی کسان کے
باغ لے پاس سے گزر ہوا۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے کچھ پینے
کی خواہش ظاہر کی تو کسان نے محض ایک مسافر کی خدمت کے جذبے

سے باغ سے انار توڑ کر نچوڑا تو ایک ہی انار کے رس سے پیالہ بھر گیا۔
بادشاہ کو تعجب بھی ہوا اور دل میں یہ فاسد خیال بھی آگیا کہ کسی نہ کسی بہانے
سے اس باغ کو ہتھیالینا پامیئے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ دوبارہ وہیں سے گذرا اور اس نے از خود انار کا
رس پینے کی خواہش ظاہر کی، کسان نے کئی انار نچوڑے تب جا کر بڑی شکل
سے پیالہ بھرا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ پہلی بار تو ایک ہی انار سے
پیالہ بھر گیا تھا۔ اب کی بار کئی انار کیوں نچوڑنے پڑے؟ کسان یہ نہیں جانتا
تھا کہ میں اپنے ملک کے بادشاہ سے مخاطب ہوں، اس نے سیدھے سادے
دیہاتی انداز میں جواب دیا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کے دل
میں کھوٹ آگیا ہے، اور اس نے کسی پر ظلم کا ارادہ کر لیا ہے۔

بادشاہ اگر عادل ہو تو اس کے عدل کے اثرات پوری رعایا پر ظاہر
ہوتے ہیں۔ کھیتی پھلتی اور پھولتی ہے، باغات فراوانی سے پھل دیتے
ہیں۔ پورے ملک کے باشندوں کو امن و سکون اور تحفظ نصیب ہوتا
ہے۔ انسان تو انسان حیوانوں تک میں اسکے اثرات دکھائی دیتے
ہیں اور اگر بادشاہ ظالم ہو تو اس کے ظلم کے اثرات اسی تک محدود
نہیں رہتے بلکہ ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جنگل میں ایک چرواہا
بکریاں چرا رہا تھا۔ اچانک، بھیڑیے نے بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا۔
تو چرواہا زار و قطار رونے لگا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید بکری کے نقصان
پر رورہا ہے۔ لیکن جب اس سے پوچھا گیا کہ کیوں رورہے ہو، تو اس نے
جواب دیا کہ میرا دل کہتا ہے کہ حضرت، عمر بن عبدالعزیز کا انتقال

ہو گیا ہے۔ کیونکہ آج تک میرے ریور پرسی بھیسٹریٹے کو حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آج اگر ایسا ہوا ہے تو یقیناً ہم عادل خلیفہ کے سائے سے محروم ہو گئے ہیں چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ عین اس وقت جب بھیسٹریٹے نے بکریوں پر حملہ کیا تھا، اسی وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز مصر کا انتقال ہوا تھا۔ بادشاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اس بات کو مان لیا اور انہیں اپنی تمام مملکت کا امین اور کفیل بنا کر شاہی خزانوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔

اور یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی امانت و دیانت عدل و انصاف حسن تدبیر اور خدا ترسی ہی کا نتیجہ تھا کہ سات سال کے مسلسل قحط کے باوجود نہ صرف مصر والوں کو غلہ ملتا رہا۔ بلکہ اڑوس پڑوس کے ملک بھی محروم نہ رہے۔

یہ قحط سالی جس نے مصر اور اطراف مصر میں رہنے والوں کو پریشان کر دیا تھا۔ اس سے کنعان والے بھی محفوظ نہ رہ سکے اور جب ان کی پریشانی سوا ہو گئی تو وہ بھی قافلہ کی شکل میں غلہ لینے کے لئے مصر روانہ ہو گئے۔

اللہ کی شان

اللہ کی شان دیکھئے کہ آج یہ کنعانی قافلہ اسی بھائی سے غلہ لینے کے لئے جا رہا ہے، جسے اپنے خیال میں وہ غلامی کے اندھیرے کنوئیں میں گرا کر ہمیشہ کے لئے گنہگار کر چکے تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ کل کا غلام آج مصر کے تاج و تخت کا مالک بنا ہوا ہے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا بھائی یوسف تخت شاہی پر رونق افروز ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اللہ جو شاہوں کو گدا اور گداؤں کو شاہ بنا تا ہے، جو امیروں کو فقیر اور فقیروں کو امیر بنا تا ہے، اس نے بازار

مصر میں فروخت ہونے والے اس تو عمر مگر سعادت مند لڑکے کو اپنی قدرت
کاملہ سے مصر کا مختار کل بنا دیا۔ وہ جو ایک عوامی شاعر ہے۔

مدعی لاکھ بُرا چاہے کیا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

اس وقت یہ شعر یوسف علیہ السلام پر پوری طرح صادق آ رہا تھا، وہ
جسے بھائیوں نے قعر مذلت میں گرا ناچا ہا تھا، اُسے رت کا ثنات نے
عزت و سطوت کی مسند پر بٹھا کر بھاشیوں کو سائل کی شکل میں لاکھڑا کیا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان
سکے مگر نبی کا حوصلہ دیکھتے کہ زیادتی کرنے والوں کو سامنے دیکھ رہے ہیں اور
انتقام کی قدرت بھی ہے، اقتدار کی طاقت بھی ہے۔ غلاموں اور ملازمین کی
فوج ظفر موج بھی ہے مگر نہ تبتلاتے ہیں نہ جبتلاتے ہیں، نہ اترتے ہیں بس
وعدہ صرف یہ لیتے ہیں کہ اگلی بار جب آؤ گے تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ
لے کر آؤ گے جسے ابا جان کے پاس چھوڑ آئے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ایک
شکر | اہم سبق جو حاصل ہوتا ہے، وہ ہر حال میں
اللہ کا شکر ہے، انہیں طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان کی
زبان پر حرف شکایت نہ آیا،
انہیں بھائیوں کی ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آزاد ہونے کے باوجود غلاموں کی طرح ان کی خرید و فروخت ہوئی۔
جرم بے گناہی میں وہ حوالہ زنداں ہوئے۔
اور آخر میں مملکت مصر کے حکمران بنے۔

لیکن وہ مصائب اور آزمائشوں میں بھی شاکر رہے اور ہر طرح کی آٹش اور اقتدار حاصل ہونے کے باوجود بھی ان کی زبان اللہ کے شکر اور اس کے ذکر سے تر رہی۔

نہ شکوہ نہ شکایت

نہ ظلم نہ زیادتی

نہ تکبر نہ شیخی

بلکہ شکر ہی شکر

بیرکناں میں بھی شکر

ظلمتِ زنداں میں بھی شکر

حکومت کے قصرِ ایوان میں بھی شکر

وہ اپنے پروردگار کے سامنے دامن پھیلا کر اس کے انعاماتِ احسانات

کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ

وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْآحَادِيثِ

فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

أَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْتَنِي

بِالصَّالِحِينَ

(سورہ یوسف)

اے پروردگار! بلاشبہ تو نے مجھ کو

حکومتِ بخششی اور باتوں کے فیصلہ کی

سمجھ بوجھ عطا فرمائی اے آسمانوں اور

زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا

اور آخرت میں میرا پروردگار ہے،

تو مجھ کو اپنی اطاعت پر موت دیکھو

اور صالحین کے زمرہ میں شامل کر لیجھو

اللہ کا چونکہ وعدہ ہے کہ میں شکر کرنے والوں کو مزید نوازتا ہوں اس

لئے حضرت یوسف علیہ السلام قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہے

اور رب کریم ان پر اپنی نعمتوں اور احسانات کی بارش برساتا رہا۔

اللہ کے سامنے انبیاء بھی عاجز | اس واقعے سے ہمیں
یہ سبق بھی حاصل ہوتا

ہے کہ اللہ کے سامنے سارے انسان عاجز ہیں۔ وہی قادر و مختار ہے
وہی عنیب اور حاضر کو جاننے والا ہے۔ ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے،
اس نے جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام سے ان کے بیٹے کو جدا
کر دیا مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

بیٹے کی جدائی کے غم میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لیں لیکن جب
تک اللہ کو منظور نہ ہوا، بیٹے سے ملاقات نہ ہو سکی۔

عجیب بات دیکھیے کہ بٹیا کنعان کے کنوئیں میں پڑا ہوا ہے لیکن
چونکہ اللہ کو منظور نہ تھا اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ
چل سکا۔ لیکن جب اللہ کو منظور ہوا تو مصر سے برادران یوسف پیرہن
لے کر چلے تو اس کی مہک نے یعقوب علیہ السلام کا دماغ معطر کر دیا
اور وہ بر ملا کہنے لگے۔

اِنِّیْ لِاَجِدُ رَیْحَ یُوْسُفَ
لَوْلَا اَنْ تَقِنْدُوْنَہ
بیشک مجھے یوسف کی مہک آ رہی
ہے اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس
کی عقل ماری گئی ہے۔
(یوسف)

یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھئے کہ وہی بھائی جو پہلے یعقوب علیہ السلام کے
پاس خون آلود قمیص لے کر آئے تھے اور جھوٹ بول کر باپ کے دل
اور جگر کو زخمی کیا تھا۔ آج یوسف علیہ السلام انہی کے ہاتھوں اس لئے
قمیص بچھتے ہیں تاکہ ان زخموں کے لئے مرہم بن جائے جو انہی کے ہاتھوں

عفو و درگزر | اس قصے سے ایک بہت بڑا سبق جو ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ انتقام کی

قدرت کے باوجود معاف کر دینا ہے

وہ بھائی جنھوں نے آپ کو عظیم المرتبت والد سے جدا کیا تھا۔ اور آپ کا نام و نشان مٹانے کے لئے انتہائی چھوٹی سطح پر اُتارے تھے وہ جب آپ کے سامنے اس وقت آئے، جب آپ مصر کے تاج و تخت کے مالک بن چکے تھے تو آپ نے نہ انہیں طعنے دیئے، نہ ان کی زیادتیاں یاد دلائیں، نہ برا بھلا کہا بلکہ فرمایا تو صرف یہ کہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے

مفسرین کہتے ہیں کہ برادرانِ یوسف نے ایک نکتہ | جب یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی،

تو انہوں نے فوراً معاف کر دیا لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مغفرت اور بخشش طلب کیجئے تو انہوں نے نہ تو فوراً معاف کیا اور نہ ہی ان کے لئے مغفرت کی دعا کی بلکہ صرف امید دلائی کہ سَوْفَ اسْتَغْفِرْكُمْ عَنْ قَرِيبٍ میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔

مفسرین نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یوں تو انہوں نے اپنے والد کو بھی ستایا تھا لیکن اصل میں ان کی زیادتیوں کا تعلق حضرت یوسف علیہ السلام سے تھا۔ اس لئے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے معافی کے معاملے کو مؤخر کر دیا تاکہ پہلے یوسفؑ کی مرضی معلوم ہو جائے البتہ انہیں بالکل مایوس بھی نہیں کیا بلکہ اشارتاً بتا دیا کہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان خطاؤں کو معاف کر دے

دوسری وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یوسفؑ نوجوان تھے اس لئے ان کے اندر وہ احتیاط نہیں تھی جو احتیاط حضرت یعقوب علیہ السلام کے اندر تھی۔ ویسے بھی انہیں اپنے بیٹوں کی دھوکہ دہی کا ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ واقعی اپنی غلطیوں پر نادم ہیں یا محض ہنگامی اور عارضی طور پر اظہارِ ندامت کر رہے ہیں، بعد میں جب ثابت ہو گیا کہ واقعی بیٹوں کو اپنی خطاؤں اور زیادتیوں کا احساس ہے تو انہوں نے بھی معاف کر دیا۔

اور یہی ایک سچے مؤمن کی شان ہونی چاہیے کہ جب وہ محسوس کرے کہ میرے ساتھ زیادتی کرنے والا شخص دل سے اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ ہے تو وہ اسے معاف کر دے۔

یہ معاف کر دینا خاموش انتقام بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ بھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن پکانے والا پکار کر کہے گا، وہ لوگ کہاں ہیں جو لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے، وہ اپنے پروردگار کے حضور میں آئیں اور اپنا انعام لے جائیں کیونکہ ہر وہ مسلمان جس کی یہ عادت تھی، وہ جنت میں جانے کا حقدار ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے درجے بلند ہوں۔ اس کو چاہیے کہ وہ آدمی سے درگزر کرے جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور اس کو دے جس نے اس کو نہ دیا ہو اور اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اس سے رشتہ توڑا ہو اور اس کے ساتھ نخل کرے جس نے اس کو بُرا کہا ہو۔

ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے خادم کا قصور کتنی بار معاف کروں؟

آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور آپ خاموش رہے، اس نے پھر وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا سو بار مقصد یہ تھا کہ معاف کرنے کی کوئی حد نہیں، جتنی بار معاف کر سکو، تمہارا ہی فائدہ اور تمہارا ہی بھلا ہے۔

میرے آقا کی زندگی | حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے حوالے سے جو آخری بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس قصے میں میرے مکی و مدنی آقا کی زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے جب آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا تو آپ کے قریشی بھائی بغض و حسد میں مبتلا ہو کر آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ آپ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اور راستے میں چند دن غارِ ثور میں روپوش رہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچنے سے پہلے کنعان کے کنوئیں میں روپوش رہے تھے مدینہ منورہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے عزت و جلال کے بلند منصب پر فائز فرمایا۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا جب آپ کے قریشی عزیز آپ کے سامنے

سزگوں گھڑے انتظار کر رہے تھے کہ دیکھئے آج ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ مگر آپ نے انتقام لینے کے بجائے انہیں معاف فرما دیا اور فرما جاؤ تم آزاد ہو، آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔

لَا تَتْرَبِ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ یوسف جو کہ مکہ کے عہدِ تم میں بعض مخالفین کے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورہ مبارکہ میں اشارتاً مدنی آقا کے دشمنوں کو ان کا انجام بھی بتا دیا گیا۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ تم جس عظیم ہستی کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہو، اسے مٹانا تمہارے بس کی بات نہیں، یہ چاند جو مکہ میں طلوع ہوا ہے۔ اللہ کے حکم سے مدینہ میں بدکار بن کر اُبھرے گا۔ اور اس کی چمک سے مکہ کے پہاڑ اور وادیاں ہی نہیں، پورا عالم منور ہو جائیگا۔

وہ دن ضرور آئیگا جب تمہاری اکڑی ہوئی گردنیں اور شعلہ بار آنکھیں ندامت سے جھکی ہوں گی۔ اور تم برا درانِ یوسف کی طرح سوالیہ نشان بن کر محمدؐ کے ہاتھوں اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہو گے۔ چنانچہ ہم سب جانتے ہیں کہ یوں ہی ہو کر رہا۔ اور چشمِ فلک نے سینکڑوں برس کے بعد مکہ کی سرزمین پر وہ کہانی دوبارہ دیکھی جسے وہ مصر کے محلات میں دیکھ چکی تھی۔

آئیے ہم بھی اسی رب کے سامنے دامن پھیلائیں جو کمزوروں کو اٹھاتا اور متکبروں کو جھکاتا ہے۔

ہم بھی اسی مالک کو راضی کرنے کے لئے اپنے جذبات و شہوات کی قربانی ہیں، جس کی رضا کے لئے کریم بن کریم بن کریم سیدنا یوسفؑ نے قربانی دی

آئیے ہم اپنے دل میں یہ یقین کوٹ کوٹ کر بھر لیں کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا
 اچھا ہوتا ہے اور عزت و شوکت اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ



روزہ

مؤمنو! بحمدِ ہدایت ہے یہ رمضان شریف
معدنِ جود و کرامت ہے یہ رمضان شریف
لوٹوی کانِ سخاوت ہے یہ رمضان شریف
مخزنِ سرِ ولایت ہے یہ رمضان شریف
حق تعالیٰ کی امانت ہے یہ رمضان شریف
روزہ داروں کی شرافت ہے یہ رمضان شریف

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس حقیقت کو پایا تھا کہ لذت صرف پیٹ بھر کر کھانے میں نہیں بلکہ اسے خالی رکھنے میں بھی ہے۔ مزہ صرف ٹھنڈے مشروبات کے پینے ہی میں نہیں بلکہ پیاس کی تلخی برداشت کرنے میں بھی ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بیشمار لوگ ایسے میں جنہیں مرغن غذاؤں اور رنگارنگ مشروبات میں وہ مزہ نہیں آتا جو اللہ والوں کو بھوکا اور پیاسا رہنے میں آتا ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں جو رشیم و کھواب کے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں اور انھیں نیند تو کیا اونگھ بھی نصیب نہیں ہوتی اور کتنے ہی ایسے خدا شناس ہیں جو سنگ ریزوں کے فرش پر لیٹ کر اپنی نیند پوری کر لیتے ہیں۔

جس بندے کی نظر اللہ کی رضا پر ہوتی ہے وہ اس کی راہ میں بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے، وہ اس کی راہ میں مال ٹاتا ہے تو اسے خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جان کی بازی لگاتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ گنوا کے بھی کہتا ہے۔ "فِرْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"

رَمَضَانُ الْمُبَارَكُ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى سَيِّدِنَا رَسُولِنَا الْكَرِيمِ
 أَمَا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللَّهِ
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ
 عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
 عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
 تَتَّقُونَ
 اے ایمان والو! تم پر فرض کر دئے گئے
 روزے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر
 بھی فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر بہرگوار
 بن جاؤ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
 اللَّهُ أَعَزُّ وَجَلُّ كُلِّ عَمَلٍ ابْنِ
 آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي
 وَأَنَا أَجْزَى بِهِ وَالصِّيَامُ جَنَّةٌ
 وَإِذَا كَانَ يَوْمٌ صَوْمُ أَحَدِكُمْ
 فَلَا يَرَفْتُ وَلَا يَصْخَبُ فَإِنْ
 سَابَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
 روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ
 فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے
 لئے ہے۔ سوائے روزہ کے، وہ
 میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ
 دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے پس جب
 تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ گالی
 گلوچ اور شور و شغب نہ کرے بلکہ

اِنِّیْ اَمْرٌ وَّصَائِمٌ وَالَّذِیْ نَفْسٌ مَّحْمَدٍ بِیَدِیْ لَخَلْفٌ
 اِسْ کُوکُوْنِیْ کَالِیْ دِیْ اِلٰہِ اِنِّیْ جَعَلْتُ اِرْکَ
 تُووہ کَہْرَے کَہْ مِیْن رُوْزَہ سَے ہُوں
 اِس ذَاتِ کِی قِسْمِ جِس کَے قَبْضَہ مِیْن
 مُحَمَّد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ) کِی جَان ہِے،
 رُوْزَہ دَارِ کَے مَنہ کِی بُو اللہ کَے نَزْدِیْکِ
 مَشْکِ کِی بُو سَے بَہِی زِیَادَہ اچھی ہِے
 رُوْزَہ دَارِ کُو دُو خُوْشِیَاں مِیْسْرَ آتی ہِیں،
 اِیْکِ اِفْطَارِ کَے وَقْتِ اِفْطَارِ سَے
 خُوْشِ ہُو تَا ہِے اُو رِ دُو سَے جَب
 اِپنَے رُب سَے طِیْکَا تُو اِپنَے رُوْزَہ
 کِی وَجْہ سَے خُوْشِ ہُو گَا۔

گرامی قدر حاضرین! ہر سال جب رمضان المبارک آتا ہے تو خطباً
 اور علماء اس کی فضیلت و عظمت اور روزے کی حکمتوں اور فوائد کے بارے
 میں بات کرتے ہیں اور آپ حضرات عرصہ دراز سے سنتے آئے ہیں، یوں
 بھی آج کل اخبارات و رسائل کے خصوصی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں، اور
 ان میں بڑے بڑے اسکالروں اور اہل قلم کے مضامین شائع ہوتے ہیں جو
 پڑھے لکھے آدمی کی نظر سے گزرتے ہیں، پھر گھروں میں ریڈیو اور دوسری
 چیزیں لوگوں نے جو رکھی ہیں، ان کے ذریعے بھی قادر الکلام پروفیسروں، مولویوں
 اور واعظوں کی تقریریں آپ کو سننے کو ملتی ہیں۔ میرے کہنے کا
 مقصد یہ ہے کہ جہاں تک معلومات کا تعلق ہے تو ان کی ہرگز کمی نہیں ہے
 ہر کوئی جانتا ہے کہ رمضان المبارک کی نصیلت کیا ہے؟

روزوں کا حکم کیا ہے؟

روزوں کے فوائد کیا ہیں

ان کی حکمتیں کیا ہیں

ان کی تاریخ کیا ہے

طب اور روحانیت کی دنیا میں ان کی اہمیت کیا ہے؟

لیکن اصل چیز عمل ہے صرف معلومات کے ہونے سے کچھ فائدہ

حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک ہم عمل نہ کریں اور آج سب سے زیادہ جس چیز

کی کمی ہے، وہ عمل ہے، لوگ حرام و حلال کے بارے میں جانتے ہیں

کفر و ایمان کے بارے میں جانتے ہیں۔ لیکن عمل نہیں کرتے۔

اگر لوگوں کی معلومات اور وسیع مطالعہ کو دیکھا جائے تو اس موضوع

پر کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ تذکیر اور یاد دہانی کے طور

پر کچھ عرض کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت

میرا مقصد تذکیر اور یاد دہانی ہی ہے۔ ایک دوسری بات یہ بھی دل میں ہے

کہ شاید کچھ کہنے سننے سے مجھ ناچیز کو بھی عمل کی توفیق مل جائے کیونکہ بعض

اوقات دوسروں کو سمجھانے سے خود بھی سمجھ آ جاتی ہے اور دوسروں کو

تزعیب دینے سے اپنے دل میں بھی عمل کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

آپ کے سامنے سورہ بقرہ

خطاب کا پیارا عنوان | کی جو آیت نمبر ۸۳ تلاوت

کی گئی ہے، اس میں بڑے پیلے انداز میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اے ایمان والو!

اتاذالاساتذہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے مواعظ میں اس خطاب کے بارے میں بڑی پیاری باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ "یا ایہا الذین امنوا" کا عنوان جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے استعمال فرماتے ہیں، یہ بڑا پیارا عنوان ہے یعنی اے ایمان والو! اے وہ لوگو جو ایمان لائے، اس خطاب میں بڑا پیارا ہے، اس لئے کہ خطاب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کا نام لے کر خطاب کیا جائے فلاں، اور خطاب کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو اس رشتے کا حوالہ دے کر خطاب کیا جائے۔ جو خطاب کرنے والے کا اس سے قائم ہے۔ مثلاً ایک باپ اپنے بیٹے کو بلائے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس بیٹے کا نام لے کر اس کو پکارے۔ اے فلاں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بیٹا کہہ کر پکارے کہ اے بیٹے! ظاہر ہے کہ بیٹا کہہ کر پکارنے میں جو پیارا، جو شفقت اور جو محبت ہے اور سننے والے کے لئے اس میں جو لطف ہے وہ پیارا اور لطف نام لے کر پکارنے میں نہیں ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ لائے بڑے عالم اور فقیہ تھے، ہم نے تو ان کو اس وقت دیکھا تھا، جب پاکستان میں تو کیا، ساری دنیا میں ان کے علم و فضل کا لوہا مانا جاتا تھا کوئی ان کو "شیخ الاسلام" کہہ کر مخاطب کرتا تو کوئی ان کو "علامہ" کہہ کر مخاطب کرتا، بڑے تعظیمی القاب ان کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔ اس وقت ہماری دادی بقید حیات تھیں۔ ہماری دادی صاحبہ رشتے میں حضرت علامہ رحمہ کی ممانی لگتی تھیں۔ اس لئے وہ ان کو "بیٹا"

کہہ کر پکارتی تھیں اور ان کو دُعا دیتی تھیں، کہ "بیٹا! جیتے رہو، جب ہم ان کے منہ سے یہ الفاظ اتنے بڑے علامہ کے لئے سنتے، جنہیں دنیا "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکار رہی تھی تو اس وقت ہمیں بڑا اچنکھا محسوس ہوتا تھا۔ لیکن علامہ عثمانی رحمہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مفتی صاحب مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں دو مقصد سے آتا ہوں۔ ایک یہ کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات، دوسرے یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مجھے "بیٹا" کہنے والا سولے ان خاتون کے کوئی اور نہیں ہے صرف یہ خاتون مجھے بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں۔ اس لئے میں بیٹا کا لفظ سننے کے لئے آتا ہوں، اس کے سننے میں جو لطف اور پیار محسوس ہوتا ہے وہ مجھے کوئی اور لقب سننے میں محسوس نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدر اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کہنے والے کے جذبے سے آشنا ہو، وہ اس کو جانتا ہے کہ مجھے یہ جو "بیٹا" کہہ کر پکارا جا رہا ہے یہ کتنی بڑی نعمت ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے، جب انسان یہ لفظ سننے کو ترس جاتا ہے

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کا خطاب کر کے اس رشتہ کا حوالہ دیتے ہیں، جو ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو "بیٹا" کہہ کر پکارتے اور اس لفظ کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے جو بات باپ کہہ رہا ہے وہ شفقتِ محبت اور خیر خواہی سے بھری ہوئی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں جبکہ جبکہ ان الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں، انہی

جگہوں میں سے ایک یہ ہے۔“

چونکہ مسلسل طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنا خاص طور پر سخت گرمی کے موسم میں بعض لوگوں پر شاق گذر سکتا تھا۔ اس لئے بڑے پیارا اور بڑی محبت کے ساتھ خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اے حسن ازل سے پیمانِ وفا یا نہ ہننے والو!

اے اپنے محبوب کی کیتائی کا کلمہ پڑھنے والو!

اے اپنے خالق و مالک کی خدائی کا اقرار کرنے والو!

اے دنیا میں توحید کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرنے والو!

اگر تم اپنے دعویٰ میں واقعی سچے ہو تو ایک مہینے تک اس کے سوا سب

سے نظریں ہٹالو، ایک محدود وقت کے لئے نفسانی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لو،

اگر تم شاہدِ حقیقی کا وصال چاہتے ہو تو تمہیں بھوک اور پیاس برداشت

کرنی ہی پڑے گی۔

دنیا بھر کا اصول ہے کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا ہی پڑتا ہے، کچھ

لینے کے لئے کچھ دینا پڑتا ہے، کچھ حاصل کرنے کے لئے کچھ گنوانا بھی پڑتا ہے،

تو تم جب اسے پانا چاہتے ہو جس کا پالینا سب کچھ کا پالینا ہے،

جس کا حاصل کر لینا کون و مکان کا حاصل کر لینا ہے — تو پھر تمہیں

بھی کچھ کھونا پڑے گا۔ کچھ دینا پڑے گا۔ اور تم سے کوئی بڑا مطالبہ نہیں

کیا گیا۔ کوئی بڑی قیمت نہیں مانگی گئی بلکہ صرف ایک ماہ تک محدود وقت

کے لئے صرف صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے،

روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيَّ كُفْرُ الصِّيَامِ

یہ روزے نقلی نہیں بلکہ فرض ہیں۔

و زیادہ کہو یہ مطالبہ صرف تم سے نہیں کیا گیا، اکیلے تم ہی اس آزمائش میں نہیں ڈالے گئے بلکہ پوری تاریخ انسانی میں جس کسی نے بھی ہم سے پیمانِ وفا باندھا، جس جس جماعت نے بھی حسن ازل کے ساتھ عشق و محبت کا دعویٰ کیا، ان سب کو اپنے دعویٰ کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے۔ ان سب کو کچھ ہی ایسی ہی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے

یہاں ایک بات کی طرف توجہ
روزہ تمام مذاہب میں ضرور دلانا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ مکہ

کا وہ امی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا

جس نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا

جس نے تقابلی ادیان پر کوئی کتاب نہیں پڑھی۔

جس نے توریت کی ورق گردانی نہیں کی۔

جس نے انجیل کھول کر بھی نہیں دیکھی۔

جس نے زبور کے حمدیہ نغمے کسی سے نہیں سنے وہ بڑے اعتماد کے

ساتھ علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے کہ روزہ صرف مسلمانوں پر فرض نہیں کیا گیا

بلکہ اسلام سے پہلے جتنے مذاہب گزرے ہیں ان سب کے ماننے والوں پر

روزہ فرض تھا

انسان جب مکی مدنی آقا ص کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے دنیا بھر کے

تفسیر ماجدی بتغیر سیر

مذہب پر نظر ڈالتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ واقعی محمد بن عبد اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے اور بغیر کسی استاد سے پڑھنے اور سیکھنے کے دعویٰ کرتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم سے پہلے جتنے بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے والے گذرے ہیں، ان سب پر روزہ فرض تھا۔ یہ دعویٰ جب صحیح ہے تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ بتانے والا خود نہیں بتا رہا بلکہ اسے کسی نے بتایا ہے، کسی نے سکھایا ہے، کسی نے سمجھایا ہے، کسی نے پڑھایا ہے۔

اور وہ بتانے، سکھانے، سمجھانے اور پڑھانے والا کوئی انسان نہیں بلکہ انسانوں کا خالق و مالک اللہ ہے جس اللہ نے اپنے تمام ماننے والوں پر روزے فرض کئے تھے۔ وہ اپنے آخری رسول کو بتا رہا ہے کہ میں نے کیا یہودی اور کیا عیسائی سب پر روزے فرض کئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چالیس دن بھواں پیاس میں گزارے اسی لئے یہودی چالیس دن روزہ رکھنا اچھا سمجھتے تھے، لیکن چالیسویں دن کا روزہ ان پر فرض ہے

انجیل متی میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک جنگل میں روزے رکھے۔

انجیل مرقس میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی روزے رکھتے تھے اور ان کی امت بھی روزہ دار تھی

ہندو مذہب کو سب سے زیادہ قدامت کا دعویٰ ہے لیکن روزہ اس میں بھی ہے، جسے برت کہتے ہیں

برہمن سال میں چوبیس روزے رکھتے ہیں

یعنی دھرم میں چالیس چالیس دن کا ایک روزہ رکھا جاتا ہے۔

مکہ کے قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون گناہ سنگ بڑی تحقیق اور بڑے مطالعہ کے بعد لکھتا ہے کہ شاید ہی ہم کسی ایسے مذہب کا نام لے سکیں جس میں روزہ فرض نہ ہو، وہ بات جو فاسٹنگ نے بڑی تحقیق اور مطالعہ کے بعد آج بتائی ہے وہ میرے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چودہ صدیاں قبل بغیر تحقیق اور مطالعہ کے براہ راست علام الغیوب سے علم حاصل کرنے کے بعد بتادی تھی اور فاسٹنگ جیسے ہزاروں محققین اور مصنفین کا فرہونے کے باوجود تسلیم کر رہے ہیں کہ جو کچھ الشبیبی الامی الملکی المدنی نے فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

بہر حال فرمایا گیا کہ روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں کئے گئے بلکہ تم سے پہلے بھی جو اللہ کو ماننے والے گزرے ہیں ان پر بھی روزے فرض تھے اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ روزے فرض کرنے سے ہمارا مقصد تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں ہے، تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں ہے بلکہ روزے فرض کرنے سے اصل مقصود تمہاری بہتری ہے، تمہارے اندر ضبط نفس پیدا کرنا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ خواہشات تمہارے اوپر غالب نہ آئیں بلکہ تم خود خواہشات پر غالب آ جاؤ، تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔

عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ
لَعَدَائِدُ تَتَّقُونَ

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ایک

لفظ میں بتانا چاہے تو وہ لفظ تقویٰ ہے۔ ہر قسم کی عبادت کے بارے میں فرمایا گیا: —

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
 لے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو،

حج کا منشاء بھی تقویٰ ہی ہے، سورہ حج میں ہے:

وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَابِرَ اللَّهِ أَوْ رَجُو شَخْصَ اللَّهِ كَ شَعَابِرَ (حج کے ارکان
 فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ه اور مقامات) کی عزت کرتا ہے تو یہ لوں
 (سورۃ الحج) کے تقویٰ سے ہے۔

قربانی سے بھی غرض تقویٰ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ
 اللہ کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔

مسجد کی بنیاد بھی تقویٰ پر ہونی چاہیے، سورہ توبہ میں ہے:

لَمْ سَجِدُ أُتَيْسَ عَلَى الْبَتَّةِ وَهَ مَسْجِدِ حَسْبِ كِي بِنِيَادِ تَقْوَى پَر قَانِمُ
 التَّقْوَى کی گئی۔

آخرت میں کامیابی تقویٰ والوں کو ملے گی سورہ نبا میں ہے:

إِنَّ الْإِمْتَنِينَ مَفَازًا بِلَا شَبِّهِ تَقْوَى وَالْوَلِ كَ لَئِ كَامِيَابِي هَ

جب ساری عبادتوں سے مقصد تقویٰ ہے تو فرمایا گیا کہ روزہ سے

مقصد بھی تقویٰ ہے۔

تقویٰ کی حقیقت | تقویٰ کا اصل تعلق ظاہر سے نہیں، باطن سے ہے، جسم سے نہیں بلکہ دل سے

ہے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ

کے مجمع میں دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

التَّقْوَىٰ لهُمَّنَا تقویٰ یہاں ہے ۔

تقویٰ یہ ہے کہ دل میں حلال و حرام کی، خیر اور شر کی خلش پیدا ہو جائے
جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو نیکی کا کرنا آسان اور برائی کا کرنا
مشکل ہو جاتا ہے ۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو انسان رات کی تاریکی میں بھی
گناہ سے پرکھ جاتا ہے اور دن کے اُجالے میں بھی ۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو نفس کے تقاضے مغلوب ہو
جاتے ہیں اور شریعت کے تقاضے غالب آجاتے ہیں ۔

جب یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی آنکھیں نامحرم کی طرف نہیں
اٹھتیں، اس کی زبان کسی کی عزت سے نہیں کھلتی، اس کے کان فحش کلام
نہیں سنتے۔ اس کے پاؤں معصیت کی طرف نہیں چلتے، اس کے ہاتھ کسی
مسلمان پر نہیں اٹھتے

جب یہ خلش دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اشتعال دلانے کے باوجود کہہ

دیتا ہے ۔

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَىٰ يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي ۖ تو اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائے گا کہ مجھے
مَا أَنَا بِبَاسٍ بِيَدِي إِلَيْكَ قتل کر ڈالے تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر
لَا قُتِّلُكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ اٹھانے کا نہیں کہ تجھے قتل کر ڈالوں (کیونکہ)
الْعَالَمِينَ ۝ میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں ۔

جب دل میں یہ خلش پیدا ہو جاتی ہے تو خلوت خانے میں کسی جوانِ رعنا کو

اگر کوئی سراپا حسن و جمال دعوت دیتے ہوئے کہتی ہے ۔

هَيْتَ لَكَ بس آجاؤ

تو وہ پوری قوت کے ساتھ جواب دے دیتا ہے۔

مَعَاذَ اللَّهِ اللہ کی پناہ

روزے فرض کرنے سے بھی اصل مقصد یہی ہے کہ دل میں خیر و شر کی خلش

پیدا ہو جائے۔

طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک حکم ہوتا ہے کہ اپنی

منکوہ بیوی کے قریب نہیں جانا ہے۔

اپنے ہاتھوں سے کماٹی ہوئی حلال روزی کو استعمال نہیں کرنا۔

آپ خود ہی سوچئے کہ جو شخص محض اللہ کے ڈر سے اپنی بیوی کے قریب

نہیں جاتا، وہ دوسرے کی ماں بہن کو غلط نظر سے کیسے دیکھ سکتا ہے۔

جو شخص اللہ کے ڈر سے اپنے خون پسینے کی کماٹی سے ہاتھ کھینچ سکتا ہے

وہ دوسروں کے حقوق پر کیسے ڈاکہ ڈال سکتا ہے۔

یوں سمجھیے کہ روزہ داروں کو کامل ایک مہینہ تک اللہ

رہہ رسل کے حکموں کو غالب کرنے اور نفس اور شیطان کے

تقاضوں کو مغلوب کرنے کی رہہ رسل کرائی جاتی ہے۔

جب پورا ایک مہینہ اللہ کی یاد میں گزرے گا۔

جب یہ مبارک دن کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک و پیاس کے

صرف ہوں گے۔

جب یہ برکت والی راتیں کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی،

جب کسی کے ڈر سے آنکھیں کان اور زبان گناہ سے باز رہیں گے۔

تو یقیناً حیوانیت دور ہوگی اور ملکوتیت نزدیک آئے گی۔

پھر یقیناً دل میں وہ غلش ضرور پیدا ہوگی جو خیر اور شر، حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں امتیاز کرنے پر مجبور کر دے گی۔

یہ ریہرسل اور مشق تبھی ہوگی جب رمضان میں صرف کھانے پینے سے احتراز نہ کیا جائے بلکہ ہر گناہ سے اجتناب کیا جائے خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو یا آنکھوں سے کانوں سے ہونما تھوں اور پیروں سے۔

ابن خزمیہ کی روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ
روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ کہتے ہیں لغو اور فضول باتوں اور گناہوں سے دُور رہنے کو۔

اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں روزے کی حالت میں گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑے پر مجبور کرے تو تم اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو، اور اس سے کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں اس لئے میں یہ بے ہودگی نہیں کر سکتا۔ ترمذی شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلَا يَرْفَثُ وَلَا يَحْضُلُ فَإِنْ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ سَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ
جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اسے چاہیے کہ گناہوں اور جہالت کے کاموں سے دُور رہے اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا لڑائی جھگڑا کرے تو یہ کہہ دے کہ

میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں

صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے

راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
 مَنْ لَمْ يَدْعُ قَوْلَ الزُّوْرِ جَوْشَخْصَ رَوْزَه رَكَّهْ كَرَّهِي جَهْوُطْ بُولُنَايَا
 وَالْعَمَلُ بِهِ فَلَيْسَ بِاللَّهِ حَاجَةً اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ
 فِي أَنْ يَدْعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ کو اس چیز کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا
 کھانا پینا چھوڑے۔

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

رُبَّ صَائِمٍ حَظَّهُ مِنْ
 صِيَامِهِ الْجُوعُ وَالْعَطَشُ
 وَرُبَّ قَائِمٍ حَظَّهُ مِنْ
 قِيَامِهِ السَّهْوُ

بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن
 کو ان کے روزوں سے صرف بھوک
 اور پیاس ہی ملتی ہے اور بہت سے
 قیام کرنے والے (یعنی راتوں میں نماز
 پڑھنے والے) ایسے ہیں جن کو ان کے
 قیام سے صرف شب بیداری ہی ملتی ہے

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ روزے کا حقیقی مقصد تنہی حاصل
 ہوگا۔ جب پوری طرح گناہوں سے بچا جائے، ایک مہینہ تک تو صرف
 ریہل ہے، اصل منشاء تو یہ ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی ماہِ مقارس کی
 طرح گزے، جب اور جس چیز کے کھانے کی اجازت ہو اسے کھائے اور
 جب اور جس چیز کے کھانے سے منع کیا جائے اس سے رک جائے، آنکھ
 کان اور زبان کو جہاں اور جس طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت ہے،
 وہیں اور اسی طریقے سے استعمال کرے اور جہاں اجازت نہیں ہے وہاں
 استعمال نہ کرے۔

روزہ کی فضیلت

جب گناہوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے آنکھ، کان و زبان کی حفاظت

کرتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا خاطر روزہ رکھا جائے گا تو وہ اجر و ثواب حاصل ہوگا جس کا وعدہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں فرمایا ہے۔

الترغیب والترہیب میں ایک حدیث ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (اخلاص کے ساتھ) ایک دن کا بھی روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے اتنا دُور کر دیتے ہیں جتنا کہ کوئی کوّا اگر وہ پیدا ہوتے ہی اڑنا شروع کر دے، اور بوڑھا ہو کر مر جائے۔

کوٹے کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اڑ کر بڑی لمبی مسافت طے کرتا ہے، مگر جب وہ پیدا ہوتے ہی اڑنا شروع کر دے اور پوری زندگی اڑتا ہے، یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو کر مر جائے تو آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کتنی لمبی مسافت طے کرے گا۔

اللہ کی رضا کے لئے روزہ رکھنے والے کو جہنم سے دُور کر دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا۔ بلکہ روزہ داروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دروازہ مخصوص کر دیا ہے، جہاں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے کوئی دوسرا داخل نہ ہوگا۔

بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی عنہ سے روایت ہے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”جنت میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو باب الریان کہا جاتا ہے۔

اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا ان کے سوا کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہو سکے گا اس دن پکارا جائیگا کہ کدھر ہیں وہ بند جو اللہ کے لئے روزہ رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے، وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازہ سے جنت میں پہنچ جائیں گے، تو یہ دروازہ بند کر دیا جائیگا۔ پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔

ریان کا لفظ ری سے ہے جس کا معنی ہے سیراب کرنا چونکہ روزہ داروں نے دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پیاس برداشت کی ہوگی اس لئے روزہ دار قیامت کے دن جس دروازے سے داخل ہوں گے اس کا نام ہی سیراب کرنے کا دروازہ ہوگا۔ اور اس دروازے سے داخل ہونے کے بعد وہ ایسے سیراب ہوں گے کہ انہیں پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

انسان عام طور پر بھوک برداشت کر لیتا ہے لیکن سخت گرمی کے موسم میں جب ٹوچل رہی ہو اور بادِ سموم کے تھپیڑے بے کل کٹے ہوئے ہوں، اس وقت حلق میں کانٹے چھتے ہیں اور سوکھی ہوئی زبان پانی کے ایک قطرے کو ترس جاتی ہے تو انسان سوکھی ہوئی زبان کو تر کرنے اور جان کا ٹوٹنا ہوا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے کچھ بھی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ مگر روزہ دار اس لیے کلی کے عالم میں بھی روزہ نہیں توڑتا۔ اس کے گھر میں ہر قسم کے ٹھنڈے مشروبات موجود ہوتے ہیں، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا مگر وہ غلام العیوب کے علم و خبر پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے کسی مشروب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔

وہ جانتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا مگر جس کے حکم کی تعمیل میں بھوک

پیاس برداشت کر رہا ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

دنیا والوں کو معلوم نہیں کہ میں نے چلو بھر کر منہ میں جو پانی ڈالا ہے، یہ کھلی کرنے کے لئے ڈالا ہے یا حلق سے نیچے اُتارنے کے لئے ڈالا ہے۔

پھر کسی کو خبر نہیں کہ اس چلو کے چند قطرے میں نے پی لئے ہیں، یا سارا پانی باہر پھینک دیا ہے۔

جب روزہ دار اتنے اخلاص کے ساتھ اتنی چاہت کے ساتھ اتنی احتیاط کے ساتھ اتنی مشقت کے ساتھ روزے لکھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے دامنہ کے لئے ایک دروازہ مخصوص کر دیتے ہیں، جیسے ہمارے ہاں نام نہاد قسم کے وی آئی پی افراد کے لئے ایئر پورٹ وغیرہ پر آمد و رفت کے لئے دروازہ مخصوص کر دیا جاتا ہے، جہاں سے صرف وہی داخل ہو سکتے ہیں، کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔ یہی حال روزہ داروں کا ہوگا۔

سب سے بڑا انعام | میرا ناقص خیال یہ ہے کہ ویسے تو رب کریم کی جانب سے جو انعام بھی عطا ہو

گا وہ عظیم ہوگا لیکن سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑی فضیلت جو روزہ داروں کے لئے بیان کی گئی ہے وہ ہے جو بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے وہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر میں خود ہوں۔

حوریں نہیں۔

جنت کے قصر و محل نہیں -
 کوئی اور نعمت نہیں جسے مادی عقل سمجھ سکے -
 بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں -
 یہ کون کس سے کہہ رہا ہے
 مخدوم خادم سے نہیں
 شاہ گدا سے نہیں
 بلکہ خالق مخلوق سے
 معبود و عباد سے
 خدا بندے سے

کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں
 مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں -
 کیسی دردناک نادانی ہوگی کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و نادانی
 کے نذر کر دیا جائے - لہ

دنیا کا کوئی ڈاکٹر یا حکیم کوئی طبیب اگر ہمیں کہہ دے کہ تمہارے تندرست
 ہونے کے لئے فلاں فلاں چیز سے پرہیز ضروری ہے یا اگر وہ کہہ دے کہ تم اسی
 وقت صحیح ہو سکتے ہو، جب تم فاقہ کرو تو ہم فاقہ کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے
 ہیں اور اس کی منع کی ہوئی تمام چیزوں سے پرہیز کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں،
 مگر کیا وجہ ہے کہ حکیم مطلق ہمیں ایک محدود وقت تک خورد و نوش سے منع
 کرتا ہے تو ہم خوشدلی سے اس کے حکم کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ طرح طرح
 کی تاویلوں سے اس سے بچ جانا چاہتے ہیں -

ہم نے بعض چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا کہ انہیں انتہائی چٹ پٹی اور
 لہ تفسیر ماجدی

لذیذ چیز کھانے کے لئے دی گئی مگر انہوں نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے انکار کر دیا کہ ہمیں ڈاکٹر نے اس کے کھانے سے منع کر رکھا ہے کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک چھوٹے سے بچے کا ڈاکٹر کی بات پر یقین ہے کہ اگر میں نے یہ چیز کھا لی تو یہ میری صحت کے لئے مضر ثابت ہوگی مگر ہمیں سب سے بڑے حکیم کی بات پر یقین نہیں۔ وہ مالک و خالق جب محبت اور پیار کے ساتھ سمجھا رہا ہے کہ اے میرے ماننے والو! اے میرے عشق و محبت کے دعویٰ کرنے والو! اے اپنے سینے میں ایمان کی شمع روشن کرنے والو! میں نے تم پر کامل ایک مہینے تک صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنا فرض کیا ہے مگر تمہیں بھوکا پیاسا رکھنے میں میرا کوئی فائدہ نہیں بلکہ فائدہ سراسر تمہارا ہی ہے، میں چاہتا ہوں تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، تم ملکوتیت کے قریب آؤ، تم خواہشات کے غلام نہیں، خواہشات کے آقا بن جاؤ۔ تمہیں زمانے کی قیادت سنبھالنی ہے اور جو خواہشات و جذبات کا غلام ہو وہ قیادت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ جب تم میرے حکم کے مطابق روزے رکھو گے تو تمہیں جہنم کے شعلوں سے بہت دور کر دوں گا۔ جنت میں تمہارے داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ مخصوص کر دوں گا، تمہارے منہ کی بُو مجھے مشک سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے، تم روزے کی حالت میں مجھ سے جو بھی دعا کرو گے میں اسے قبول کروں گا۔

قیامت کے دن جب تمہیں اپنے لئے کسی سفارش کرنے والے کی تلاش ہوگی، تو روزہ تمہارا سفارشی بن جائیگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ رَوْزَهٗ اَوْرَقْرَانِ دَوْنُوں قِيَامَتِ كَدْنِ

لِّلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ ۖ بِنْدے کے لئے سفارش کریں گے، روزہ
 الصَّيَامُ اٰی رَبِّ مَنَعْتَهُ الطَّعَامَ ۖ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس
 وَالشَّهْوَةَ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ وَيَقُوْلُ ۖ بِنْدے کو کھانے اور شہوت سے روکے
 الْقُرْآنُ مَنَعْتَهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ ۖ رکھا تو آج اس کے حق میں میری سفارش
 فَشَفِّعْنِي فِيْهِ قَالَ فَيُشْفَعَانِ ۖ قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا، اے میرے
 رب! میں نے اس بندے کو رات کے
 سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا
 تو آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور اسکے حق میں بخشش
 والا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے
 حق میں قبول فرمائی جائے گی۔

امت مسلمہ کی خصوصیت | جیسا کہ آپ سن چکے روزے
 تو پہلی امتوں پر بھی فرض تھے

لیکن اس امت کو رمضان المبارک میں پانچ ایسی مخصوص چیزیں بھی عطا کی
 گئی ہیں جو پہلی امتوں میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کو رمضان میں پانچ
 ایسی خصلتیں عطا کی گئی ہیں جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

نمبر ایک یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے
 بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

نمبر دو یہ کہ ملائکہ ان کے لئے افطار تک مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔
 نمبر تین یہ کہ اللہ تعالیٰ روزانہ ان کے لئے جنت کو مزیں فرماتے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ بہت جلد میرے یہ بندے تکلیف اور مشقت سہ کر تیرے پاس آئیں گے،
نمبر چار یہ کہ اس مہینہ میں کس شیطاں کو قید کر دیا جاتا ہے پس
رمضان المبارک میں بندوں کو اس طرح نہیں بہکا سکتے جس طرح غیر رمضان
میں بہکاتے ہیں

نمبر پانچ یہ کہ آخری رات روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے،
پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! کیا اس سے مُراد لیلۃ القدر ہے فرمایا کہ نہیں
مزدور کو مزدوری اس وقت ملتی ہے، جب وہ اپنا کام پورا کر لے۔

میرے بزرگوار دوستو! دن بھی آتے رہیں
یہ مہینہ پھر کہاں! گے اور راتیں بھی آتی رہیں گی۔ مہینے بھی

آتے رہیں گے لیکن یہ مہینہ پھر نہیں آئے گا۔ یہ مہینہ نیکیوں کا موسم بہا ہے
عبادت و مغفرت کا سالانہ جشن ہے نہ معلوم پھر میسر آئے یا کہ نہیں۔

ہمارے کتنے ہی جاننے والے گذشتہ سال ہمارے اندر موجود تھے،
اور آج نہیں ہیں اور جو آج موجود ہیں نہ معلوم ان میں سے کتنے اگلے سال
نہیں ہوں گے۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ صحت اور فرصت کے لمحات
جو ہمیں آج میسر ہیں وہ اگلے سال میسر نہ ہو،

خدا را اس مہینے کی عظمت کو پہچانئے، ان لمحات کی قدر کیجئے
یہ وہ مہینہ ہے جس میں شیطاں قید کر دئے جاتے ہیں

یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے

افضل ہے

یہ وہ مہینہ ہے جس میں جنت آراستہ کی جاتی ہے، روزانہ بشمار
لوگوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیا جاتا ہے، عبادت کا ثواب کئی گنا

بڑھا دیا جاتا ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں، اللہ کا منادی پکار پکار کر کہتا ہے، اے شیخی کرنے والے آگے بڑھ جلدی کر، اور اے گناہ کرنے والے رک جا، باز آجا، یہ گناہوں کا مہینہ نہیں، یہ تو توبہ اور مغفرت کا مہینہ ہے، اے ظالم لوگ اپنی گردنیں جہنم سے آزاد کر رہے ہیں تو کیوں محروم رہتا ہے، اپنے مالک و خالق کے سامنے جھک جا اور دامن پھیلا کر درخواست کر

اللَّهُمَّ، اَعْتِقْ رِقَابَنَا مِنَ النَّارِ وَرِقَابَ اَبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَاَوْلَادِنَا وَاَقَارِبِنَا وَجَمِيعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اللَّهُمَّ اَعْتِقْهُمْ جَمِيعًا اللَّهُمَّ اَعْتِقْ رِقَابَهُمْ مِنَ النَّارِ

اے اللہ! ہماری گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرمائیں ہمارے والدین آباؤ و اجداد، ہماری بیویوں، ہماری اولاد بھرنیز و اقارب اور تمام مسلمان اور مؤمن مردوں اور عورتوں کو بھی اے اللہ! آزاد فرما دے، اے اللہ! انہیں جہنم کی آگ سے بچالے۔

مختصر دعا مانگنی ہو تو یہ دعا مانگو۔

اللَّهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ

اے اللہ! ہم آپ سے جنت کی درخواست کرتے ہیں اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں

بڑا بد بخت ہے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا، مگر وہ اللہ کو راضی نہ کر سکا، جو

بد بخت شخص

اپنے آپ کو جہنم سے آزاد نہ کر سکا، جو جنت کا حقدار نہ بن سکا، اور یہ بات ہما شما کی نہیں، کائنات کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا، منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہو گئے، جب آپ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب آپ نے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا آمین، جب تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ مبارک سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہم نے آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبریل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے، جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا۔ پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین۔ پھر جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاٹیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا آمین۔

ذرا غور کیجئے کہ دعا کرنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو فرشتوں کے سردار ہیں اور ان کی دعا پر آمین کہنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام جنتیوں کے سردار ہیں۔ تو اس دعا کی قبولیت میں شک ہی کیا ہے؟ تو بڑی ہی محرومی اور بڑی ہی شقاوت ہے اس شخص کی جو ماہِ مقدس میں مغفرت اور بخشش سے محروم رہے، جو شخص رمضان المبارک میں ایک روزہ بھی بغیر عذر کے چھوڑے اور اگر اس کی قضا میں ساری زندگی بھی روزے رکھتا ہے تو اس محرومی کی تلافی نہیں ہو سکتی جو ماہِ مبارک کا روزہ چھوڑنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ
جَوْشَخْنٍ بَغَيْرِ كِسْفِ رِخْصَتٍ
أَوْ بِيَارِي
مِنْ غَيْرِ رِخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ
كَمْ يَقْضِي عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ
گاہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تو اس
کُلُّهُ وَإِنْ صَامَ
کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

رمضان کی عظمت پہچانتے والے

جن لوگوں نے رمضان کی
عظمت کو پہچان لیا تھا
اور روزوں کی فضیلت کو جان لیا تھا۔ وہ رمضان المبارک کا ایسے انتظار کرتے
تھے، جیسے کسی انتہائی قریبی اور معزز مہمان کا انتظار کیا جاتا ہے، مشہور تابعی
معلی بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک کے بارے میں صحابہ کرام کے
اشتیاق و انتظار کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

كَانُوا يَدْعُونَ اللَّهَ سِتَّةَ
أَشْهُرٍ أَنْ يُبْلَغَهُمْ رَمَضَانَ
چھ ماہ تک وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے
اللہ! ہمیں رمضان تک پہنچا پھر بقیہ
ثُمَّ يَدْعُونَهُ سِتَّةَ أَشْهُرٍ
چھ ماہ تک وہ یہ دعا کرتے کہ اے اللہ
أَنْ يَتَقَبَّلَهُ مِنْهُمْ
ہمارے صوم و صلوة کو قبول فرما۔

خود رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت انس بن
مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ جب رجب کا چاند دیکھتے تو
یہ دعا فرماتے تھے :-

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ
وَسَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ
اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے
مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں
رمضان تک پہنچا۔

حبیب شعبان کا مہینہ آتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق کا یہ عالم ہوتا کہ آپ شعبان ہی میں روزے رکھنا شروع فرما دیتے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قریب قریب شعبان کا پورا مہینہ آپ روزے رکھتے تھے اور جب رمضان المبارک کا مہینہ آ جاتا تو پھر آپ کی عبادت و تلاوت اور جو دو سخا کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

جب اُستاد کا یہ عمل اور یہ انداز تھا تو

تلاذہ کا حال

اس باکمال اُستاد کے سعادت مند

تلاذہ کیوں پیچھے رہتے وہ رمضان المبارک کا حق ادا کرتے تھے راتوں کو قیام اور دن کو صیام ان کا دستور تھا، حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں لیکن صحابہ کرام اس حالت میں بھی سخت تکلیف برداشت کر کے روزہ رکھ لیتے تھے۔ اگر کبھی کسی غلطی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ایک صحابی روزہ توڑ بیٹھے تو بال تو چلتے ہوئے اور سینہ کو بی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "میں تو ہلاک ہو گیا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف خود ہی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزے رکھواتے تھے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کسی بدست کو بازار میں کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے سزا دی اور فرمایا ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف فرض روزے ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ نفلی روزے بھی رکھتے تھے۔ حضرت زید بن سہل رضی اللہ عنہ نے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل چالیس سال روزے رکھے اور عید کے علاوہ کسی دن کا روزہ نہیں چھوڑا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ ہر مہینے صرف تین دن روزہ رکھا کرو، لیکن انھوں نے اصرار کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت ہے تو آپ نے ان کو صوم داؤدی کی اجازت دے دی یعنی ایک دن کا ناغہ کر دو اور دوسرے دن کا روزہ رکھو

صحابہ کرام عاشوراء کے روزے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ وہ صرف خود ہی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے چھوٹے بچوں سے بھی عاشوراء کا روزہ رکھواتے تھے اور جب وہ بھوک کی وجہ سے روتے تو دل بہلانے کے لئے رنگین اُون کی گڑیاں دیدیتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اس حقیقت کو پایا تھا کہ لذت صرف پیٹ بھر کر کھانے ہی میں نہیں بلکہ اسے خالی رکھنے میں بھی ہے۔

مزہ صرف ٹھنڈے میٹھے مشروبات کے پینے ہی میں نہیں بلکہ پیاس کی تلخی برداشت کرنے میں بھی ہے۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بیشمار لوگ ایسے ہیں جنھیں مرغن غذاؤں اور رنگارنگ مشروبات میں وہ مزہ نہیں آتا جو اللہ والوں کو بھوکا اور پیاسا رہنے میں آتا ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں جو رشیم و کمخواب کے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں اور انہیں نیند تو کیا اُونگھ بھی نصیب نہیں ہوتی اور کتنے ہی ایسے خدا شناس ہیں جو سنگ ریزوں کے فرش پر لیٹ کر

اپنی نیند پوری کھینتے ہیں۔

کتنے ہی دولت و ثروت میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں جو سنگ مرمر سے بنے ہوئے وسیع و عریض محلات میں بے چین رہتے ہیں اور کتنے ہی فقر آشناء اہل اللہ ہیں جو خس پوش جھونپڑیوں میں سکون اور راحت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

یاد رکھیے راحت اور چیز ہے اور اسبابِ راحت اور چیز ہیں، ضروری نہیں کہ جو راحت کے اسباب جمع کر لے اُسے راحت بھی حاصل ہو جائے، حقیقی راحت دولت سے نہیں

محلات سے نہیں

گاڑیوں سے نہیں

کارخانوں سے نہیں

خورد و نوش کے سامان کی فراوانی سے نہیں۔

بلکہ اللہ کے حکموں کو پورا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جس بندے کی نظر اللہ کی رضا پر ہوتی ہے وہ اس کی راہ میں بھوکا اور

پیا سا رہتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے، وہ اس کی راہ میں مال لٹاتا ہے

تو اسے خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ جان کی بازی لگاتا ہے تو اس کا دل

مطمئن ہوتا ہے، وہ سب کچھ گنوا کے بھی کہتا ہے

فَرَّتْ رِبِّكَ الْعَبْدَةَ

ربِّ کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا ہے نہ نماز میں کچھ

رکھا ہے نہ روزے میں کچھ رکھا ہے، نہ جہاد میں کچھ رکھا ہے، نہ صدقہ

و خیرات میں کچھ رکھا ہے، نرج و عمرہ میں کچھ رکھا ہے، نہ تبلیغ و تدریس میں کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ مالک حقیقی کی رضا میں ہے۔

ایسی نمازیں ایسے روزے ایسے صدقات اور ایسے عمرے جن سے اس مالک کی رضا حاصل نہ ہو وہ کسی کام کے نہیں، حضرت ذکی کیفی مرحوم پمغفور کیا خوب فرما گئے ہیں۔ ۷

عشق تسلیم و رضا کے سوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں،
اور غالب نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ۷

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یا جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے
روزہ رکھنے والے دوست یاد رکھیں کہ ہم سے کوئی ایسا عمل نہ ہو
جائے جو ہماری صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کو غارت کر دے
اور ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی بجائے ان کو ناراض کر بیٹھیں۔

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے
(حضرت ذکی کیفی نور اللہ مرقدہ)

روزہ کے آداب | گرامی قدر حاضرین! ظاہر ہے ہم میں سے
کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کا دن کو
بھوکا پیاسا رہنا اور راتوں کا قیام ضائع ہو جائے اور ماہ مبارک اس کے
لئے عطا کی بجائے حرمان کا سبب بن جائے۔
اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں تو روزہ کے آداب کا اہتمام کرنا ہوگا، اگر

ہم ان آداب کا اہتمام کرتے ہوئے روزے رکھیں گے تو انشاء اللہ یہ روزے قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے اور ہم "باب الریان" سے جنت میں داخل ہوں گے۔

علماء اور مشائخ نے روزے کے چھ آداب بیان فرمائے ہیں۔

روزے کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ **نگاہ کی حفاظت** نگاہ کی حفاظت کی جائے۔ جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-

النَّظْرُ سَهْمٌ وَمَسْمُومٌ مِّنْ سِهَامِ ابْلِيسَ

نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔

یہ تیر جا کے سیدھا دل پر لگتا ہے اور دل کو زہرناک کر دیتا ہے، دل میں تقویٰ اور ایمان کا نور اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک نگاہ کی حفاظت نہ کی جائے اور جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ کی حفاظت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دل میں ایسا ایمانی نور نصیب فرماتے ہیں، جس کی حلاوت اور لذت دل میں محسوس ہوتی ہے۔

روزے کا دوسرا ادب زبان کی حفاظت **زبان کی حفاظت** ہے، زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی

نعمت بھی ہے اور امانت بھی، زبان کا صحیح استعمال ہمیں جنت میں لے جا سکتا ہے اور اس کا غلط استعمال جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے نزدیکی شریف میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

هَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ لَوُكُوفُ كُفَّيْهِمْ فِي جَهَنَّمَ كَمَا يَكُفُّ النَّاسَ فِي الْجَنَّةِ لَوُكُوفُ كُفَّيْهِمْ فِي الْجَنَّةِ
 عَلٰی وُجُوهِهِمُ الْاَحْصَايِدُ زَبَانُوْنَ كِي كَرْتُوْتِيْ هِي لِي كَر جَائِيْ كِي -
 السِّنِّيْتِيْمُ -

صحیح بخاری میں پہل بن سعد رضی کی حدیث ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ -
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو دو جھڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

یعنی اگر تم مجھے یہ ضمانت دے دو کہ زبان اور شرمگاہ کو غلط جگہ استعمال نہیں کرو گے تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت آدھے دین کی حفاظت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا کیا طریقہ ہے یعنی جہنم سے کیسے نجات پاسکتا ہوں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ تین کام کر لو، تم جنت میں داخل ہونے کے حقدار ہو جاؤ گے۔

ایک تو یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو،

دوسرے یہ کہ اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارو (ادھر ادھر بازاروں میں

بھی فضول نہ گھومو)

تیسرے یہ کہ اپنے گناہوں پر رویا کرو

زبان کی حفاظت تو ہر حال میں ضروری ہے لیکن روزے کی حالت

میں اس کی حفاظت اور بھی زیادہ ضروری ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے روزہ دار کو خاص طور پر فحش بات یا جہالت کی بات کرنے سے

منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اگر دوسرا لڑائی جھگڑے کی بات کرے بھی تو تم نہ کرو اور اس سے کہہ دو، کہ میرا روزہ ہے، میں تمہاری لغویات کا جواب نہیں دے سکتا۔ خاص طور پر روزہ کی حالت میں غیبت اور جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا اور ان کی حالت میں انہیں شدید بھوک لگی کہ وہ ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئیں آپ نے ان کے پاس ایک پیالہ بھیجا اور اس پیالے میں ان کو قے کرنے کا حکم دیا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا وہ یہ کہ یہ دونوں لوگوں کی غیبتیں کرتی رہیں، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ روزے کی حالت میں گناہ کرنے سے بھوک پیاس زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جو کسی نہ کسی طرح روزہ تو رکھ لیتے ہیں، لیکن روزے کے آداب کا خیال نہیں رکھتے، انہیں شدید بھوک اور پیاس لگتی ہے اور جو ذکر و سنکراؤ عبادت و اطاعت میں روزہ گزارتے ہیں، انہیں روزہ گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

روزے کا تیسرا ادب کان کی حفاظت

کان کی حفاظت

یاد رکھیے، جن چیزوں اور باتوں کا زبان سے نکالنا ناجائز ہے، ان کا سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں

شریک ہیں۔

کتنے ہی لوگوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ روزہ رکھ لیتے ہیں، پھر روزہ گزارنے کے لئے گانے سنتے ہیں، فلمے اور ڈرامے دیکھتے ہیں۔ گویا کانوں اور آنکھوں کے راستے گناہوں کی غلاطت اپنے دل کے برتن میں اُتارتے ہیں، بتلائیے، ایسے روزے سے کیا حاصل ہوا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم روزہ گزارنے کے لئے ایسا کرتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ واقعی ایسے لوگوں کا روزہ گذر جاتا ہے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں گذر گیا یعنی مر گیا، تو ایسے ہی ان لوگوں کا روزہ بھی گذر جاتا ہے۔

کتنے خاں کی بات ہے کہ دن بھر بھوکے پیاسے بھی رہے، لیکن حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔

تمام اعضاء کی حفاظت | روزے کا چوتھا ادب یہ ہے
زبان، کان اور آنکھ کے علاوہ

باقی اعضاء کی بھی گناہ سے حفاظت کرے۔

یہ جو اعضاء اللہ تعالیٰ نے ہمیں دئے ہیں، یہ اعمال پیدا کرنے کی مشینیں ہیں

آنکھ عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

زبان عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

کان عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

ہاتھ عمل پیدا کرنے کی مشین ہے۔

پاؤں عمل پیدا کرنے کی مشین ہے

ہماری مرضی ہے کہ ہم ان مشینوں سے اللہ کی رضا و لے عمل پیدا کریں،

یا اس کی ناراضگی والے عمل پیدا کریں

ہاتھوں سے کسی پر ظلم نہ کرے کسی کی چیز نہ چرائے

پیروں سے گناہ کی جگہ اور گناہ کی طرف چل کر نہ جائے۔

پیٹ میں حرام غذا نہ جانے دے، حرام کی مثال زہر کی سی ہے، زہر

جسم کے لئے خطرہ ہے اور حرام غذا روح کے لئے خطرہ ہے۔ حرام کھانے

سے دل میں کثافت پیدا ہوتی ہے، دل تاریک ہو جاتا ہے اور حرام سے

جو جسم پلتا ہے اس پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ کم از کم رمضان المبارک

میں اس بات کا اہتمام کر لیجئے کہ حرام کا ایک لقمہ بھی ہمارے پیٹ میں

نہ جانے پائے، شاید اس ماہ مقدس کی برکت سے ہمیں سال کے باقی

گیارہ مہینوں میں بھی حلال روزی پر قناعت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے،

روزے کا پانچواں ادب یہ ہے کہ اگرچہ

زیادہ نہ کھائے | مال حلال ہو پھر بھی بہت زیادہ نہ کھائے

بلکہ جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دے۔

صوفیاء رمضان کے علاوہ عام دنوں میں چار چیزوں کا مجاہدہ کرتے

ہیں۔ (۱) تغلیلِ طعام (کم کھانا) (۲) تغلیلِ کلام (کم بولنا) (۳) تغلیل

منام (کم سونا) (۴) تغلیلِ الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا)

صوفیاء کرام اپنے مریدین کو کم کھانے پر بڑے بڑے مجاہدے کرایا

کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت آجاتی تھی لیکن حکیم الامت مولانا

محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس الشہرہ فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ اس

قسم کے مجاہدوں کا نہیں، اب تو لوگ ویسے ہی کمزور ہیں۔ اگر کھانا کم

کر دیں گے تو کئی بیماریاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

آج کے دور میں انسان ایک بات کی پابندی کر لے تو تھیل طعام کا مقصد حاصل ہو جائے گا وہ یہ کہ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک مرحلہ ایسا آئیگا جب دل میں تروڈ پیدا ہوگا کہ اب مزید کچھ کھاؤں یا نہ کھاؤں پس جب یہ تروڈ پیدا ہو جائے اس وقت کھانا چھوڑنے تو تھیل طعام کا منشاء پورا ہو جائیگا۔

آج کل لوگ ڈائٹنگ کے لئے کھانا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وزن کم ہو جائے بعض خواتین مختلف قسم کی دوائیں استعمال کرتی ہیں اور اپنے آپ کو سمارٹ رکھنے کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرتی ہیں، مگر ڈاکٹروں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اگر مستقل کھانا چھوڑنے کے بجائے، کھانے میں کمی کر دی جائے تو پیٹ بڑھنے کی شکایت بھی نہیں ہوگی اور ڈائٹنگ کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔

مگر یاد رکھیے کہ تھیل طعام سے مسلمان کا مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہیے یہ الگ بات ہے کہ اس کے ضمن میں صحت کی درستگی اور وزن اعتدال پر رہنے کا مقصد بھی خود بخود حاصل ہو جائیگا۔ جب عام حالات میں تھیل طعام پر زور دیا جاتا ہے تو رمضان المبارک میں تو اس کا اور بھی زیادہ اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ روزہ سے مقصود قوت شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا اور قوت نورانیہ اور ملکوتیہ کا بڑھانا ہے، مگر ہمارے ہاں تو جناب حال یہ ہے کہ رمضان میں لوگ جتنا کھاتے ہیں شاید غیر رمضان میں نہ کھاتے ہوں۔ افطاری میں اتنا کچھ کھا لیتے ہیں کہ پھر نماز عشاء اور قیام اللیل کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر بالفرض نماز کے لئے کھڑے بھی ہو جائیں تو نماز میں اونگھتے رہتے ہیں

سحری میں اتنا کھاتے ہیں کہ نماز فجر کا پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر

کمال یہ کہ اتنا کھانے کے بعد پھر سو بھی جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بخارات دماغ کو چڑھ جاتے ہیں، چنانچہ جب سو کر اٹھتے ہیں تو دماغ کے بوجھل ہو جانے کی وجہ سے کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ ایک جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں۔ جن سے کمر سیدھا رہے، اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تُل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تنہائی (پیٹ) کھانے کے لئے رکھے ایک تنہائی پینے کے لئے اور ایک تنہائی خالی رکھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو پورے رمضان المبارک میں دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چھاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی، دوستوں کے خیال سے بڑھ جاتا ہوں۔ اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گزر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی، ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (نور اللہ مرقدہ) نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائیگا حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا پیارا شعر ہے فرماتے ہیں۔
ندارند تن پروراں آگہی کہ پر معدہ باشد حکمت تہی

پیٹ بھر کر کھانے والوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ بھرا ہوا معدہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

خوف ورجا | روزے کا بلکہ ہر عبادت کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ انسان قبولیت کی امید رکھے مگر ڈرتا

بھی رہے کہ شاید مراقبہ و صیام اور صدقہ و خیرات قبول بھی ہوا ہے یا نہیں، کیونکہ قیامت کے دن بہت سے ایسے لوگوں کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ جو بظاہر دنیا میں بڑی عبادت کرتے تھے مگر دل میں اخلاص نہ تھا، اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر نہ تھی بلکہ نمود و نمائش اور ریا کاری کا جذبہ دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ صاحب ایمان کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ نیکی کرتا ہے، قبولیت کی امید بھی رکھتا ہے مگر ڈرتا بھی رہتا ہے کہ کہیں میری محنت ضائع نہ ہو جائے اللہ اپنے راستہ میں خرچ کرتے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا
قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ لَهُمْ
رہتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے
رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے
إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝

پاس جانا ہے۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان والوں کی نشانی بتائی ہے کہ میرے راستے میں خرچ بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں کہ ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ معلوم نہیں وہاں قبول ہوتا بھی ہے یا نہیں ہوتا اور اصل چیز تو میرے دوستو، قبولیت ہے، چھوٹا سا عمل ہو لیکن ان کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اور بہت بڑا عمل ہو لیکن وہاں قبول نہ ہو تو کس کام کا؟

عمل کرنے کے بعد اکڑنا، اترانا اور جھلانا عمل کو باطل کر دیتا ہے اور عمل کرنے کے بعد ڈرتے رہنا، مزید عاجزی اختیار کرنا، اسے قبولیت کے قریب کر دیتا ہے۔

کوشش اور دعا | میرے بزرگو اور دوستو! ایسے ہم کوشش بھی کریں اور دعا بھی کریں کہ ہمارا رمضان

المبارک ان آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گزر جائے اور یہی دو چیزیں ہم ہیں یعنی کوشش اور دعا۔

غالی خولی دعا بھی کافی نہیں اور نرمی کوشش بھی کافی نہیں بلکہ دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اپنی سی کوشش بھی کرتے رہیں کہ کم از کم اس مہینے میں ہم حلال روزی پر اکتفاء کر لیں، حرام کے قریب نہ جائیں، گناہوں کو یکسر چھوڑ دیں۔ آنکھ، کان، زبان کی حفاظت کر لیں، غیبت، جھوٹ اور بہتان تراشی سے باز آجائیں۔ اپنے نفس کو بہلائیں کہ میاں صرف ایک مہینے کی بات ہے ایک مہینہ اللہ کی رضا کے مطابق گزار لو، اگر آپ اپنے نفس کو بہلانے اور گناہوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو انشاء اللہ سال کے تقیہ گیارہ مہینے بھی اسی طرح گزارنے کی توفیق مل جائے گی۔

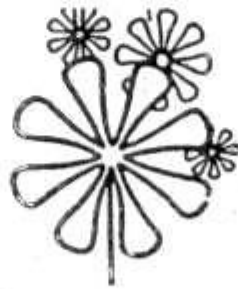
کوشش کے ساتھ دعا بھی کرتے ہیں، کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، چاہتا ہوں کہ ماہ مقدس تیری رضا کے مطابق گزر جائے مگر میرا چاہنا کس کام کا، جب تک تو نہ چاہے، بس تو اپنے فضل و کرم اس مبارک مہینے کو اس طریقے سے گزارنے کی توفیق عطا فرما دے کہ مجھے تیری رضا حاصل ہو جائے، میں جہنم سے بچ جاؤں اور جنت میں داخل ہوں یا کا حقدار بن جاؤں۔

میرے بھائیو! آخری گزارش یہ ہے کہ اگر کسی کو اس طریقے سے

رمضان المبارک گزارنے کی توفیق حاصل ہو جائے تو حیا و میتا اس گنہگار کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

کیونکہ میں آپ کی دعاؤں کا بہت زیادہ محتاج ہوں، دامن نیک اعمال سے خالی ہے اور آخرت کا سفر بڑا مشکل ہے۔ جب مخصوص اوقات میں اپنے لئے دعا کریں تو اس ناقص انسان کے لئے بھی دعا کر دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس احسان کا بدلہ ضرور دے گا۔

وما علینا الا البلاغ



حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ہیں زخمِ کفر کے لئے بے شک دوا علی رضی
اس واسطے کہ میں اسدِ کبریا علی رضی
جو دیدہ ور ہیں خاکِ درِ مصطفیٰ میں سب
فاروقِ ذی حشم ہوں کہ شیرِ خدا علی رضی
مؤمن کے اعتبار میں مشکل کشا خدا
غیروں کے اعتقاد میں مشکل کشا علی رضی
کیا کم ہے یہ شرف کہ بہ ترتیبِ واقعی
ہیں پیشوائے ملتِ خیرِ الوری علی رضی

”اس باہمی اعتماد کو دیکھنا ہو تو شبِ ہجرت کو یاد کیجئے،
 جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا
 چراغ گل کر دینے کا عزم کر کے آپ کے مکان کا محاصرہ
 کر لیا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم
 دیا اور فرمایا ”تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا“
 یہ بات آسان نہیں تھی اور وہ رات یقیناً قیامت کی
 رات تھی۔ باہر بدترین دشمنوں کا محاصرہ تھا اور حضور اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم وہاں سے جا چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے
 تھے کہ دشمنوں کو جب پتہ لگے گا کہ آپ ان کے ہاتھ سے نکل
 گئے تو وہ جوشِ غضب میں ان کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی
 بوٹی بوٹی کر دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ سے
 اتنی محبت اور آپ کی بات پر اعتماد تھا کہ وہ بلا خوف و خطر
 آپ کے بستر پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ انہیں
 یقین تھا کہ یہ چمکتی ہوئی تلواریں اور دشمنوں کی شعلے برساتی
 ہوئی نگاہیں میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔“
 سوچئے مقتل میں کسے نیند آتی ہے یہ مقتل ہی تھا جہاں
 حضرت علی رضی اللہ عنہ محوِ استراحت تھے۔“

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى سَيِّدِنَا وَسُؤْلِنَا الْكَرِيْمِ
 اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط
 لٰكِنَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا مَعَهُ جَاهِدُوْا
 بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط
 وَاُوْلٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتِ
 وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ه
 اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِيْ
 مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
 فِيْهَا اَبْدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ
 الْعَظِيْمُ ه

لیکن رسول نے اور جو اس کے ساتھ ہو کر
 ایمان لائے ہیں، انھوں نے اپنے جان
 و مال سے جہاد کیا اور انھیں کے لئے
 خوبیاں ہیں اور وہی الاخرت میں افلاح
 پانے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے
 ایسے باغات تیار کئے ہیں، جن کے
 (درختوں کے نیچے) نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ
 ان ہی میں رہنے والے ہیں، یہی بڑی
 کامیابی ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عَدِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ
 صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ
 اَمَّا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ
 بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰى
 حضرت سعد رضی سے روایت ہے، نبی
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے
 فرمایا، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے
 کہ میری نیابت کے معاملے میں تمہاری ^{حیثیت}
 وہ ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کی،

(صحیح مسلم جلد ثانی ص ۲۷۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔

محترم حاضرین! یوں تو رمضان المبارک کا مہینہ اپنی عظمتوں اور برکتوں کی وجہ سے ایک بے مثال مہینہ ہے لیکن اپنی ذاتی فضیلت و عظمت کے ساتھ ساتھ اس مبارک مہینے میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی پیش آئے ہیں، جنہوں نے اسے ایک یادگار مہینہ بنا دیا ہے۔ بالخصوص سترہ رمضان المبارک ایک یادگار دن کی حیثیت رکھتا ہے۔

غارِ حرا میں کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی یا یوں کہیے کہ تقریباً چھ سو سال بعد آسمان کا زمین سے پہلا رابطہ ہوا، تو اس دن رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔

جب بدر کے میدان میں حق و باطل کے درمیان پہلا حربی معرکہ برپا ہوا تو اس دن بھی رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔

اور جب دامادِ نبی امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کا واقعہ پیش آیا، تو اس دن بھی رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی

اس مناسبت سے آج مناسب معلوم ہوا کہ آپ حضرات کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات اور فضائل و کمالات بیان کئے جائیں تاکہ ہمارے دلوں میں ان کی محبت اور عظمت اُجاگر ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہ خوش
خوش قسمت انسان | قسمت انسان ہیں جن کا بچپن سید

الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور سرپرستی میں گذرا،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بچے زیادہ تھے اور آمدنی محدود تھی اس لئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبول فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن عبد اللہ کو محمد رسول اللہ جنتے دیکھا جب آپ کو نبوت ملی اور آپ نے مکہ والوں کو ایمان کی دعوت دی تو بڑے بڑے سرداروں
بڑے بڑے شاعروں
اور بڑے بڑے دانشوروں نے

آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا مگر ایک چھوٹا سا بچہ جس کی عمر اس وقت صرف نو برس تھی اور جسے دنیا آج حیدر کرار کے نام سے جانتی ہے اس بچے نے آپ کی دعوت پر لیک کہا اور ایمان قبول کر لیا پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اور کم عمر لوگوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، آخر انہیں اس عظیم انسان کی تربیت نصیب ہوئی تھی جو سارے انسانوں کی تربیت کے لئے آیا تھا۔ جو سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آیا تھا جس کی دعوت نے ساری دنیا میں عام ہونا تھا۔

اس عظیم انسان کی آغوشِ تربیت میں آنکھ کھولنے والا بچہ اگر سارے
نوجوانوں سے پہلے ایمان قبول کر لیتا ہے تو تعجب کی کون سی بات ہے۔
یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علیؑ نے
ایمان قبول کرنے سے پہلے بھی کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت
انتہائی اعتماد علی کرم اللہ وجہہ پر انتہائی اعتماد تھا،

آپ کے اعتماد کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنی اس بیٹی کا
نکاح حضرت علیؑ سے کیا جسے آپ نے جنتی خواتین کی سردار قرار دیا
اور جس کے بارے میں آپ نے فرمایا :

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يُؤْذِيَنِي مَا
 أَذَىٰهَا وَيُرِيَبُنِي مَا
 أَرَابَهَا
 فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو فاطمہ کو
 اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے
 جو اسے رنج دیتا ہے وہ مجھے رنج دیتا ہے

یوں تو آپ کو اپنی ساری ہی بیٹیوں سے پیارتھا مگر جتنا پیار حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھا، اتنا کسی اور سے نہیں تھا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم جب کسی سفر پر روانہ ہونے لگتے تو آخری کام جو کرتے وہ یہ ہوتا
 کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے اور جب واپس آتے تو پہلا کام یہ ہوتا
 کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جا کر دیکھتے

ایک عام شخص کی بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کسی ایسے شخص
 کے نکاح میں دے، جس پر اُسے اعتماد ہو تو کیا کوئی سوچ بھی سکتا ہے، کہ
 کائنات کے سردار نے خواتین جنت کی سردار کو ایسے شخص کے نکاح میں

سے دیا ہوگا، جس پر آپ کو پورا اعتماد نہیں ہوگا
 صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد
 نہیں تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک
 پر، آپ کے وعدوں پر، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں پر پورا پورا
 اعتماد تھا

اس باہمی اعتماد کو دیکھنا ہو تو شبِ ہجرت کو یاد کیجئے، جب قریش
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل کر دینے کا عزم کر کے آپ
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ نے اپنے نبی کو اس سازش سے
 آگاہ کر دیا اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور فرمایا
 ”تمہیں کوئی بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا“

یہ بات آسان نہیں تھی اور وہ رات یقیناً قیامت کی رات تھی باہر
 بدترین دشمنوں کا محاصرہ تھا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے جا چکے
 تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ دشمنوں کو جب پتہ لگے گا
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو وہ جوشِ غضب میں
 ان کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی اور آپ کی بات پر اتنا اعتماد
 تھا کہ وہ بلا خوف و خطر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے
 اور گہری نیند سو گئے

سوچئے مقتل میں کسے نیند آتی ہے۔

یہ مقتل ہی تو تھا جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھو استراحت تھے
 چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ تمہیں کوئی بھی نقصان

نہیں پہنچا کے گا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ واقعی یہ چمکتی ہوئی تلواریں اور دشمنوں کی شعلے برساتی ہوئی نگاہیں میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کو اٹھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب امانت داروں کی امانتیں ان کے حوالے کیں اور تین دن کے بعد وہ بھی مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، جب مدینہ منورہ پہنچے تو چل چل کر آپ کے پاؤں پھٹ چکے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے پاس بلاؤ، لوگوں نے عرض کیا، وہ چل نہیں سکتے، آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، گلے سے لگایا اور ان کے پیروں کے زخم دیکھ کر رو پڑے، پھر ان پر اپنا مبارک لعاب دہن لگایا اور مقدس ہاتھ ان پر پھیرا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ پھر ساری زندگی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروں میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

کتنے مبارک تھے وہ پیر جن پر دہن نبوت کا مقدس لعاب لگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی خیروں اور باتوں پر جو کامل ایمان

کامل ایمان

اور پورا پورا اعتماد تھا۔ اس کا ایک اور واقعہ میں آپ کو سنا تا ہوں ۸ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو رازداری کے ساتھ تیاری کا حکم دیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے مگر اس موقع پر ان سے چھوٹی سی غلطی ہو گئی۔

اصل میں ان کے اہل و عیال مکہ میں اکیلے تھے، انھوں نے سوچا کہ اگر قریش پر ایک احسان کر دوں تو وہ میرے بیوی بچوں کا خیال رکھیں گے،

اسی خیال سے انھوں نے ایک خط کے ذریعے قریش کو اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ خط انہوں نے ایک عورت کو دیا، جسے اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپالیا اور روانہ ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے اسی وقت حضرت علی اور حضرت زبیرؓ کو بلا یا اور فرمایا کہ ابھی فوراً چل پڑو، تمہیں خاخ کے باغ میں اونٹنی پر سوار ایک عورت ملے گی، جس کے پاس ایک خط ہے، جو وہ قریش کو پہنچانے کے لئے جا رہی ہے، تم وہ خط اس سے لے کر آؤ۔

یہ دونوں حضرات تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاخ کے بیچے میں پہنچے تو وہاں انہیں وہ عورت مکہ کی طرف جاتی ہوئی مل گئی۔ انھوں نے اسے اُتار کر پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی خط ہے؟ وہ بولی، میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ان دونوں نے کجاوے کو کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ بھی نہ ملا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف واقعہ بات کہی ہے اور نہ ہی ہم غلط کہتے ہیں۔ وہ خط یقیناً تمہارے پاس ہے اور ہر صورت میں وہ خط تم کو نکالنا ہی پڑے گا۔ اور اگر تم نے شرافت سے وہ خط نہ نکالا تو ہم تمہیں برہنہ کر کے تمہاری جامہ تلاشی لیں گے۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ یہ اپنی دھمکی میں سنجیدہ ہیں تو اس نے کہا کہ اچھا تم دونوں منہ پھیر لو!! انھوں نے منہ پھیر لیا، تو اس نے سر کے جوڑے کو کھولا اور خط نکال کر دے دیا، جس کو لے کر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گئے۔

اس باہمی اعتماد کا یہ حال تھا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑنا چاہا، تو انہوں نے عرض کیا کہ اس طرح منافقوں کو اٹواہیں پھیلانے اور اورچہ میگوئیاں کرنے کا موقع مل جائیگا تو آپ نے فرمایا اے علی! کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میرے اعتماد اور میری نیابت کے معاملے میں تمہاری حیثیت وہ ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی، ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا (بخاری)

مقصد یہ تھا کہ مجھے تم پر اسی طرح اعتماد ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام پر اعتماد تھا۔ البتہ تم دونوں میں یہ فرق ضرور ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے اور اے علی رضی اللہ عنہ نبی نہیں ہو، اس اعتماد کی ایک جھلک آپ

اللہ اور رسول کا پیار | غزوہ خیبر میں بھی دیکھ سکتے ہیں جب وہاں کے قلعے ایک ایک کر کے فتح ہو رہے تھے لیکن القموص کے قلعہ کا فتح کرنا مسلمانوں کو کچھ مشکل معلوم ہو رہا تھا تو رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«کل مسلمانوں کا جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے اور یہ تلہ اسی کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ جب کل ہوئی تو کئی صحابہ کرام منتظر تھے، کہ شاید یہ عزت افزائی ہمیں نصیب ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہو گئے مگر ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور

ان کے لئے دعا فرمائی جس سے وہ تکلیف اسی وقت دور ہو گئی اور ایسی دور ہوئی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اور اللہ نے شیرِ خدا کے ہاتھوں یہ قلعہ فتح کر دیا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد ہی تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام کی موجودگی میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قموں کا تاریخی قلعہ فتح کرنے کے لئے مقرر فرمایا اور آپ اپنے آقا کے اعتماد پر پورے اترے۔

آقا کے اس اعتماد نے حضرت علیؑ کے دل میں آقا کی ایسی محبت پیدا کر دی تھی

بے مثال محبت

جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

وہ اپنے آقا کی ذات سے محبت کرتے تھے

صفات سے محبت کرتے تھے۔

آپ کی دعوت سے محبت کرتے تھے

اور ہر اس چیز سے محبت کرتے تھے جس کا تعلق آقا سے تھا۔

آقا کو خوش دیکھتے تو خوش ہو جاتے

آقا کو پریشان دیکھتے تو پریشان ہو جاتے

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر فاقہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ

وجہ کو معلوم ہوا تو تڑپ اٹھے، جی چاہا کہ آقا کو سیر کر دوں، مگر خود آپ کے

گھر میں بھی کچھ نہ تھا۔ چنانچہ کسی مزدوری کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے۔ تاکہ

اتنا تو مل جائے جس سے آقا کی ضرورت پوری ہو جائے۔ تلاش کرتے

کرتے ایک یہودی کے باغ میں جا پہنچے اور باغ کو پانی پلانے کا کام اپنے ذمہ

لے لیا۔ مزدوری یہ تھی کہ ایک ڈول پانی کھینچنے کی اجرت ایک کھجور ملے گی جنت
 علی رضی اللہ عنہ نے سترہ ڈول کھینچے اور سترہ عجوہ کھجوریں لے کر آقاؐ کی خدمت
 میں پیش کر دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے علیؑ! یہ کہاں سے لائے ہو
 عرض کیا یا نبی اللہ! مجھے پتہ لگاتھا کہ آج آقاؐ کے گھر میں فاقہ ہے
 اس لئے میں مزدوری کی تلاش میں نکل گیا تھا تاکہ کچھ کھانے کا سامان کر سکوں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اللہ اور اس کے رسول صلی
 اللہ علیہ وسلم کی محبت نے اس پر آمادہ کیا تھا؟
 عرض کیا ہاں یا رسول اللہ!

آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا
 کوئی ایسا نہیں ہے۔ جس پر اتنی تیزی سے افلاس نہ آتا ہو۔ جتنی تیزی
 سے سیلاب کا پانی اپنے رُخ پر بہتا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول
 سے محبت کرے، اسے چاہیئے کہ وہ مصائب کے روک کے لئے ایک
 چھتری بنا لے۔

محبت کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی
ادب واحترام کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا جو ادب واحترام تھا۔ اس کا اندازہ حدیبیہ والے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے
 جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ
 ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے
 کے لئے بلوایا۔ معاہدے کے آخر میں آپ نے لکھوایا۔
 هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ يه وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ

نے فیصلہ کیا۔

اس پر قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ "رسول اللہ" کے الفاظ کیوں لکھے ہیں۔ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو نہ بیت اللہ میں آنے سے روکتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ تم جھٹلاتے رہو میں اللہ کا رسول ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو اور ان کے بجائے "محمد بن عبد اللہ" لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں "رسول اللہ" کے الفاظ اپنے ماتھے سے نہیں مٹا سکتا

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں پر "رسول اللہ" لکھا ہے۔ میں خود مٹا دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم جلد ثانی)

غرضیکہ دل میں آقا کی محبت
بھی تھی۔ ادب و احترام بھی تھا

شجاعت کا پیکر

آپ کی باتوں پر اعتماد بھی تھا۔ آپ کی خبروں پر یقین بھی تھا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کا جذبہ بھی تھا۔ جب بھی آقا یا دقرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لبیک کہتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابلے میں نہ تلواروں کی چمک سے ڈرتے تھے نہ تیروں کی بارش سے خوف کھاتے تھے۔

بدر کے میدان کا جائزہ لیجیے۔

اُحد کے پہاڑ کو دیکھیے

خیبر کے قلعوں کا احوال پڑھیے۔

غزوہ خندق کا مطالعہ کیجئے

آپ کو ہر جگہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ پیش پیش دکھائی دیں گے
بدر کے میدان میں جب عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی شیبہ
اور بیٹا ولید مقابلہ کے لئے نکلا اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے مقابلے
میں مسلمانوں میں سے ہمارے رشتہ داروں کو سامنے لاؤ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فرمائش سن کر فرمایا :-

« حمزہ اٹھو، علی اٹھو، عبیدہ اٹھو، یہ تینوں اٹھے اور انھوں نے
اپنے دشمنوں کو لکارا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو پہلے ہی دار
میں جہنم رسید کر دیا۔ عتبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی
کر دیا تھا چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
کا قصہ بھی تمام کیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لے آئے،
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر اپنے
اپنی تلوار ذوالفقار ہمیشہ کے لئے انہیں بخش دی۔ »

غزوہ احد میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے
بعد مسلمانوں کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور
لا تعداد مشرکوں کو ٹھکانے لگایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی
ہو کر گر پڑے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ رضی
بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھایا اور آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔
غزوہ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عرب کے اس

مشہور پہلوان اور سُورما سے ہوا، جس کا نام عمرو بن ود تھا
 اور جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اکیلا ایک ہزار شہسواروں کے
 برابر ہے وہ جب خندق پار کر کے مسلمانوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے
 چلا کر کہا

مَنْ يَبَارِدُ
 کون ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی ہمت
 رکھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور فرمایا:-
 اے عمرو! تم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر قریش کے کسی فرد نے تم کو دو چیزوں
 کی دعوت دی تو تم ایک کو ضرور قبول کرو گے۔ اس نے کہا بیشک میں نے
 یہ کہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

میں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں
 عمرو نے جواب دیا:-

مجھے اس کی ضرورت نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں تمہیں مقابلے پر آنے کی

دعوت دیتا ہوں

عمرو بولا: کیوں؟ میرے بھتیجے میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن اللہ کی قسم! میں تم کو قتل کرنا

چاہتا ہوں،

یہ سن کر اسے جوش آگیا۔ وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور گھوڑے

کی کوچیں کاٹ دیں اور اس کے چہرے پر ایک ضرب لگائی اور تلوار
 نکال کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

دونوں کی تلواریں چلنے لگیں اور پھر قریش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کا وہ سُورما جو ایک ہزار جنگجوؤں پر بھاری ثابت ہوتا تھا۔ شیر خدا نے اکیلے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔

غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے مہربان کے ساتھ جو کیا تھا وہ تو ہر کسی کو معلوم ہے، وہ اکرے تا ہوا آیا تھا مگر شیر خدا نے ایسا وار کیا کہ اس کے سر کا آہنی خود اور سر دونوں کٹ گئے اور اسکے جڑے بھی ٹوٹ گئے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا اسلام کے کسی غزوہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے نہیں رہے۔ ان کی شجاعت کا جا دو بہر جبکہ سر چڑھ کر لوٹا رہا، یقیناً وہ حیدر کرار اور اسد اللہ تھے اور ظاہر ہے اللہ کا شیر مخلوق سے نہیں ڈر سکتا۔

یہاں میں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے سمجھتا ہوں کہ بعض اوقات کسی شخصیت

سب سے بڑے قاضی

کا کوئی ایک وصف ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ اس کے دو سر اوصاف نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، ان کی شجاعت ایسی مشہور ہوئی ہے کہ ان کے دو سر اوصاف اس کے سامنے دب کر رہ گئے ہیں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کمالات کا مجموعہ اور اوصاف و اخلاق کا سرچشمہ تھی۔ آپ احکام شریعت کا سب سے زیادہ فہم رکھنے والے اور سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا:-

أَفْضَاكُمْ عَلِيٌّ
تم میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی ہیں

آپ ابھی نوجوان ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا
نمائندہ بنا کر مین بھیجا۔ آپ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
آپ مجھے ان لوگوں میں بھیج رہے ہیں، جن کے آپس میں جھگڑے ہوں گے
اور مجھے فیصلہ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہاری زبان سے صحیح بات
نکلوائے گا اور تمہارے دل کو اس پر مطمئن کر دے گا کہ تم صحیح فیصلہ کر رہے ہو،
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا یہ اثر
ہوا کہ اس کے بعد مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی شک
نہیں ہوا کہ فیصلہ صحیح ہوا ہے یا نہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب بھی کوئی پیچیدہ مسئلہ
آتا تو وہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش فرماتے

ان کا مشہور مقولہ ہے کہ :-

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ

مقصد یہ کہ اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو شاید مجھ سے کوئی ایسا فیصلہ ہو جاتا

جو میری تباہی کا سبب بن جاتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے
لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے خود فرمایا، کتاب اللہ کے بارے میں جو
چاہو پوچھ لو، اللہ کی قسم قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں جس کے
بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو، ہموار
راستے میں چلتے ہوئے نازل ہوئی ہے یا اس وقت جب آپ کسی پہاڑی
پر تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علم و حکمت کو دیکھنا ہو تو ان کے اشعار
ان کے اقوال اور ان کے خطبوں کا مطالعہ کیا جائے۔

علم و حکمت کے علاوہ حضرت
زُہد و بے نیازی | علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کا ایک نمایاں وصف ان کا زُہد اور ان کی دنیا سے بے نیازی اور بے غلبتی
تھی، مجبوری کی حالت میں سب ہی زاہد بن جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی
اللہ عنہ کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے اس وقت دنیا سے بے نیازی اختیار
فرمائی، جب حکومت کے پورے اختیارات اُن کے ہاتھ میں تھے
اور ان سے کوئی پوچھنے والا اور محاسبہ کرنے والا نہ تھا۔

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا۔ آپ نے
اس فالودہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین
ہے، مزہ بھی لذیذ ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤ
جس کا وہ اب تک عادی نہیں ہے۔

زید بن وہب سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ وہ ایک تہ بند باندھے ہوئے
تھے اور ایک چادر سے جسم کو ڈھکے ہوئے تھے، ان کے پاس کمر بند بھی
نہیں تھا۔ جس سے وہ تہ بند کو باندھ سکتے، کمر بند کے بجائے انھوں
نے تہ بند کو کپڑے کے پتھرے سے باندھ رکھا تھا۔ ان سے کہا گیا،
کہ آپ اس لباس میں کس طرح رہتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا، میں یہ لباس
اسلئے پسند کرتا ہوں کہ یہ نمائش سے بہت دور ہے، اس میں نماز پڑھنے
میں آرام ہے اور مومن کی سنت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک بار زاہدوں کا ذکر ہو رہا تھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا :

أَنْهَدُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا دُنْيَا مِثْلَ سَبَبٍ مِنْ بَطْرِ سَبَبٍ زَاهِدٍ
عَلِيٌّ بِنُ أَبِي طَالِبٍ عَلِيٌّ بِنُ أَبِي طَالِبٍ تَحْتَهُ -

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے قبضے میں صرف سات سو درہم تھے جو ان کو بیت المال کے مقررہ حصہ میں ملے تھے اور وہ اس رقم سے ایک خادم خریدنے کو ابادہ کر رہے تھے -

دنیا سے بے رغبتی سے بھی زیادہ مشکل
انصاف پسندی | کام کسی حکمران کے لئے یہ ہو سکتا ہے

کہ اس کا مقرر کیا ہوا قاضی خود اسی کے خلاف فیصلہ کرے -

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے بلا چون و چرا حکم شرع کے سامنے سر جھکا دیا

کنز العمال میں ہے کہ جبل کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زہرہ کہیں گر گئی۔ ایک شخص کو ملی، اس نے بیچ دی، کسی نے وہ زہرہ ایک یہودی کے پاس دیکھ کر اُسے پہچان لیا۔ اس زہرہ کا مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسنؓ اور ان کے غلام قنبر نے گواہی دی۔ قاضی شریح نے کہا کہ حسنؓ کے بجائے کوئی دوسرا گواہ لائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ کو حسنؓ کی گواہی قبول نہیں، قاضی شریح نے جواب دیا، نہیں کیونکہ میں نے آپ کی ہدایت یاد رکھی ہوئی ہے کہ باپ کے حق میں

بیے لی سہادت قبول نہیں کی جاتی۔

پھر قاضی شریح نے یہودی کے حق میں فیصلہ سناتے ہوئے اسے کہا کہ یہ زرہ تم لے لو، یہودی یہ سارا معاملہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اس نے کہا کہ امیر المؤمنین خود قاضی کے پاس آئے، اس کے باوجود اس نے ان کے خلاف فیصلہ دیا اور وہ اس فیصلے پر راضی رہے۔

اللہ کی قسم! آپ نے سچ کہا تھا، یہ واقعی آپ کی زرہ ہے اس نے وہ زرہ بھی آپ کو لوٹا دی اور آپ کا کردار اور اسلام کا نظام عدل دیکھ کر اس نے کلمہ شہادت "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" پڑھا اور مسلمان ہو گیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ اس کو بخش دی اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا، یہاں تک کہ صفین کے موقع پر شہید ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہی وہ اعلیٰ اخلاق اور بلند اوصاف تھے جو ہر کسی کو ان کا گردیدہ کر دیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پر جو اتنا اعتماد کرتے تھے اور اتنی محبت کرتے تھے تو اس کی وجہ بھی ان کا بلند کردار ان کی اجلی سیرت اور علمی اور عملی کمالات ہی تھے ورنہ رشتہ دار تو اور بھی تھے اور ان میں بڑے قد آور نوجوان بھی تھے۔

پھر یہ بھی جان لیں کہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد اور تعلق

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد نہیں فرماتے تھے بلکہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ

عنہم بھی ان پر اعتماد فرماتے تھے اگرچہ بعض لوگوں نے زبردست پروپیگنڈے کے ذریعے جاہلوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلفاءِ ثلاثہ کے درمیان ایسے اختلافات تھے جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے دُور دُور رہتے تھے لیکن یہ جھوٹے پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں، حقیقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں،

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی سب کے سامنے بیعت کی اور پھر وہ ہر موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشیر اور رفیق رہے انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت اور اتنا تعلق تھا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرندین سے جنگ کرنے کے لئے خود تشریف لے جانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مہار کپڑا کر سامنے کھڑے ہو گئے، کہ آپ مدینہ منورہ واپس جائیں کیونکہ اگر جنگ میں آپ کو کوئی زخم آگیا تو اسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لئے بکھر جائیگا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے واپس آنا پڑا۔

سوچیے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت نہ ہوتی تو وہ انہیں جنگ میں جانے سے روکتے یا جنگ میں جانے کا مشورہ دیتے؟

اہم محمد باقر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوکھ میں درد ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ آگ سے گرم کر کے اس پر پھیرتے رہے اور اس کو سینکتے رہے۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت اور اعتماد ہی کی

وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابو بکر رکھا تھا۔
دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہ حال تھا کہ وہ
ہر اہم معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور زمانہ
خلافت میں بھی ان کے بچوں کو پیار سے اپنے کاندھوں پر اٹھالیتے تھے۔

خلیفہ ثانی کا اعتماد اور تعلق | خلیفہ ثانی سینا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اعتماد فرماتے تھے اور ان کی رائے کو وقعت
اور اہمیت دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کے سفر پر گئے تو حضرت
علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے۔

نہاوند کے مقام پر جب ایرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کا تاریخی
معرکہ ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ میں
مسلمان مجاہدین کی قیادت خود کروں۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
علیہم اجمعین کی بھی یہی رائے تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رائے
سے اختلاف کیا اور یہ مشورہ دیا کہ آپ مرکز ہی میں رہیں۔ کیونکہ خدا نخواستہ
اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو مسلمانوں کا اتحاد باقی نہیں رہے گا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے پر ہی عمل کیا لیکن اسکے عکس
جب عیسائیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ وہ بیت المقدس
آجائیں تو ہم بغیر جنگ کئے مسجد اقصیٰ شریف کی چابیاں ان کے حوالے
کر دیں گے۔ چونکہ یہ ایک تاریخی اعزاز کا موقع تھا۔ اسلئے دوسرے صحابہ
کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ آپ کو وہاں ضرور

جانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ رٹے پسند آئی اور وہ انہیں اپنا قائم مقام بنا کر بیت المقدس کے تاریخی سفر پر روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کی انتہا یہ تھی کہ عمروں میں بہت زیادہ فرق ہونے کے باوجود اپنی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ حضرت عمرؓ کو دے دیا۔

جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زار و قطار روپے تھے، کسی نے پوچھا کہ کیوں روپے ہو تو فرمایا کہ عمر کی موت پر رو رہا ہوں، عمر کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جو قیامت تک پُر نہیں کیا جاسکے گا۔

ادھر خاندان نبوت سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق اور محبت کا جو حال تھا اسے بتانے اور سمجھانے کے لئے صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یمن کے محلے آئے جو کہ اپنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے، سب لوگ نئے کپڑے پہن کر مسجد نبوی میں آئے، اس وقت حضرت عمرؓ منبر نبوی اور روضہ نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے، لوگ آتے، سلام کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیتے، اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھر سے نکلے، ان کے جسم پر وہ محلے نہیں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افسردہ اور پریشان ہو گئے۔ کسی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو فرمایا، میں ان صاحبزادوں کی وجہ سے مغموم ہوں، آج سب کے جسم پر نئے محلے ہیں مگر ان کے جسم پر نہیں

ہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو محلے میرے پاس آئے تھے ان میں ان کے بدن کے مطابق کوئی حلہ نہیں تھا، محلے بڑے تھے اور ان کے قد چھوٹے ہیں۔ اسکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً یمن پیغام بھیجا کہ دو جوڑے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لئے خاص طور پر بھیجے جائیں، چنانچہ وہاں سے جوڑے بھیج دیئے گئے۔ آپ نے ان دونوں کو پہنایا تب آپ کو اطمینان ہوا۔

خلیفہ ثالث کا اعتماد اور تعلق

خلیفہ ثالث امیر المؤمنین
حضرت عثمان بن

عنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھروسہ اور اعتماد فرماتے تھے ورنہ آپس میں بہت قریب کا تعلق اور برادرانہ محبت تھی۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھر کے اندر محصور کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے غلام قبیلہ اور بیٹے حضرت حسن رضا اور حضرت حسین رضا ان کے دروازہ پر پہنچے اور تھے اور باغیوں کے حملے سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور قبیلہ زخمی بھی ہو گئے تھے، خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے باغیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اجازت طلب کی، مگر انھوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے نماز کی امامت کی درخواست کی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا فرمایا کہ جب امام

گھر میں قید ہے تو میں کیسے نماز پڑھا سکتا ہوں، میں تو اکیلے نماز پڑھوں گا۔
چنانچہ آپ اکیلا اپنی نماز پڑھ کر واپس تشریف لے آئے۔

جب سخت ناکہ بندی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جو پانی تھا وہ ختم ہو گیا تو انھوں نے مسلمانوں سے پانی طلب کیا، یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو خود پانی کا مشکیزہ لے کر گئے اور بڑی مشقت سے پانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔

میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلقات اچھے نہ تھے اور آپس میں ایک قسم کا بُد تھا تو یہ بالکل غلط ہے۔ خلفاء ثلاثہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے۔ تمام اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے، ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ دل سے ان کے خیر خواہ تھے اور ان سے محبت کرتے تھے

خلفاء ثلاثہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ انھوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر دوسرے کا نام عمر اور تیسرے کا نام عثمان رکھا۔

مخالفین خواہ کچھ بھی ڈھنڈورا پیٹتے رہیں، یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ یہ حضرات "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

گرامی قدر حاضرین! میں
پچھلے جمعہ حضرت علی کرم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

اللہ وجہت کی سیرت کا، ان کے اخلاق کا، ان کی عظمت کا اور فضیلت کا، ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہ کے اعتماد کا بقدر ضرورت

تذکرہ کرچکا ہوں۔ آج کی نشست میں جید رکرار کی شہادت کا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

لیکن واقعہ شہادت سے پہلے بہت دو ضروری باتیں اختصار کے ساتھ دو باتیں بتانا

ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جس وقت خلیفہ بنے وہ تاریخ کا انتہائی نازک دور تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب خلیفہ سابق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کا واقعہ انتہائی وحشیانہ انداز میں پیش آچکا تھا۔

افواہیں پھیل رہی تھیں

قیاس آرائیاں زوروں پر تھیں

اسلامی معاشرہ ایک خلا سے گزر رہا تھا

خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی آوازیں بڑی شدت سے اٹھ رہی تھیں

اور یہ آوازیں اٹھانے والے کوئی معمولی لوگ نہیں تھے۔ ان میں حضرت

طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

تعالیٰ عنہا تھیں۔

ان حضرات کے مطالبے کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے

یہ تھی کہ پہلے حالات درست ہو جائیں، پھر شریعت کے طے کر دے

اصول کے مطابق قصاص لیا جائیگا۔

یہ اختلاف بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ پہلے ۳۶ھ کو بصرہ میں

حضرت علی رضا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ جمل ہوئی جس میں تیرہ ہزار مسلمان شہید ہوئے، اس کے بعد صفین کے مقام پر حضرت علی رضا اور حضرت معاویہ رضا کے لشکر کے درمیان کئی دن تک شدید ترین جنگ ہوئی اور اس جنگ میں بھی ہزاروں کلمہ گو مسلمانوں کا خون بہہ گیا۔

مسلمانوں کے دو گروہ تھے، ہی یہاں صفین کے مقام پر ایک تیسرا گروہ بھی پیدا ہو گیا جسے "خوارج" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دونوں گروہوں کو کافر کہتے تھے۔

۲۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں جو یہ خونریز جنگیں ہوئیں، ہم ان جنگوں کو ان میں سے ایک فریق کی اجتہادی خطا تو کہہ سکتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی صحابی پر سب و شتم کرنا اہل سنت کے نزدیک نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب جنگ جمل میں ان کا مقابلہ کرنے والوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا وہ سب مشرک تھے۔ آپ نے فرمایا شرک سے تو وہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ تو کیا وہ منافق تھے۔

فرمایا منافق اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں
تو پھر وہ کیا تھے؟

فرمایا: میرے ہی بھائی تھے، میرے خلاف بغاوت کر رہے تھے
اور مزید فرمایا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ہم اور وہ سب ان لوگوں

میں شامل ہوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ
مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ
سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ
اور جو کچھ ان کے دلوں میں کینہ ہو گا۔
اسے ہم دور کر دیں گے (سب) بھائی بھائی
کی طرح رہیں گے آمنے سامنے تختوں پر

جنگِ جبل میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کے لشکر میں تھے انہیں عمرو بن جرموز نے شہید کیا اور ان کا سترن سے جدا
کر کے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچایا۔ اس کو توقع تھی
کہ یہ اس کا کارنامہ سمجھا جائیگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعزاز و
اکرام سے نوازیں گے۔ لیکن جب اس شخص نے حاضر ہونے کی اجازت
طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو اندر آنے کی اجازت
مت دو اور اسے جہنم کی "خوشخبری" سنا دو،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
جس اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، وہ بھی تاریخ میں ایک مثال کی حیثیت
رکھتا ہے

انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پہرے داروں
کی ایک جماعت بھیجی، اور بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو ان کی خدمت
کے لئے منتخب فرمایا اور بارہ ہزار درہم کی رقم پیش کی اور نخصت
کرنے کے لئے کئی میل تک خود بھی قافلے کے ساتھ چلتے رہے۔

دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو سامنے
رکھئے، روم کے بادشاہ نے جب دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ
جنگ میں مشغول ہیں تو وہ بڑی فوج کے ساتھ کسی قریبی ملک میں آیا،
اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانا چاہا۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو لکھا کہ :-
 اے لعین !! اللہ کی قسم اگر تم باز نہ آئے تو ہم اور ہمارے چچا زاد بھائی
 (علیؑ) دونوں آپس میں مل جائیں گے

اور تجھے تیرے ملک سے باہر نکال دیں گے اور زمین کو وسعت
 کے باوجود تجھ پر تنگ کر دیں گے۔ یہ سن کر روم کا بادشاہ ڈر گیا اور اس نے
 جنگ بندی کی اپیل کی

یہ حضرات آپس کے اختلافات اور جنگوں کے باوجود ایک دوسرے
 کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے تھے اور کسی حالت میں بھی کافروں کو اپنے
 ساتھ ملانے یا ان کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔

اس لئے ہمیں ان میں سے کسی پر بھی زبانِ طعن دراز کر کے اپنا ایمان
 ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہر اس انسان کا احترام کرنا چاہیے جو صحابیت
 کے شرف سے مشرف ہے

ہر اس آنکھ کا احترام کرنا چاہیے جس آنکھ نے ایمان کی حالت
 میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

ہر اس ہاتھ کا احترام کرنا چاہیے جو مدنی آت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی حمایت میں بلند ہوا۔

ہر اس پاؤں کا احترام کرنا چاہیے جو جہاد کی خاطر سرورِ دو عالم صلی
 اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا۔

ان دو ضروری باتوں کو جان لینے کے بعد
شہادت

اب آئیے میں آپ کے سامنے دامادِ نبی
 امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت

کا المنال واقعہ عرض کروں۔

”آپ سن چکے ہیں کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک تیسرا گروہ

خارجیوں کا پیدا ہو گیا تھا، جن کا مشہور نعرہ تھا ”لا حکم الا للہ“

(اللہ کے سوا کسی کا فیصلہ قبول نہیں)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نعرے کے بارے میں فرمایا

کرتے تھے۔

هَذِهِ كَلِمَةٌ حَقٌّ يُرَادُ بِهٖ اِيكٌ حَقٌّ بَاتٍ هٖ مَكْرًا سِ

باطل مطلب مراد لیا جا رہا ہے۔

یہ اپنے آپ کو ”الشراہ“ کہتے تھے، یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی

چانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کے مقام پر ان سے جنگ کی اور ان کو

شکست دی اور ان میں خاصی تعداد کو قتل کیا۔ لیکن نہ تو وہ بالکل فنا

ہوئے اور نہ ہی ان کا عقیدہ ختم ہوا بلکہ اس شکست کی وجہ سے

وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے، اور ان کے

قتل کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔

یہ خواج عجبیب غریب لوگ تھے۔ ایک طرف ان کے زہد و تقویٰ کا

یہ حال تھا کہ کھجور کے درخت سے ٹپکا ہوا ایک دانہ بھی اگر مالک کی اجازت

کے بغیر منہ میں ڈال لیتے تو یاد آتے ہی فوراً منہ سے نکال کر پھینک دیتے

راتوں کو جاگتے اور عبادت کرتے لیکن دوسری طرف ان کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں

کا خون بہانے میں بالکل ذریعہ نہیں کرتے تھے۔ جو ان کا عقیدہ نہ رکھتا اسے

فوراً قتل کر دیتے۔

عبدالرحمن بن ملجم جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، جب وہ پکڑا گیا تو لوگوں نے اس کی زبان کاٹنے کا ارادہ کیا تو وہ گبھرا گیا اس سے کہا گیا کہ اب کیوں گبھراتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں قرآن کی تلاوت کر رہا ہوں، اور قرآن کی تلاوت کے بغیر رہنے والا ایسے ہے جیسے مُردار اور میں مُردار بن کر رہنا پسند نہیں کرتا

علم و حکمت کا خون | بہر حال اپنی خارجیوں میں سے تین افراد اکٹھے ہوئے ان میں سے

ایک عبدالرحمن بن ملجم تھا۔ دوسرا برک بن عبداللہ التیمی اور تیسرا عمرو بن بکر التیمی۔ ان تینوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ معاذ اللہ اس وقت کے گمراہوں کے سربراہ تین ہیں (۱) علی (۲) معاویہ (۳) عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم)

ابن ملجم نے کہا، علی رضاً کو ختم کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔

برک نے کہا، معاویہ رضاً کا صفایا کرنا میرے ذمہ ہے۔

عمرو بن بکر نے کہا، عمرو بن العاص کا سر اڑانا میرا کام ہے۔

ان تینوں نے آپس میں قسمیں اٹھائیں اور پھر زہرین کبھی ہوئی

تلواریں سنبھال کر اپنے اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو ابن ملجم اس دروازے کے چھجے

کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا، جس سے حضرت علی رضاً نماز کے لئے نکلا کرتے

تھے، جب آپ نماز فجر کے لئے نکلے اور لوگوں کو بھی "نماز، نماز" کہہ کر نماز

کے لئے بیدار کیا تو ابن ملجم نے سیدنا علی رضاً کے سر کے اگلے حصہ پر وار

کیا، سر کے خون سے داڑھی مبارک رنگین ہو گئی، جب اس نے وار

اس وقت بھی اپنی جماعت کا مخصوص نعرہ لگایا
 لَا حَكَمَ إِلَّا اللَّهُ لَيْسَ لَكَ حَكْمَتٌ صَفِ اللَّهُ كِي هِي، عَلِي!
 وَلَا صَحَابَكَ يَا عَلِي تھاری یا تمھارے ساتھیوں کی نہیں۔

حضرت علی رضی نے آواز دی، اس کو پکڑو،

ابن ملجم پکڑا گیا، جب آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اس کو گرفتار رکھو اور قید میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر

میں زندہ رہا تو سوچوں گا کہ کیا کروں معاف کروں یا قصاص لوں، اور اگر میں

مَرِجَاؤُنْ تُو اِيكْ جَانْ كَابِدْلَهْ اِيكْ هِي جَانْ سِي لِيَا جَانِيْ اُو رَسْ كَامَثَلَهْ نَهْ

کیا جائے، (یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹ کر شکل نہ بگاڑی جائے)

کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے جو آخری لفظ نکالے۔ وہ یہ

آیت تھی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا سَوْ جَوَّ كُوْنِيْ ذَرَّةً بَهْرَ بَهِيْ نِيكِيْ كَرِيْ كَا سِي

يَّرَهُ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ۝

کی ہوگی اسے بھی دیکھ لے گا۔

ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ۝

رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی، جمعہ کا مبارک دن تھا، سحر کا وقت

تھا، جس وقت بدبخت ابن ملجم نے علم و حکمت کا خون کر دیا، زندگی تو شان سے

گزاری ہی تھی۔ موت بھی کچھ اس شان سے آئی کہ ہزاروں زندگیاں اس

پر نچھاور کی جاسکتی ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کی زندگی باعثِ شرم ہوتی

ہے اور کیسے خوش نصیب ہیں وہ جن کی موت بھی لائقِ رشک ہوتی ہے۔

موت کو دیکھیے تو شہادت کی موت ہے جو ساری موتوں کی سردار ہے۔

مہینہ دیکھیے تو رمضان المبارک کا جو سارے مہینوں کا سردار ہے۔

دن دیکھیے تو جمعہ کا جو سائے دنوں کا سردار ہے
 وقت دیکھیے تو سحر کا جو سائے اوقات کا سردار ہے۔
 عمل دیکھیے تو نماز کی تیاری کا جو سائے اعمال کا سردار ہے۔
 جانے والے کو دیکھیے تو علی بن ابی طالب جو سائے صوفیاء کا سردار ہے
 اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شیر خدا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب
 فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ



جنت اور جنت میں لیجانے والے اعمال

ان کو رب نے لیا اس دن کی آفت سے بچا
تازہ روٹی اور خوش وقتی ہوئی ان کو عطا
اور ان کو صبر کے بدلے میں جنت کی عطا
ریشمی پوشاک کا خلعت بھی ان کو دے دیا
اور پاکیزہ شراب ان کو پلائے گا خدا
اہل جنت یہ تمھاری نیکیوں کی جزا

(سورہ دہر کی آیت نمبر ۱۱، ۱۲، ۲۱، ۲۲ کا منظوم ترجمہ)

”خوشیاں تو انسان کو دنیا میں بھی مل جاتی ہیں، زندگی میں انسان کو کتنی ہی ایسی نعمتیں مہیا ہو جاتی ہیں، جو پیشانی پر خوشی کی جگمگاہٹ اور آنکھوں میں مسرت کی مسکراہٹ پیدا کرتی ہیں لیکن دنیا کی خوشی کا کوئی پھول ایسا نہیں جس کے ساتھ غم کا کوئی کانٹا نہ ہو اور نہیں تو کم از کم ان خوشیوں کے چھین جانے اور ختم ہو جانے کا خوف تو ہر کسی کے دل میں سما یا ہی رہتا ہے،

_____ پھر ایک دوسرا پہلو بھی سامنے رکھیں وہ یہ کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے، اس کے لئے سر توڑ محنت کرتا ہے، پسینہ بہاتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے کسی سے جھڑکی اور کسی سے گالی سنتا ہے، تب جا کر وہ کھانے پینے اور پہننے اور بھنے کی کوئی نعمت حاصل کر پاتا ہے مگر جنت کی خوشیوں میں یہ دونوں پہلو نہیں ہونگے وہاں کی ہر خوشی کا ہل ہوگی اسکے ساتھ خوف اور غم کا کوئی کانٹا نہیں ہوگا۔ وہاں انسان کو جو کچھ ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے نتیجے میں ملے گا۔ ہمیں کسی قسم کی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی“

جنت اور جنت میں لے جانے والے اعمال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ :
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 یُعْبَادِ لِاِخْوَفْ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ اے میرے بندو! آج نہ تم کو کوئی خوف ہے
 وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ هَ الَّذِیْنَ اور نہ تم غمگین ہو گے جو ہماری آیتوں پر ایمان
 اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ لائے اور فرمانبردار رہے (ہم ان سے کہیں
 اَدْخَلُوْا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ گے کہ تم اور تمہاری بیویاں عزت کے ساتھ
 تُخْبِرُوْنَ هَ یُطَافُ عَلَیْہِمَّ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی
 بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَاکْوَابِ رکا بیاں اور پیالوں کا دور چلے گا اور جس
 وَفِیْہَا مَا تَشْتٰہِیْہِ الْاَنْفُسُ چیز کو حسی چاہے گا، اور جس سے آنکھیں خوش
 وَتَلَذُّ الْاَعْیْنَ ج وَاَنْتُمْ فِیْہَا ہوں گی، وہ وہاں موجود ہوں گی اور تم ہمیشہ
 خٰلِدُوْنَ هَ وَتِلْکَ الْجَنَّةُ یہیں رہو گے، یہ جنت کی میراث تم کو اس
 الَّتِیْ اُوْرَثْتُمْ وَاٰبَآءَہُمْ کے عوض ہے جو تم کو دے رہے، یہاں
 کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ هَ لَکُمْ فِیْہَا تمہارے لئے کثرت سے میوے ہیں،
 فَاکِہَةٌ کَثِیْرَةٌ مِنْہَا تَاْکُلُوْنَ جن میں سے تم کھا رہے ہو۔

دَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے
 رَضِیَ اللّٰهُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک
 اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّو اللہ عزوجل (قیامت کے دن) اہل جنت سے

جَدَّ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ
 فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ
 وَالْخَيْرِ فِي يَدَيْكَ فَيَقُولُ
 هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَا
 لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ
 أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا
 مِّنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَلَا
 أُعْطَيْتُكُمْ أَفْضَلَ مِمَّنْ
 ذَلِكُمْ فَيَقُولُونَ يَا رَبِّ
 وَآيُ شَيْءٍ عِزًّا أَفْضَلُ مِمَّنْ
 ذَلِكُمْ فَيَقُولُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ
 رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ
 بَعْدَهُ أَبَدًا (مسلم ۳۷۸ جلد ۲)

فرمائیگا اے جنت والو! تو وہ کہیں گے
 اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور بھلائی
 تیرے ہاتھوں میں ہے پس اللہ تعالیٰ فرمائے
 گا کیا تم راضی ہو؟ تو وہ کہیں گے اے ہمارے
 رب! ہم کیوں راضی نہ ہوں جبکہ تو نے
 ہم کو وہ کچھ دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے
 کسی کو بھی نہیں دیا۔ پھر اللہ فرمائے گا، کیا
 میں تم کو اس سے بھی افضل چیز عطا
 نہ کروں تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے
 پروردگار اس سے بھی افضل چیز کون سی
 ہو سکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔
 میں نے تم پر اپنی رضا مندی واجب
 کر دی ہے۔ اب کبھی بھی تم سے ناراض
 نہ ہوں گا۔

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمِ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمِ ط

میرے بزرگو اور دوستو! قیامت کا دن نتیجہ نکلنے کا دن ہے اس
 دن کسی کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور کسی کی ناکامی کا
 اس دن کسی کے چہرے پر ذلت کی سیاہی چھائی ہوگی اور کسی کا چہرہ
 عزت کے نور سے منور ہوگا۔

کسی کو گھسیٹ کر جہنم کے گڑھے میں ڈال دیا جائے گا اور کسی کے لئے
 باغ رضوان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

یہ توقیامت کے دن کھلے گا کہ کون کامیاب ہوا اور کون ناکام ہوا۔
 کس سے باری تعالیٰ خوش ہے — اور کس سے ناراض ہے
 جن سے وہ خوش ہوگا انہیں اپنے مقدس خطاب سے مشرف فرمائے
 ہوئے بشارت سنائے گا۔

يُعْبَادِ لَأَخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اے میرے بندو! آج نہ تم کو کوئی خوف
 وَلَا أَنْتُمْ تَخْزَنُونَ ہ ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔

کتنا پیارا خطاب ہے اور کیسی
 عظیم بشارت ہے جو خوف اور

خطاب اور بشارت

غم والے دن ان لوگوں کو سنائی جائیگی جنہوں نے اپنے باطن کو ایمان کے نور سے منور
 اور اپنے ظاہر کو اسلام کے احکام و اعمال سے جگمگایا ہوگا۔
 بڑے پیار سے اللہ فرمائیں گے اے میرے بندو!
 اے میرے چاہنے والو!

اے میری چاہت پر ساری چاہتیں قربان کر دینے والو!
 اے میرے احکام کے تقاضوں کے مقابلے میں نفس کے تقاضوں کو دبا

لیتے والو!

آج جب کہ ہر کوئی خوفزدہ ہے، ہر کوئی پریشان ہے، ہر کوئی اپنی زندگی
 ضائع کرنے پر حسرتوں اور زدامتوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ آج تمہیں نہ کوئی
 خوف ہے نہ کوئی غم ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ خوف ہوتا ہے مآت کا اور غم ہوتا ہے مافات کا۔
 یعنی خوف ہوتا ہے آگے پیش آنے والے حالات کا اور غم ہوتا ہے،

ہاتھ سے چسلی جانے والی چیز کا۔

اللہ کے نافرمانوں کو اس دن خوف بھی ہوگا اور غم بھی ہوگا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہیں گے کہ آج ہمیں ہماری بد اعمالیوں اور فسق و فجور کی نہ معلوم کیسی سخت سزا دی جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ وہ زندگی کے قیمتی لمحات فضول کاموں میں ضائع کرنے پر پچھتا بھی رہے ہوں گے۔

مگر سچے مومنوں اور مخلص مسلمانوں کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ان کا مستقبل بھی محفوظ ہوگا اور انہیں ماضی پر بھی کوئی ندامت اور شرمندگی نہیں ہوگی۔ انہیں اللہ خود حکم دے گا کہ باعزت طریقے سے ان باغوں میں داخل ہو جاؤ، جو خاص طور پر میں نے تمہارے ہی لئے تیار کئے ہیں۔

تم دنیا میں صرف میرے ڈر سے نفس کی خواہشات اور جذبات کو دباتے رہے آج میں تم کو وہ سب کچھ دوں گا جو تمہارے جی میں آئے گا۔ وہ سب کچھ عطا کر دوں گا جو تمہارا نفس چاہے گا۔

مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس جس چیز کا خیال تمہارے دل میں پیدا ہوگا اور جس نعمت سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی وہ حاضر کر دی جائیگی۔
وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ
وَقَدْ الْأَعْيُنُ
جس چیز کو جی چاہے گا اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی وہ وہاں موجود ہوگی۔

مختصر الفاظ میں یوں کہیں کہ جو دنیا میں خدا چاہی زندگی گزار کر گیا ہوگا۔ وہ وہاں من چاہی زندگی گزارے گا۔ جو من میں آئے گا وہ ملے گا، جو جی چاہے گا وہ سامنے موجود ہوگا۔

خطیب ایشیا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ
مرقدہ نے ایک بار جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہی بات اپنے مخصوص خطبہانہ انداز میں بیان فرمائی کہ جنت میں اہل

جنت جو مانگیں گے وہ ملے گا جو چاہیں گے حاضر کر دیا جائے گا تو ایک سیدھے
سارے دیہاتی نے سوال کیا۔ حضرت آپ فرماتے ہیں۔ جنت میں ہر چاہت
پوری کی جائے گی۔ تو میں حقے کا عادی ہوں، میرا اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو
سکتا تو اگر میرے دل میں حقے کا کش لگانے کی خواہش پیدا ہوئی تو کیا مجھے
حقہ دیا جائے گا؟

شاہ صاحب نے جواب دیا، کیوں نہیں بابا جی آپ کو حقہ ضرور دیا
جائیگا مگر اس کے لئے آگ آپ کو جہنم سے جا کر لانی پڑے گی،
شاہ صاحب کے اس ظریفانہ جواب پر پورا مجمع کشت زعفران بن
گیا۔

حضرت بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی کیا بات تھی! ایسا جواب دیتے
تھے کہ بڑوں بڑوں کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔
ایک وکیل صاحب کو مولویوں کا مذاق اڑانے میں بڑا لطف آتا تھا
جیسا کہ کئی ایک ماڈرن حضرات کا یہی حال ہے کہ وہ بات بات میں علماء کا
ان کی شکل و صورت کا، ان کے زہد و تقویٰ کا اور ان کے عقائد و افکار
کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ تو ان وکیل صاحب
نے رمضان کے مبارک مہینے میں حضرت شاہ صاحب سے سوال کیا کہ
شاہ جی آپ مولوی لوگ تاویل کرنے کے بڑے ماہر ہوتے ہیں تو کوئی ایسی
تاویل بتائیے کہ انسان کھاتا پیتا بھی ہے اور روزہ بھی نہ ٹوٹے۔
حضرت شاہ صاحب نے وکیل صاحب کی انتہائی لغوبات بڑے
تحمّل سے سنی اور جواب دیا۔

جناب بہت ہی آسان حل ہے آپ کسی کو جوتے مارنے کے لئے

کہیں۔ آپ جوتے کھاتے رہیں اور غصہ پیتے رہیں، روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا (اس ٹانگ میں ایک اضافی فائدہ یہ ہے کہ دماغ بھی سیدھا ہو جائیگا)

یہ تو حضرت خطیب العصر نور اللہ مرقدہ کی ظریفانہ باتیں تھیں ورنہ عرض یہ کر رہا تھا کہ اہل جنت کی ہر خواہش، ہر چاہت، ہر تمنا اور ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اہل جنت کی خصوصیت ہے

اہل جنت کی خصوصیت

کہ ان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی ورنہ آپ دنیا میں دیکھیں کہ انسان کے سینے میں چاہتوں اور آرزوؤں کی ایک لامحدود دنیا آباد ہے، لیکن کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کی ہر چاہت پوری ہو جائے۔

دولت و ثروت کے باوجود

عہدہ اور اقتدار کے باوجود

تعلقات کے باوجود

علم و ہنر کے باوجود

انسان کی بہت ساری خواہشیں ناآسودہ رہ جاتی ہیں اور اس کے سینکڑوں

خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتے۔

لیکن جنتی وہ خوش قسمت انسان ہوگا جس کی ہر آرزو پوری کی جائے گی

سورہ نجم السجد میں ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَمُونَ

أَنْفُسَكُمْ وَلكُمْ فِيهَا مَا تَهْتَمُونَ

اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہے جو

تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے اس

تَدْعُونَ ه
میں وہ ہے جو تم مانگو۔
بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے خود کہے گا کہ آج تم
اپنے دل میں آرزوئیں پیدا کرو، میں تمہاری آرزوئیں پوری کروں گا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
سلم نے ارشاد فرمایا:

”جنت میں جو سب سے کم رتبے والا ہوگا اس کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ اللہ
تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تم اپنی انتہائی آرزو کا خیال دل میں پیدا
کرو، وہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تمہیں وہ سب کچھ دیا گیا جس
کی تم نے آرزو کی تھی اور اس کے برابر مزید بھی (مسلم شریف)

بعض لوگوں کو بازار کا شوق ہوگا (کہ بازار لگے تو ہم اس میں خرید و
فروخت کریں) تو بازار بھی لگے گا لیکن وہاں حقیقی خرید و فروخت
نہیں ہوگی کیونکہ وہاں کس چیز کی کمی ہے بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہو
گی (ترمذی شریف)

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا تو اس کا یہ شوق بھی پورا کر دیا
جائے گا لیکن کھیتی کے پکنے میں مہینے اور سال نہیں لگیں گے،
بلکہ دانہ اگنے سے لے کر کھیتی کے کٹنے تک سب کام لمحوں
میں ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری)

ایک بدوی نے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا

دہاں گھوڑے بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو جنت
 ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ یا قوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جنت
 میں جہاں چاہو لے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ
 یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا، اگر
 تم جنت میں گئے تو تمہارے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل
 چاہے گا اور تمہاری آنکھیں پسند کریں گی۔

خوشیاں تو انسان کو دنیا میں بھی مل جاتی ہیں، زندگی
کامل خوشی میں انسان کو کتنی ہی ایسی نعمتیں مہیا ہو جاتی ہیں،

جو پیشانی پر خوشی کی جگمگاہٹ اور آنکھوں میں مسرت کی مسکراہٹ پیدا کر دیتی
 ہیں

شادی بیاہ ہے، اولاد کا پیدا ہونا ہے، عزیزوں سے ملاقات ہے،
 کاروبار میں ترقی ہے، پوتوں اور نواسوں کی کلکاریاں ہیں۔
 یہ سارے مواقع انسان کو خوشیاں عطا کرتے ہیں لیکن دنیا کی خوشی کا کوئی پھول
 ایسا نہیں، جس کے ساتھ غم کا کوئی کانٹا نہ ہو، اور نہیں تو کم از کم ان خوشیوں کے
 چھن جانے اور ختم ہو جانے کا خوف تو ہر کسی کے دل میں سما یا ہی رہتا ہے،
 مثلاً کسی نے شادی کی، اول تو شادی کے اخراجات ہی کم توڑ دیتے ہیں
 پھر ہو سکتا ہے کہ دونوں کی طبیعت میں موافقت نہ ہو یا دونوں کے خاندان
 میں ان بن ہو جائے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک بیمار ہو جائے۔

طلاق تک بھی نوبت پہنچ سکتی ہے۔

کسی ایک کا انتقال بھی ہو سکتا ہے۔

ان سارے احتمالات کی موجودگی میں ہم اس خوشی کو کامل خوشی نہیں کہہ سکتے

پھر ایک دوسرا پہلو بھی سامنے رکھیں وہ یہ کہ انسان اس دنیا میں جو کچھ حاصل کرتا ہے، اس کے لئے سرتور محنت کرتا ہے، پسینہ بہاتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے، کسی سے جھڑکی اور کسی سے گالی سنتا ہے، تب جا کر وہ کھانے پینے اور پہننے اور ٹھننے کی کوئی نعمت حاصل کر پاتا ہے مگر جنت کی خوشیوں میں یہ دونوں پہلو نہیں ہوں گے، وہاں کی ہر خوشی کامل ہوگی، اس کے ساتھ خوف اور غم کا کوئی کاٹنا نہیں ہوگا

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وہاں انسان کو جو کچھ ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے نتیجے میں ملے گا، ہمیں کسی قسم کی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی، جنتی وہاں کی راحتیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ترانے گاتے پھریں گے۔ سورہ فاطر میں ہے۔

جَنَّاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا
رہنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے ان میں وہ سونے کے گنگن اور موتی
يُحَلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ
پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ان
ذَهَبٍ وَكُلُوبًا جِوَابًا
میں ریشم ہوگی اور وہ کہیں گے پاک ہے
فِيهَا حَرِيرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ
وہ جس نے ہم سے غم دور کر دیا، بیشک
لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ
ہمارا پروردگار گناہوں کا معاف کرنے
إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِي
والا ہے اور نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے
أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن
اور جس نے ہم کو اپنی مہربانی سے رہنے
فَضْلِهِ جَلَّا يَمَسُّنَا فِيهَا نِصَبٌ

وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا الْغُوبُ ۝
 کے گھر میں اُتارا اور ہم کو وہاں نہ مشقت
 پہنچی اور نہ اس میں ہم کو تھکنا ہے۔

جنت کی نعمتوں کے حصول میں اہل جنت کو نہ مشقت اٹھانی پڑے
 گی نہ محنت کرنی ہوگی نہ طعنہ نہ جھڑکی نہ گالی، نہ خون پسینہ بہانے کی ضرورت نہ راتوں
 کو جاگنے کی حاجت

وہ نعمتیں زحمت اور نجاست کے ہر پہلو سے پاک ہوں گی
 یہاں یہ حال ہے کہ اچھے سے اچھا خوشبودا مشروب پیا مگر پیٹ سے
 بدبودار پیشاب بن کر نکلتا ہے۔

بہترین پکی ہوئی غذا میں سڑا ہوا فضلہ بن جاتی ہیں۔
 زیادہ کھالیں تو کھٹے ڈکار، بدہضمی، پیٹ کی خرابی اور طرح طرح کی
 بیماریاں لگ جاتی ہیں، مگر جنت کی نعمتوں میں ان میں سے کوئی چیز بھی
 نہیں ہوگی۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-
 "کہ اہل جنت کھائیں گے اور پیں گے لیکن نہ تھوکیں گے، نہ
 وہاں بول و براز کی حاجت ہوگی، نہ ناک سے رطوبت نکلے گی،
 نہ بلغم نہ کوئی آلائش۔ کھانا ایک ڈکار میں ہضم ہو جائے گا، وہاں
 کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی، جو جنت میں داخل ہوگا
 اسے ایسی نعمت ملے گی کہ پھر کبھی تکلیف نہیں ہوگی نہ ان کے
 کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ان کی جوانی زائل ہوگی، وہاں
 غیب کا منادی پکار کر کہہ دیگا۔

یہاں وہ تند رستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے

وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہیں آئے گی

وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہوؤ گے۔

وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤ گے۔

لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکیں گے کوئی ستارے

کی طرح اور کوئی چودھویں کے چاند کی طرح۔ (صحیح مسلم)

غرضیکہ وہاں راحت ہی راحت

ہوگی، عیش ہی عیش ہوگی، آرام

راحت ہی راحت

ہی آرام ہوگا۔ وہ جو کسی نے جنت کی تعریف کی ہے کہ

بہشت آنجہا کہ آزارے نہ باشد

کسے را با کسے کارے نہ باشد

بہشت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی کے

ساتھ کوئی سروکار نہ ہو۔

جنت میں نہ کوئی تکلیف ہوگی نہ غم ہوگا، نہ نکلنے کا ڈر، نہ لغمتوں کے

ختم ہونے کا اندیشہ۔ سورہ حجج میں ہے :

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ نَه اس میں انہیں کوئی تکلیف چھوئے

وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ گی اور نہ وہ اس سے باہر نکالے جائیں گے

کسی قسم کی بے ہودہ اور جھوٹی گفتگو اور کالی گلوہج وہاں سنا نہیں

پڑے گا۔ سورہ واقعہ میں ہے :

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَه اس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں

وَلَا تَأْتِيهِمْ گے اور نہ گناہ کی۔

وہاں نہ گرمیوں کی تپش ستائے گی اور نہ ہی سرد ہواؤں کے تھپیرے

پریشان کریں گے۔ سورہ دہر میں ہے:-

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا
زَمْهَرِيرًا
گے اور نہ کڑا کے کی سردی

غرضیکہ جنت میں کوئی دکھ نہ ہوگا، کوئی
پریشانی نہ ہوگی، کوئی بیماری نہ ہوگی۔ نعمتوں

اور سامانِ راحت کی فراوانی ہوگی۔ ایسی ایسی نعمتیں جنت میں ہیتا ہوں گی جن
کا اس دنیا میں انسان شاید تصور نہ کر سکے۔

وہاں پاکیزہ اور صاف ستھرے مکان ہوں گے۔

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ
عَدْنٍ (سُورَةُ تَوْبَةِ)
اور رہنے کے باغوں میں صاف
ستھرے مکانات

وہاں تخت ہوں گے جن پر اہل جنت اپنی بیویوں کے ساتھ

کر خوش گپیاں کریں گے۔ سورہ یس میں ہے:

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى
الْأَرَائِكِ مُتَكُونُونَ
وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر
تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے۔

سورہ صافات میں ہے:

عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ
تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے ہوں گے)

اہل جنت ایسے بالاخانوں میں ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں

گی۔ سورہ النحل میں ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُؤْتَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ
اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے
نیک کام کئے ہم انہیں ضرور ہی جنت
عُرْفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے۔ ان کے

نیچے نہریں جاری ہوں گی

ماکولات و مشروبات | صرف پانی کی نہریں نہیں ہوں گی بلکہ پانی کے ساتھ

ساتھ دودھ کی، شراب کی اور شہد کی بھی نہریں ہوں گی۔ سورہ محمد میں ہے
 مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے
 الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی
 مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ طَوَّانٍ كِي نہریں ہیں جس میں بدلہ نہیں ہے
 مِنْ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ
 وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٌ بدلا ہوا نہیں ہے اور شراب کی نہریں
 لِلشَّارِبِينَ؟ وَأَنْهَارٌ مِّنْ ہیں جو پینے والوں کو لذت دینے والی
 عَسَلٍ مُّصَفًّى ہیں اور صاف کئے ہوئے شہد کی
 (سورہ محمد)

اہل جنت کو پینے کے لئے شراب پیش کی جائے گی مگر اس شراب کی لذت اور تاثیر دنیا کی شراب سے بالکل مختلف ہوگی۔ دنیا میں لوگ شراب پی کر بہک جاتے ہیں۔ اپنے آپ سے باہر ہو جاتے ہیں، کسی کو دیکھیں تو نشہ پی کر گندے نالے کے کنارے پڑا ہوتا ہے اور پرکھیاں بھینٹنا رہی ہوتی ہیں، آنے جانے والے ٹھوکر مارتے ہیں مگر کسی چیز کا ہوش نہیں ہوتا بعض لوگوں پر شراب پی کر ایسی مستی طاری ہوتی ہے کہ محرمات تک سے دست درازی کرنے لگتے ہیں، ہم نے ایسے ایسے واقعات بھی سنے اور پڑھے ہیں کہ شرابیوں نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے منہ کالا کیا۔ لیکن جنت کی شراب کے پینے سے نہ کوئی چہکے گا نہ اپنے آپ سے باہر ہوگا۔

نہ ہوش ہوگا نہ خمار ہوگا، نہ سر درد ہوگا۔ جنت کی شراب ہر قسم کے بُرے اثرات سے پاک ہوگی۔ اگرچہ وہاں کسی قسم کی ملاوٹ کا اندیشہ نہیں اسکے باوجود وہاں کی شراب مہربند ہوگی، سورہ مطففین میں ہے :-

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ
خِمْتُهُ مِسْكَ طَوْفِي ذَلِكَ
فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝
انہیں مہر لگی ہوئی شراب پلائی جائے گی جس کی مہر مشک ہوگی اور اس میں حرص کرنا چاہیے حرص کرنے والوں کو۔
سورہ صافات میں ہے :-

لَا فِيهَا عَمَلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا
يُنزِفُونَ ۝
نہ اس (شراب) میں خرابی ہے اور نہ وہ اس سے بہودہ بکیں گے۔

وہاں کھانے کے لئے ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے، کھجوریں بھی ہوں گی، انار بھی ہوں گے، کیلے بھی ہوں گے، وہاں کے پھلوں کا ذائقہ اور لذت دنیا کے پھلوں سے مختلف ہوگی۔ اہل جنت جو تسا پھل پسند کریں گے فوراً ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔

سورہ واقعہ میں ہے :-

وَفَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝
اہل جنت کو ریشم کا لباس اور سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے
سورہ حج میں ہے :-

يُحَلَّلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ
ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَّلِبَاسُهُمْ
فِيهَا حَرِيرٌ ۝
وہ اس میں سونے کے کنگن اور موتی کا لباس ریشمی ہوگا۔

حُورٌ وَّغُلَّامٌ | جنت والوں کی بیویوں کا حسن ایسا ہوگا

کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی، پھر دنیا میں عورت کتنی بھی حسین کیوں نہ ہو۔ وہ نسوانی امراض اور بشری کمزوریوں سے پاک نہیں ہو سکتی، کبھی حیض ہے، کبھی نفاس ہے، کبھی سردرد ہے، کبھی نزلہ کھانسی ہے اور کبھی بخار ہے، لیکن جنت میں دی جانے والی حوریں ہر قسم کی بیماری اور نجاست سے پاک ہوں گی، ان کا ظاہر بھی پاک ہوگا اور باطن بھی پاک ہوگا۔ ان کے دل میں اپنے شوہر کے سوا کسی کی محبت نہیں ہو گی، انہیں کسی دوسرے ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا، ان کے حسن کی تابانی مویں کو شرمناہی ہوگی۔ سورہ رحمن میں ہے :-

فِيهِنَّ قِصْرَاتٌ اَلطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهِنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ هَ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكذِّبَانِ ه كَانَتْهِنَّ اَيَّا قُوْتٍ وَ الْمَرْجَانِ ه

ان (جنتوں) میں نظر نیچی رکھنے والی ہیں ان سے پہلے ان کے نزدیک نہ کوئی انسان ہوا ہے اور نہ کوئی جن، پس اے جنو اور انسانو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت جھٹلاؤ گے گویا وہ یاقوت اور مونگے ہیں،

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ

روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے بہتر ہے اور اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت زمین کی طرف جھانک لے، تو ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کے درمیان کا حصہ سب روشن ہو جائے اور ان دونوں کے درمیان خوشبو مہک

جائے اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ اس میں

ہے، سب سے بہتر ہے۔“

خدمت اور چاکری کے لئے وہاں ایسے خوب برد اور مستعد لڑکے

ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، سورہ دہر میں ہے :-

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا
اور ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے
گشت کرتے ہوں گے جب تو انہیں دیکھے
گا تو انہیں بکھرے ہوئے موتی خیال کریگا

دارالسلام | جنت کی نعمتوں میں سے ایک خاص نعمت
جس کا ذکر رب کریم نے قرآن کریم میں کیا

ہے وہ یہ کہ وہاں امن ہوگا اور سلامتی ہوگی۔

امن اور سلامتی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور بدامنی اور

خوف اس کا بہت بڑا عذاب ہے

اہل جنت کو حکم ہوگا :-

أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَمِينٍ هـ اس (جنت) میں سلامتی سے امن کے

(سورہ حجرت) ساتھ داخل ہو جاؤ۔

جنت میں ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آ رہی ہوں گی، رَبُّ

العالمین خود انہیں سلام کہلائے گا۔ سورہ یسین میں ہے :

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ الرَّحِيمِ (انہیں) پروردگار مہربان کی طرف سے

(سورہ یسین) سلام کہا جائے گا۔

فرشتے جنت والوں کو سلام کہنے کے لئے حاضر ہوں گے۔ سورہ

رعد میں ہے :-

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ
عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ه
اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے
داخل ہوں گے اور کہیں گے کہ تم
پر سلام ہو اس لئے کہ تم نے صبر کیا تھا
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ه

سو آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے

اعراف والے بھی جنتیوں کو سلام کہیں گے۔ سورۃ اعراف میں ہے
وَنَادُوا اصْحَابَ الْجَنَّةِ اَنْ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا
وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ه
وہ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر
سلام ہو وہ اس (جنت) میں داخل
نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ امید رکھتے
ہوں گے۔

(سورۃ اعراف)

خود جنتی بھی آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلام کہیں

گے۔ سورۃ یونس میں ہے :-

دَعَاؤُهُمْ فِيهَا بُحْبُكَةٌ
اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا
سَلَامٌ ط

اس میں ان کا قول ہوگا کہ اے اللہ
تو پاک ہے اور اس میں ان کی دعاء
سلام ہوگی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام علیکم کہنا اہل جنت کا یہ رہ ہے
افسوس ہے کہ آج کل کئی مسلمان بھی اسلام علیکم کہتے ہوئے شرتاتے ہیں۔

کوئی صبح بخیر کہہ رہا ہے

کوئی گڈ مارننگ کہتا ہے۔

کوئی ویسے ہی ہندوؤں کی طرح "نمستے" کے انداز میں ڈورہی سے

ہاتھ جوڑنا شروع کر دیتا ہے۔

کوئی سر جھکا کر لکھنوی انداز میں آداب آداب کہہ کر اپنے مہذب

ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یاد رکھیے کہ اسلام نے صرف "السلام علیکم" کہنے کی تلقین کی ہے۔ یہ محبت کا اظہار بھی ہے اور ایک دوسرے کے لئے سلامتی کی دُعا بھی، سلام کرنے سے اجر و ثواب ملتا ہے اور معاشرے میں امن و سکون کا دور دورہ ہو جاتا ہے،

جنت کے چند مزید نام | میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جنت میں امن اور سلامتی ہوگی،

اور ہر طرف سے سلام، سلام کی آوازیں آئیں گی، اسی لئے جنت کا ایک نام قرآن کریم میں "دارالسلام" بھی آیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی جنت کے کئی نام قرآن کریم میں آئے ہیں۔

اسے جنت النعیم بھی کہا گیا ہے یعنی نعمتوں کا باغ کیوں کہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی۔

اس کا نام جنت الخلد بھی ہے یعنی ہمیشگی کا باغ، کیونکہ وہاں کی ہر چیز دائمی ہوگی۔

اسے دارالمقامۃ بھی کہا گیا ہے یعنی قیام کا گھر کیونکہ اصل قیام تو وہیں ہوگا۔ دنیا میں تو مؤمن کا قیام عارضی ہے۔

وہ جنت عدن بھی ہے، جنت المادی بھی ہے، فردوس بھی ہے، روضہ بھی ہے۔ اس کے بہت سارے نام ہیں اور ہر نام اسی ایک مرکزی نکتے کو ثابت کرتا ہے کہ وہاں ہر نعمت اور ہر خوشی میسر ہوگی اور ان نعمتوں اور خوشیوں کو زوال نہیں ہوگا۔

سب سے بڑی نعمت | یوں تو جنت کی ہر نعمت ایسی ہوگی کہ دنیا میں اس کی کوئی

مثال پیش نہیں کی جا سکتی، لیکن ایک نعمت ایسی ہوگی کہ خود جنت میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ہوگی۔

نہ حورو و غلمان اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔

نہ دودھ اور شہد کی نہریں اس کا مقابلہ کر سکیں گی۔

نہ ماکولات اور فواکہ اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔

اور وہ نعمت ہوگی اللہ کی رضا مندی

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا مندی

(سورہ توبہ) بڑی چیز ہے۔

جب اللہ تعالیٰ خود فرمائیں گے کہ میں تم سے راضی ہوں تو وہ لمحہ مؤمنوں کے لئے حسین ترین لمحہ ہوگا۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی

رہتا ہے، بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو ہر وقت خوف رہتا ہے، کہ کہیں ہم سے کوئی ایسی حرکت نہ سرزد ہو جائے، جس سے سارے کٹے کر لٹے پر پانی پھر جائے اور وہ کائنات کا بادشاہ ہم سے روٹھ جائے کیونکہ سچی محبت کرنے والوں کے دل و دماغ پر ہمیشہ یہ خیال چھایا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

لیکن جنت میں جانے کے بعد یہ وسوسہ اور خیال ہمیشہ کے لئے مختتم ہو

جائیگا، اس دن اللہ اپنے بندوں کو اپنی رضا مندی کی لازوال دولت عطا

فرمائے گا اور ان سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو آواز دینگا کہ اے جنت والو! وہ جواب دیں گے اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ سب بھلائیاں تیرے پاس ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا آج تم (جنت کی نعمتیں پا کر) خوش ہوئے ہو؟ وہ عرض کریں گے، ہم کیوں خوش نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا، اللہ فرمائے گا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ دوں جو ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے؟ وہ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا (وہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے) کہ میں تم پر اپنی رضامندی اور خوشی اتار دوں، پھر اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

اس کے بعد اہل جنت کو مقامِ قرب حاصل ہوگا اور وہ جنت کی سب سے آخری نعمت

مقامِ قرب

سے سرفراز ہوں گے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ کریں گے۔

آج ہم میں سے کوئی بیداری کی حالت میں اس تجلی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ عام لوگوں کو تو چھوڑیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی نے بھی اس تجلی کے نظارہ کی درخواست کی تو صاف کہہ دیا گیا کہ اے موسیٰ! تم اس نظارے کی تاب نہیں رکھتے، لیکن قیامت کے دن آنکھوں میں ایسی طاقت دے دی جائے گی کہ اس نورِ مطلق کا نظارہ کیا جاسکے گا۔ سورہ قیامت میں ہے:-

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۝
إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝
کتنے چہرے اس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ اپنے پروردگار کو صاف

صاف دیکھو گے، ایک روایت میں آتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں بھیڑ بھاڑ نہ کرو گے۔

میرے بزرگو اور دوستو! تفصیل کا موقع نہیں

اشکالات

میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کتاب سنت کی روشنی میں کر دیا ہے۔ آخر میں یہ بھی عرض کر دیا کہ بہت سے ذہنوں میں جنت کے بارے میں اشکالات پیدا ہوتے ہیں کئی سائنسدان اور پڑھے لکھے جاہل کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا ہے، جنگلوں میں گئے ہیں، سمندروں کا سفر کیا ہے۔ پہاڑوں کا نظارہ کیا ہے، ہمیں تو کہیں بھی جنت اور دوزخ دکھائی نہیں دی۔

آپ ان سائنسدانوں سے پوچھئے کیا آپ نے ساری کائنات دیکھ لی ہے؟ کیا آپ نے سمندروں کی گہرائیوں اور فضا کی وسعتوں کا پوری طرح مشاہدہ کر لیا ہے؟

کیا آپ نے تمام سیاروں کی سیر کر لی ہے؟

یہ بات سائنسدان ہی بتاتے ہیں کہ یہ کائنات پانچ سو ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ ایک ملین دس لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں کروڑوں کہکشاؤں ہیں اور ہر کہکشاؤں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش سیارے پائے جاتے ہیں، گویا ربوں کھریوں سیارے ہیں اور انسان نے تو ابھی زمین سے باہر صرف چاند پر قدم رکھا ہے اور چاند کو بھی انسان پوری طرح دیکھ نہیں پایا۔ وہاں جاتا ہے اور تحقیق کے لئے کچھ ٹکڑے

لے کر بھاگ آتا ہے۔

ذرا اس کمزور انسان کے ناقص علم اور ناقص مشاہدے کو دیکھیں اور پھر اس کے دعووں کے پہاڑ کو دیکھیں، کہتا ہے میں نے کائنات کا کو نہ کو نہ چھان مارا ہے، مجھے کہیں جنت اور دوزخ دکھائی نہیں دی۔

اے ظالم! اربوں کھربوں سیاروں میں سے صرف ایک سیارے پر تو نے ادھورا سا قدم رکھا ہے اور دعوے یہ کر رہا ہے کہ میں نے خدا کی ساری خدائی دیکھ لی ہے۔

کتنا جھوٹا ہے تو اور کیسے بے بنیاد دعوے کرتا ہے تو!

بعض لوگ وہ ہیں جو معاذ اللہ، مالک کائنات اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں وہ بیچارے سمجھتے ہیں کہ ہمیں خالص شہد کی ایک بوتل نہیں ملتی۔ جنت میں شہد کی نہر کہاں سے آئے گی۔

ہم تو چند کلو خالص دودھ کے لئے ترس جاتے ہیں وہاں دودھ کی نہریں کیسے بہیں گی۔

یہاں چند تولے سونا بڑی مشکل سے ملتا ہے وہاں سونے چاندی اور موتیوں کے مکانات کیسے بن جائیں گے۔

ان نادانوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے وہ شکم مادر ہی کو اپنی کائنات اور عیش و راحت کی جگہ سمجھتا ہے، اُسے اگر بتایا جائے کہ جب تم یہاں سے باہر نکلو گے تو ایک وسیع و عریض دنیا تمہیں دیکھنے کو ملے گی، جہاں لمبے چوڑے بازار اور سڑکیں ہوں گی، فلک بوس عمارتیں ہوں گی۔

گاڑیاں، ہوائی جہاز اور ٹرک ہوں گے۔

پھلوں اور پھولوں سے لے پھندے باغات ہوں گے۔ تو وہ ان معلومات کے فراہم کرنے والے کو پاگل اور بے وقوف قرار دے گا اور صاف کہہ دے گا کہ ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے، جو کچھ ہے وہ یہی پیٹ ہے اور خورد و نوش کا سامان بس وہی ہے جو یہاں میسر ہے۔

یا ان کی مثال کنوئیں کے اس مینڈک کی سی ہے جو کنوئیں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور کنوئیں سے باہر کی دنیا کا انکار کرتا ہے۔

ارے اللہ کے بندو! اللہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو، اس کی قدرت کی

کوئی حد نہیں، اسکے خزانوں کا کوئی شمار نہیں،

جس دنیا میں تم رہتے ہو، ایسی اربوں کھربوں دنیا میں وہ پیدا کر سکتا ہے

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے پیدا کی ہوئی ہیں۔ مگر انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ان دنیاؤں کا اب تک مشاہدہ نہیں کر سکا۔

میرے بزرگو اور دوستو! کافر اور مشرک اشکال کرتے ہیں تو کرتے

رہیں، ہم تو مسلمان ہیں، ہمیں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

ایک خبر پر ایک ایک بات پر ایک ایک وعدے پر ایک ایک وعید پر

سچا یقین ہونا چاہیے اور اس یقین کا تقاضا ہے کہ ہم وہ راستہ اختیار کریں جو

جنت کی طرف جاتا ہے۔

ہم وہ اعمال کریں جو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

انشاء اللہ آئندہ نشست میں آپ کے سامنے وہ اعمال ذکر کئے جائیں گے،

جو جنت میں لے جانے والے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ بن لوگوں کو

جنت کا اور جنت میں لے جانے والے اعمال کا یقین تھا ان کا کیا حال تھا۔

جنت میں لے جانے والے اعمال | پچھلے جمعہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ

حضرات کی خدمت میں جنت میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کیا جائیگا چنانچہ آج کی نشست میں انتہائی اختصار کے ساتھ ایسے چند اعمال ذکر کئے جا رہے ہیں جو ہمیں جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

میں صرف چند اعمال کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ورنہ حقیقت میں ایسے اعمال سینکڑوں ہیں جو ہمیں جنت کا حقدار بنا سکتے ہیں۔ اصل بات تو وہ ہے جو ایک فارسی مجاورہ میں کہی گئی ہے کہ رحمتِ خدا بہانہ سے جوید و بہانے جوید۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے، مال و دولت تلاش نہیں کرتی، اس کی رحمت بے پایاں کا اندازہ کیجیے کہ راستہ سے پتھر ہٹا دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

کوئی مناسب بات کہہ کر دو روٹھے ہوئے بھائیوں کی آپس میں صلح کرادی جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

اس کے عذاب کے خوف سے آنسوؤں کے دو قطرے بہا دیئے جائیں تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

اہل اللہ سے محبت کی جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

کسی بھوکے انسان کو کھانا کھلا دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔

یہاں تک کہ اگر پیاسے کتے کو پانی پلا دیا جائے تو بھی وہ خوش ہو جاتا ہے

کتنے ہی نیکی کے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جنہیں ہم شاید کچھ اہمیت نہ

دیتے ہوں لیکن ذہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ہمیں جنت میں لے جانے والے

بن سکتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-
لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا نِيكِي كَمَا كَانَتْ كَوَافِرًا يَسْمَعُونَ

تو ایسے اعمال تو بے شمار ہیں جن سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جن کی وجہ سے
انسان جنت میں جانے کا حقدار ہو جاتا ہے مگر وقت کی قلت کے پیش نظر
میں ان میں سے محض چند اعمال کے ذکر کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے
اور آپ سب کو ان اعمال کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن کریم میں سب سے زیادہ جین چیز
پر زور دیا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح ہے

ایمان اور عمل صالح

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے
نیک عمل کئے ان کو خوشخبری سنائی جائے
کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے
نہریں بہ رہی ہوں گی۔

سورہ مؤمنون میں ہے :-

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيمٌ
پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے
نیک عمل کئے، ان کے لئے بخشش ہے؛
اور عزت کی روزی،

ایمان اصل ہے اور عمل صالح اس کی فرع ہے۔

ایمان جڑ ہے اور اعمال صالحہ اس درخت کی شاخیں اور پھل و پھول ہیں
ایمان بنیاد ہے اور عمل صالح اس پر تعمیر ہونے والی خوبصورت عمارت ہے
ایمان کے بغیر عمل کا درخت سر نہیں رہ سکتا اور عمل کے بغیر ایمان ایسا درخت

ہے جو برگ و بار سے خالی ہے۔

ایمان سے دل کی اصلاح ہوتی ہے اور جب تک دل کی اصلاح نہ ہو اعمال کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور جب دل درست ہو جاتا ہے تو سارے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔

اگر دل میں ایمان جڑ پکڑ لے اور انسان خلوص دل سے ایمان قبول کر لے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے عمل صالح کا موقع نہ بھی ملے تو بھی مؤمن کو جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے

مسلم شریف میں روایت ہے، حضرت
ایمان کی اہمیت | براہین عازب رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ بنو نبیت جو کہ انصار کا ایک قبیلہ ہے، اس کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر آگے بڑھا اور اس نے جہاد میں حصہ لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

عَمِلَ هَذَا اَيْسِيْرًا وَّ اَجْرًا
 بہت زیادہ اجر دیا گیا ہے۔

ایمان قبول کرنے سے اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے، نہ نماز پڑھی نہ روزہ رکھا نہ حج کیا نہ صدقہ و خیرات کیا اور وہ جنت میں داخل ہونے کا حقدار ہو گیا۔ ایمان نے اسے جنت میں داخل کر دیا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی قدر کریں

ایمان کی عظمت کو پہچانیں، ایمان کی اہمیت کو محسوس کریں، اگر ہمارے پاس ایمان ہے تو ہمارے پاس بہت بڑی دولت ہے۔
 ایسی دولت جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہو سکتی۔

ایسی دولت جس سے ہمیں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے
ایسی دولت جس سے جنت خریدی جا سکتی ہے۔

ایسی دولت جس پر ساری دولتیں بلکہ جان تک بچھاوڑ کی جا سکتی ہے
مگر کسی چیز پر بچھاوڑ نہیں کیا جا سکتا۔

اور اگر ہمارے پاس ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہم دنیا کے سب سے بڑے کنگلے انسان ہیں اگرچہ ہمارے پاس
کوٹھی ہو، کار ہو، مال و دولت ہو۔۔۔ یہ چیزیں کوئی حیثیت
نہیں رکھتیں اگر ایمان نہ ہو،

ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ہونا چاہیے، دل میں ایمان کی جڑیں
جتنی گہری ہوں گی، اتنی ہی زیادہ اعمال کی توفیق ملے گی، اور اگر ہمارے
ایمان کے ساتھ کبھی قسم کا تعلق ہو تو اول تو اعمال کو دل ہی نہیں چاہتا
اور اگر بالفرض کوئی کر ہی لے تو ان میں جان نہیں ہوتی۔

آپ بار بار سن رہے ہیں کہ قرآن نے ایمان کے
عمل صالح

ساتھ عمل صالح کو بھی ذکر کیا ہے۔ آپ ضرور سوچیں

گے کہ آخر عمل صالح ہے کیا؟

اگر میں تفصیل میں جاؤں تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ ایک اصولی
بات عرض کرتا ہوں جس سے آپ کو عمل صالح کی حقیقت معلوم ہو جائے گی
ہر وہ عمل جو اللہ کی رضا کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق
کیا جائے۔ وہ عمل صالح ہے۔ اس اصول کے مطابق نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ
تو ظاہر ہے۔ اعمال صالح ہیں لیکن اگر زراعت، تجارت، ملازمت اور
بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی بھی اسی جذبہ کے ساتھ کی جائے تو یہ بھی عمل صالح

ہوں گے۔

اور اگر نماز، روزہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر نہ ہو تو یہ بھی عمل صالح نہیں ہے، عمل فاسد بن جاتے ہیں، نیت کا رُخ بدلنے سے عبادت معصیت بن جاتی ہے اور بعض مباح کام عبادت بن جاتے ہیں۔

اپنے پاس گھڑی رکھنا ایک مباح کام ہے لیکن اگر اس سے مقصد یہ ہو کہ نماز کے اوقات کا خیال رہے گا تو گھڑی کا رکھنا بھی نیک عمل شمار ہوگا۔ کھانا پینا، ورزش کرنا اور ہلکی پھلکی تفریح کرنا مباح عمل ہے لیکن اگر دل میں نیت یہ ہو کہ اس سے عبادت میں تقویت حاصل ہوگی، تو یہ سب نیک عمل ہوں گے۔

لوگوں کو سایہ پہنچانے کی غرض سے درخت لگانا، انسانیت کی خدمت کی نیت سے ڈاکٹر بننا، سائنس کے میدان میں دشمنانِ دین کا مقابلہ کرنے لئے سائنسی تحقیقات کرنا، کفر کو شکست دینے کے لئے ہتھیار بنانا، یہ سب نیک کام ہوں گے۔

دیکھیے نیت کے درست ہونے سے وہ کام جو بظاہر عبادت نہیں ہیں وہ بھی عبادت بن جاتے ہیں اور اگر نیت میں گڑبڑ ہو تو پھر عبادت بھی عبادت نہیں رہتی بلکہ معصیت بن جاتی ہے۔

کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، حج اور عمرے کرتا ہے صدقہ و خیرات کرتا ہے مگر دل میں اللہ کی رضا کا جذبہ نہیں، بلکہ بیکاری اور دکھاوے کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے تو اس کی نماز محض اٹھک بیٹھک ہوگی۔

اس کا روزہ خالی خولی بھوک پیاس ہوگا

اس کے حج و عمرے سیر و سیاحت ہوں گے۔
اس کا صدقہ و خیرات نرا انفاق اور اسراف ہوگا۔

حقوق العباد کی ادائیگی | جنت میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک اہم عمل

حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہے۔ یتیموں اور بیواؤں کی مدد، والدین کی خدمت، اہل و عیال پر خرچ کرنا اور پڑوسی اور مسافر سے اچھا سلوک کرنا، یہ سب اعمال جنت میں لے جانے والے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ مِثْلُ أُمَّةٍ مِّنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ
هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ فِي اسْمِ ابْنِ مَرْثَدَةَ
وَالْوَسْطَى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا
میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ کہہ کر اپنے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ فرمایا۔

بیواؤں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے کے بارے میں صحیح بخاری اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”جو شخص کسی بیوہ یا کسی مسکین کے لئے کوشش کرے، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے نماز میں کھڑا ہو اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ نہ چھوڑتا ہو، بتلائیے اس سے بڑا اجر و ثواب

کیا ہو سکتا ہے کہ بیواؤں اور مسکینوں کی خدمت میں مصروف شخص کا ہر لمحہ عبادت میں گذرتا ہے اور وہ اللہ کے ہاں مسلسل نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والا شمار ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں والدین کی خدمت کی متعدد مقامات پر تاکید کی گئی ہے اور احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ عمل کون سا پسند ہے، آپ نے فرمایا:-

”وقت پر نماز ادا کرنا“

میں نے پوچھا اسکے بعد کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا:-

”والدین کے ساتھ حسن سلوک“

میں نے پوچھا، پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا:-

”اللہ کے راستے میں جہاد“

اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر تو سارے کام چھوڑ کر جہاد میں جانا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اگر جہاد فرض عین نہ ہو اور والدین کی خدمت کی ضرورت بھی ہو تو پھر ان کی خدمت کرنا ضروری ہوگا۔ اہل دعیال پر خرچ کرنا ہر شخص اپنا فرض سمجھتا ہے اور عام طور پر اسے کوئی ایسا کام نہیں سمجھا جاتا جس پر اجر و ثواب حاصل ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر و ثواب سے نوازتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِنَّكَ لَنْ تَنْفِقَ نَفَقَةً تَبْغِيْ جَوْكُوْنِيْ خَرَجَ تَمَّ اللّٰهُ كِيْ خَوْشَنُوْدِيْ حَاسِل

بِهَا وَجَهَ اللَّهُ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا كَرْنِي كِي لئِي كُرُو، اس ٲر تمھيں ثواب
حَتَّى مَا تَجْعَلُ بِهَا فِي فِي مَلَا هِي، يهاں تِك كِي كُو كھا نا تم اپني
إِمْرَاتِك بيوي كِي منہ ميں ڈالو اس ٲر يھي۔

جنت ميں لے جانے والے اعمال ميں سے ايک
خدمت | خدمت يھي هے، جو شخص اس دنيا ميں اللہ كِي رضا

كے لئے خادم بنتا هے، وه انشاء اللہ قيامت كے دن مخدوم بنے گا۔

آج كا غلام كل كا آقا هوگا۔

آج جو دوسروں كو نوازتا هے، كل اسے نوازا جائے گا۔

آج جو دوسروں كو خوش كرتا هے كل اس كو خوش كيا جائے گا۔

خدمت كِي مختلف صورتیں هو سكتي هيں، بيار كِي عيادت كرنا، راستے

سے تكليف ده چيز كا هٹا دينا، كمزور نگاه والے كِي رهنمائي كرنا، ضرورت مند

كِي ضرورت ٲوري كر دينا، ٲيا سے جانور كو ٲاني ٲلا دينا يه سب خدمت هي كے

مختلف شعبے هيں۔

ترمذی ميں حضرت ابو هريره رضی اللہ عنہ سے روايت هے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا

لَهُ فِي اللَّهِ نَادَاهُ مُنَادٍ طَبَّتْ

بِهَا كِي زيارت كرتا هے تو ايک ٲكارتے

والا ٲكارتے هے، تم يھي مبارك هو اور

تمھارا چلنا يھي مبارك هے اور تم نے

جنت ميں اپنا ٹھكانہ بنا ليا هے۔

یہ تو صرف عبادت اور ملاقات کرنے کا اجر و ثواب ہے، اور اگر اسکے ساتھ ساتھ بیماری کے اخراجات کے سلسلہ میں اس کے ساتھ تعاون بھی کرے تو ظاہر ہے کہ یہ نورِ علیٰ نور ہو گا۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مسلمان سے پیار ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان سے اللہ کو خوش کرنے کے لئے پیار کرتا ہے یا اس کے کام آتا ہے یا اس کی دل جوئی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی پیار کرتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک شخص کو مزے کرتے ہوئے دیکھا اس لئے کہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جو مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتا تھا۔

کسی بھولے بھٹکے کو راستہ دکھا دینا، کسی کمزور نظر والے یا نابینا کو سڑک پار کر دینا یا اسے گھرتک پہنچانے میں اس کی راہ نمائی کر دینا بھی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے فرمایا۔ راستے میں نہ بیٹھو اور اگر ایسا کرنا ہی ہے، تو سلام کا جواب دو اور نگاہ کو پست رکھو اور راہ نمائی کرو، اور سواری اور بار برداری میں لوگوں کی اعانت کرو، (کشف الاستار)

ابو تمیمہ جہمی رضی اللہ عنہ سے ایک جامع حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نیکی کو بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، چاہے تو تم رسی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دو، چاہے جو تے کا ایک تسمہ ہی کیوں نہ دو، چاہے تم اپنے ڈول میں سے

اپنے بھائی کے برتن میں پانی کیوں نہ ڈال دو، چاہے لوگوں کی گذرگاہ سے تکلیف پہنچانے والی چیز ہی کیوں نہ ہٹا دو، چاہے تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے کیوں نہ مل لو، خواہ تم اپنے بھائی سے جب ملو تو اسے سلام ہی کیوں نہ کر لو، خواہ تم حیران و پریشان کو اپنے سے مانوس کیوں نہ کر دو، اور اگر تم میں کوئی عیب دیکھ کر کوئی شخص برا بھلا کہے تو اس میں خرابی اور عیب جاننے کے باوجود اسے بُرا نہ کہنا تمہیں اجر کا مستحق بنا دیگا۔ اور اس بدگوئی کا گناہ ہی پر ہوگا اور جو بات تمہارے کان سننا پسند کریں، اس پر عمل کرنا اور جس کو تمہارے کان سننا پسند نہ کریں اس سے بچنا (یہ سب نیکی کے کام ہیں) مُسند احمد

بظاہر یہ کتنے چھوٹے چھوٹے سے کام معلوم ہوتے ہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سب نیکی کے کام ہیں۔

اچھے اخلاق | اچھے اخلاق بھی ان اعمال میں سے ہیں جو انسان کو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں، تمدنی

شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان من احبکم الیّ واقربکم منیّ مجلساً یوم القیامۃ
 اقربکم اخلاقہ
 تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجلس میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

اچھے اخلاق میں سرفہرست صبر ہے جو کئی صفات کا منبع اور مرکز ہے اور صبر کرنے والوں کا ٹھکانہ آخرت میں جنت ہوگا۔ سورہ فرقان میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں

کا اور ان کی صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آخر میں ہے :-

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً
وَسَلَامًا ه

دعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال ہوگا

یاد رکھیے کہ صبر بزدلی کا نام نہیں بلکہ گناہوں سے رُک جانا اور

نیکی پر قائم رہنا صبر ہے

کسی عزیز کی جدائی پر آپ سے باہر نہ ہونا صبر ہے

میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا صبر ہے۔

ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر اپنے مقصد پر جمے رہ کر کامیابی کا انتظار کرنا صبر ہے

برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کر دینا صبر ہے۔

یہ تمام باتیں صبر کے مفہوم میں داخل ہیں اور یہی صبر کرنے والے ہیں

جو برائی کی طرف خواہش کے باوجود اپنے آپ کو روک لیتے ہیں۔

جو راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے سز سجد ہو جاتے ہیں

جو حسن و جمال کی بے قید لذتوں سے اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں۔

جو ضرورت کے باوجود حرام دولت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے، جس سے صبر کا مفہوم

سمجھ میں آسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

حُجِبَتْ (جُفَّتْ) الْجَنَّةُ جَنَّتِ نَاخُوشِي كَامُوں اور دوزخ

بِالْمَكَارَةِ وَحُجِبَتْ (جُفَّتْ) نَفْسَانِي لَذتُوں كَامُوں سے ڈھانپی

النَّارِ بِالشَّهْوَاتِ گئی ہے۔

سورہ فرقان کی جو آیت کریمہ بھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے

اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں۔ ان سب کا حاصل بھی وہی ہے جو صبر کا مفہوم ہے اور جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی نیک کاموں کو تکلیف اور مشقت کے باوجود کرتے رہنا اور بُرے کاموں میں لذت ہونے کے باوجود ان سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا۔

جنت میں لے جانے والے کام وہ ہیں جو عام طور پر نفس پر بڑے مشکل اور شاق ہوتے ہیں اور جہنم میں لے جانے والے اعمال وہ ہیں جن کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور ان میں نفس کو بڑی لذت محسوس ہوتی ہے۔

شکر بھی ان اخلاق میں سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ شکر کرنے والے کو

اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا، سورہ نساء میں ہے :-

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ
شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ
اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کریگا، اور اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

شکر کرنے پر دنیاوی نعمتوں میں بھی برکت دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ شکر کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا۔ سورہ ال عمران میں ہے :-

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝ اور ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

سچائی اور ایفائے عہد سے سچائی اور ایفائے عہد سے بھی جنت ملتی ہے

سورۃ المائدہ میں ہے :-

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ
 الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ طَهُمُ
 جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ
 اور وہ اللہ سے خوش۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ایسے اعمال بتائے
 ہیں، جن کی پابندی کرنے والے کے لئے آپ نے جنت کی ضمانت لی ہے حضرت
 عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا:-

اِضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ
 اِضْمَنُوا لَكُمْ الْجَنَّةَ : أَدُّوا
 إِذَا اتُّخِمْتُمْ وَأَوْفُوا إِذَا
 عَاهَدْتُمْ وَاصْدُقُوا إِذَا
 حَدَّثْتُمْ وَاحْفَظُوا فُرُجَكُمْ
 وَغَضُّوا أَبْصَارَكُمْ وَكَفُّوا
 أَيْدِيَكُمْ (شعب الایمان للبیہقی)

تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو، میں
 تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں جب
 تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے
 تو اسے ادا کرو، جب کسی سے کوئی معاہدہ
 کرو تو اس کو پورا کرو، جب بات کرو تو
 سچ بولو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
 کرو اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنے
 ہاتھوں کو (دوسروں کو تکلیف پہنچانے
 اور گناہ کرنے سے) روکو

طبیعت میں نرمی اور مزاج میں لطافت اور تواضع کا
 ہونا ایسا خلق ہے جو اللہ کو بڑا پسند ہے، وہ شخص جو

نرم خوئی

لوگوں سے نرم لہجے میں بات کرتا ہے۔ خرید و فروخت میں نرم رویہ اختیار

کرتا ہے، کسی سے غلطی ہو جائے تو معاف کر دیتا ہے کوئی عیب دیکھتا ہے، تو پردہ پوشی کرتا ہے، کسی تنگ دست کو دیکھتا ہے تو اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے،
ایسا شخص اپنی اسی نرم خوئی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا محبوب

اور پیارا بن جاتا ہے

إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَاللَّهُ تَعَالَى
وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالًا نَزْمِي كَمَا مَعَانِدُ كَرْتَمَ وَلَمْ هِيَ أَوْ زَرْمِي
يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا يُعْطَى كَمَعَالِي كُو لِسِنْدُ فَرَمَاتِي هِيَ أَوْ زَرْمِ خُونِي
عَلَى مَا سِوَاهُ
پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو سختی پر نہیں

دیتے (بلکہ) کسی اور چیز پر بھی نہیں دیتے

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اُس کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ لایا جائیگا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو وہ کہے گا "میرے پروردگار آپ نے مجھے مال دیا تھا، میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کیا کرتا تھا اور میری عادت درگزر کرنے کی تھی، چنانچہ مالدار کے لئے آسانی پیدا کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "میں اس طرز عمل کا تم سے زیادہ مستحق ہوں" پھر آپ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو" (صحیح مسلم)

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

جو شخص کسی تنگ دست (مقروض) کو مہلت دے یا اس کو قرضے

میں رعایت - اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رکھیں گے جب کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔
 اور صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی بے چینیوں سے اس کو نجات عطا فرمائیں اس کو چاہیے کہ وہ کسی تنگ دست کی مشکل آسان کرے یا اس کے قرضے میں رعایت دے“

مسلمان کے بھائی کے عیب پر پردہ ڈالنے والے کے بارے میں صحیح مسلم میں
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ارشاد فرمایا :-

لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا جَوْ كَوْنِي بِنْدَةٍ كَسَى دُونَ بِنْدَةٍ كِي پَرْدِه
 إِلَّا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن
 اس کی پردہ پوشی فرمائے گا

جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ ان سارے اعمال کے
جہاد بیان کا موقع نہیں جو جنت میں لے جانے والے ہیں فقط

چند اعمال آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ اب ان میں سے آخری عمل کو
 بیان کر کے اس بات کو سمیٹنا چاہتا ہوں اور یہ وہ عظیم عمل ہے جو اسلام اور
 مسلمانوں کی عزت اور سربلندی کا ضامن ہے۔ لیکن آج ہم نے اجتماعی طور پر
 اس عمل کو چھوڑ رکھا ہے اور اسی بنا پر آج دنیا بھر میں ہم ذلیل و خوار ہیں

کشمیر میں ہم پٹ رہے ہیں

بوسنیا میں ہمارا نام و نشان مٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

انڈیا میں ہم جو روجفا کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔

چھینیا میں ہمیں تہ تیغ کیا جا رہا ہے۔

دنیا کا کون سا خطہ ہے جو ہمارے خون سے رنگین نہیں۔

وہ کون سا شہر اور کون سا گلی کوچہ ہے جہاں سے ہماری ماؤں بہنوں

کی آہیں اور سسکیاں نہیں اُٹھ رہیں۔

یقیناً اس کی بہت ساری وجوہات ہیں لیکن ایک بہت بڑی وجہ

ترک جہاد بھی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی جہاد میں گزری، آپ نے

اپنے مرض و فوات میں جیشِ اُسامہ کو جہاد کے لئے روانہ فرمایا اور جہاد کے

بے شمار فضائل بیان فرمائے۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن تو قرآن

تورات اور انجیل میں بھی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے:-

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی

أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ

جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں کہ انکے

لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي

بدلے ان کو جنت دیگا یہ اللہ کے رستے

سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَ

میں لڑتے ہیں اور مارتے ہیں اور مارے

يُقْتَلُونَ وَعَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ حَقًّا

جاتے ہیں، یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے جس

فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ

کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے

یہ تورات اور انجیل اور قرآن سب میں

(القرآن)

لکھا ہوا ہے۔

آخر میں آپ کو مختصر طور پر ان اہل یقین

جنہیں یقین تھا

کے دو واقعے سنا دینا مناسب سمجھتا ہوں، جنہیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات پر اور ایک ایک وعدے پر یقین تھا۔ میدان بدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔

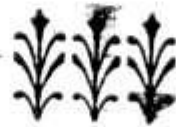
”لو اس جنت کا موقع سامنے ہے جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے۔ ایک انصاری نے حیرت سے پوچھا کہ کیا آسمان و زمین کے برابر؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ وہ خوشی سے واہ واہ کہنے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا، انہوں نے عرض کیا اس امید سے کہ شاید میں بھی اس میں ہوں۔ آپ نے فرمایا تم جنت میں ہو۔ یہ سن کر وہ کھجوریں نکال کر جلدی جلدی کھانے لگے لیکن پھر کہنے لگے کہ اگر میں کھجوریں کھاتا رہا، تو جنت میں جانے میں بہت دیر ہو جائے گی، یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر دشمنان دین سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔“

حضرت قیس رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے وہ ایک جہاد میں شریک تھے۔ انہوں نے مسلمان مجاہدوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:-

”جنت کے دروازے تلواروں کے سائے نیچے ہیں۔ ایک عام مسلمان پاس کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے انہوں نے کہا، ہاں، یہ سن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا

اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ میان توڑ کر پھینک دی، اور
تلوار لے کر دشمن کی صف پر حملہ کر دیا، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے
شہید ہو گیا۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق
آپ کے سامنے جنت کا، جنت کی نعمتوں کا، اور جنت میں لے جانے والے
اعمال کا تذکرہ کر دیا ہے۔ آئیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں جنت
میں لے جانے والے اعمال کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
وما علینا الا البلاغ



جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال

فیصلے کے دن بے شک وقت ہے ٹھہرا ہوا
صور جس دن حکم سے خالق کے پھونکا جائیگا
سرسکھوں کی گھات میں دوزخ لگا ہے بالیقین
اور ٹھکانہ سرسکھوں کا فی الحقیقت ہے وہیں
وہ نہ چکھیں گے وہاں زہر نہ سار ٹھنڈک کا مزا
اور نہ کچھ پینے کو سپ اور گرم پانی کے سوا

(سورہ نبا کی آیت ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ کا

منظوم ترجمہ)

جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال

نَحْمَدُكَ يَا وَصِيَّ عَلِيِّ سَيِّدِ نَاوَسْؤَلِنَا الْكَرِيمِ اِمَّا بَعْدُ
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْوُوا انْفُسَكُمْ لے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور
 وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُ مَا اپنے گھروالوں کو آگ سے جس کا ایندھن
 النَّاسِ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا انسان اور پتھر ہیں، اس پر تند خو بڑے
 مَلَائِكَةٌ غُلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ مضبوط فرشتے مقرر ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی
 اللّٰهُ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ
 مَا يُؤْمَرُونَ ۵ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا
 (سورة التحريم) جاتا ہے اسے فوراً بجالاتے ہیں۔

دَعْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ نَارُكُمْ هَذِهِ الَّتِي
 يُوقِدُ ابْنُ آدَمَ جُزْءٌ مِّنْ
 سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ حَرِّ
 جَهَنَّمَ قَالُوا وَاللَّهِ إِنِ
 كَانَتْ كَافِيَةً يَا رَسُولَ اللَّهِ
 قَالَ فَإِنَّهَا فَضِلَتْ عَلَيْهَا
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
 روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا یہ آگ جسے انسان
 (دنیا میں) جلاتا ہے یہ جہنم کی آگ کا
 سترھواں حصہ ہے۔ لوگوں نے عرض
 کیا اے اللہ کے رسول! یہی آگ کافی تھی
 فرمایا وہ (جہنم کی) آگ اس آگ سے
 بہتر درجے زیادہ سخت ہے، ان اجزاء

بِتَّسَعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهَا میں سے ہر جزء دنیاوی آگ کی طرح
مِثْلَ حَرِّهَا۔ (بخاری و مسلم) ہے۔

محترم حاضرین مجلس! اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بڑا پیارا اور بڑی
محبت ہے۔ اگر بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دیکھنا ہو تو اس کی صفات
کا مطالعہ کیجئے کیونکہ ہم براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو نہیں دیکھ سکتے
البتہ صفات کے آئینہ میں اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ (اگر اللہ تعالیٰ نے
توفیق دی تو انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری نشست میں صفات باری تعالیٰ
کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوگی۔)

جب ہم صفات باری تعالیٰ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا دل اس
کی محبت سے بھر جاتا ہے وہ اپنے بندوں پر کتنا شفیق اور کتنا مہربان ہے؟
اس کا تو حقیقت میں اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا، اُس کے فضل و کرم کی کوئی
حد ہی نہیں۔

وہ المؤمن ہے یعنی امن دینے والا،
وہ اپنے ماننے والوں کو امن دیتا ہے

صفات باری تعالیٰ

دنیا کی مصیبتوں سے اور آخرت کے عذاب سے۔

وہ اطمینان ہے یعنی حفاظت کرنے والا، وہ اپنے بندوں کی جب
تک چاہتا ہے اس طرح حفاظت فرماتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں
نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

وہ الغفار ہے، یعنی بہت زیادہ بخشنے والا، جتنا وہ مالک بخشتا ہے
اتنا کوئی نہیں بخش سکتا۔

وہ الوہاب ہے یعنی بلا عوض دینے والا۔

وہ الرزاق ہے یعنی ساری مخلوق کو روزی دینے والا
وہ الفتاح ہے یعنی اپنی رحمت اور علم کے دروازے کھولنے والا۔

وہ العدل ہے یعنی بہت انصاف کرنے والا

وہ الغفور ہے یعنی بہت گناہ بخشنے والا۔

وہ الشکور ہے یعنی قدر کرنے والا۔

وہ الکریم ہے۔ یعنی کرم کرنے والا۔

وہ رحمن ہے یعنی بے حد مہربان

وہ رحیم ہے یعنی بے انتہا رحم کرنے والا

وہ الودود ہے یعنی محبت والا

وہ الوکیل ہے یعنی کام بنانے والا

وہ الولی ہے یعنی مدد کرنے والا۔

وہ البر ہے یعنی احسان کرنے والا۔

وہ التواب ہے یعنی بہت توبہ قبول کرنے والا۔

وہ العفو ہے یعنی بہت معاف کرنے والا

وہ الرؤف ہے یعنی بہت شفقت کرنے والا

وہ الہادی ہے یعنی ہدایت کرنے والا۔

وہ الرشید ہے یعنی مصلحت بتانے والا

وہ الصبور ہے یعنی بہت تحمل والا۔

اس مالک کی یہ صفات اسکے کرم کو، اس کی شفقت کو، اس کی کار
سازی کو، اس کی رزق رسانی کو اور اس کے محسن ہونے کو بتاتی ہیں درجہ
انسان ان صفات کی روشنی میں اس کے بائے میں مراقبہ کرتا ہے، غور و فکر

کرتا ہے تو اس کا دل اپنے مالک حقیقی کی محبت سے بھر جاتا ہے۔
 اور اس کے دل سے آواز اٹھتی ہے کہ ارے ظالم!
دل کی آواز | جھک جا اس ہستی کے سامنے جو تیرے بگڑے
 کاموں کو سنوارتی ہے۔

تجھے ضلالت کے اندھیروں سے نکالتی ہے۔

تیرے سامنے علم و حکمت کے دروازے کھولتی ہے۔

تیری توبہ کے آنسو اپنے دامنِ رحمت سے صاف کرتی ہے۔

جو تیری گستاخیوں پر تحمل سے کام لیتی ہے۔

جس کے احسانات اور نوازشوں کی کوئی حد ہی نہیں۔

یہاں میں یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بعض

صفات ایسی ہیں کہ انہیں اس کے عنین و غضب کی علامت سمجھا جاتا ہے،

حالانکہ وہ بھی اس کی رحمت اور اس کے عدل و انصاف کی آئینہ دار ہیں،

مثلاً الجبار کا مفہوم کئی لوگ سمجھتے ہیں، جبر کرنے والا، حالانکہ اس کا معنی

ہے درست کرنے والا یا حتمی کرنے والا۔

اسی طرح القہار کا مفہوم کئی لوگ بیان کرتے ہیں، قہر ڈھانے والا،

حالانکہ اس کا معنی ہے مخلوقات پر غالب اور اس میں شک ہی کیا

ہے کہ وہ ساری مخلوق پر غالب ہے، غالب ہونے کا یہ مطلب کہاں سے

آگیا کہ معاذ اللہ وہ مخلوق پر قہر و غضب ڈھاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ المتکبر ہے لیکن متکبر کا معنی ہے، بڑائی

والا اور اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بڑائی اور عظمت اسی کے

لئے ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ وہ المفتقم ہے جس کا معنی ہے بدلہ لینے والا لیکن بدلہ لینے سے ظلم کا ارتکاب لازم نہیں آتا، بلکہ بسا اوقات انصاف کا تقاضا ہوتا ہے کہ بدلہ لیا جائے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بڑی محبت اور بڑا پیار کرتا ہے اور اس محبت اور پیار کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی صفات کا مراقبہ اور ان میں غور و فکر کیجئے۔

وہ بندوں کو پیدا کرنے والا اللہ

وہ بندوں کو رزق دینے والا اللہ

وہ بندوں پر رحمت کرنے والا اللہ

وہ بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اللہ

وہ ندامت کے دو آنسو بہا دینے سے سو سال کے گناہ معاف کر دینے

والا اللہ

اپنے بندوں کو جہنم میں ڈال کر ہرگز خوش نہیں ہوتا، وہ تو چاہتا ہے کہ میرے بندے کسی نہ کسی طریقے سے جہنم میں جانے سے بچ جائیں وہ اگر بندوں کو جہنم سے نہ بچانا چاہتا تو ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث نہ کرتا۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے بچانا نہ چاہتا تو انہیں جنت کا راستہ دکھانے کے لئے آسمان سے کتابیں نازل نہ فرماتا۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے بچانا نہ چاہتا تو موت تک در توبہ کھلانا رکھتا۔

رَبِّ کریم نے بندوں کو سمجھانے کے لئے جو انداز پیار والا انداز اختیار کیا ہے وہ بڑے ہی پیار اور محبت کا انداز

ہے وہ ایک ایک مضمون کو مختلف انداز سے مختلف اسلوب میں مختلف الفاظ میں اتنی باریان کرتا ہے کہ تعجب ہونے لگتا ہے، توحید کو لے لیں، نماز کو دیکھ لیں، ہر ایک کو بار بار بیان کیا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بیٹا سفر پر جائے یا خراب حالات میں گھر سے باہر نکلنے لگے تو ماں اسے بار بار سمجھاتی ہے، بعض اوقات بیٹا جوان ہو تو وہ چڑچڑاسا ہو جاتا ہے کہ میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں مگر شاید میری ماں مجھے بیوقوف سمجھتی ہے کہ ایک ایک بات کو دس دس بار دہراتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ ماں کے دل میں اپنی اولاد کے لئے محبت کا جو شدید ترین جذبہ ہے وہ اسے ایک ہی بات کے بار بار دہرانے پر مجبور کر رہا ہے۔

یقین جانیں کہ ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اس محبت کے مقابلے میں جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ وہ بندوں کے ساتھ محبت کرنے والا اللہ! ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے بندوں کو عذاب دوں، یہ بھی تو سوچیں کہ بندوں کو عذاب دے کر اُسے کیا ملے گا۔ کتنے پیارے انداز میں سورہ نساء میں بندوں سے کہا گیا ہے:-

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ
شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ
اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا

اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ
اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم والا ہے۔

مسلمانوں کا خدا غیر قوموں کے ابن دیوی دیوتاؤں جیسا نہیں ہے جنہیں مخلوق کو عذاب اور تکلیف میں دیکھ کر لطف آتا ہے وہ تونیکوں کی قدر کرتا ہے اور ہر چھوٹے بڑے عمل کو جانتا ہے۔

اے میرے چاہنے والو! | جو آیت میں نے خطبہ میں تلاوت

کی ہے، تھوڑی سی توجہ اس آیت کریمہ پر بھی مرکوز کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔

اے حسن ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو!
 اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو!
 اے اپنے خالق و مالک کی خدائی کا اقرار کرنے والو!
 اے غیبی حقائق پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرنے والو!
 اے جنت و دوزخ اور جزا و سزا کو تسلیم کرنے والو!
 بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو عذاب سے۔

وہ رحمن اور رحیم اللہ جو چاہتا ہے کہ بندے جہنم میں جانے سے بچ جائیں
 وہ بندوں کو محبت اور پیار کے انداز میں خطاب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنے آپ
 کو بھی جہنم سے بچاؤ اور گھر والوں کو بھی۔ کیونکہ جہنم کا اور جہنم کے عذابوں کا
 برداشت کرنا تمہارے بس کی بات نہیں، اس کی آگ انوکھی آگ ہے،
 اس کا ایندھن لکڑی نہیں ہوگی بلکہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے،
 صرف یہیں نہیں بلکہ اپنے ظلم و جہول
 بندوں کو سمجھانے کے لئے نہ معلوم قرآن کریم میں کتنے ہی مقامات پر باری
 تعالیٰ نے جہنم کا، جہنم کی سزاؤں کا اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کا ذکر کیا ہے
 اور یہ بھی اس مالک کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں دنیا ہی میں بتا دیا،
 کہ جہنم میں کتنی سخت سزائیں ہوں گی۔

یہاں ایک عجیب نکتہ ذہن میں
 آ رہا ہے جو بعض اساتذہ سے

سنا تھا، کہا جاتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مشہور پنڈت دیانند سروتی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ پنڈت صاحب اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم ہمیں یہ بتا دے کہ اگر تم نے فلاں چیز کھائی تو تم فلاں خوفناک بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ واقعی جن جن لوگوں نے ان چیزوں کو کھایا وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئے تو ہم اس حکیم اور ڈاکٹر کو اپنا — محسن سمجھیں گے کہ اس نے ہمیں پہلے سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ ہم پتہ چل گئے۔ جب دنیا کی کسی بیماری کے اسباب بتا دینے کی وجہ سے ہم ڈاکٹر کو اپنا محسن سمجھ سکتے ہیں تو ہم اس اللہ کو اپنا محسن کیوں نہ سمجھیں، جس نے ہمیں واضح طور پر بتا دیا کہ جہنم کیا ہے اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کون کون سے ہیں۔ اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ آگاہی اس کا سب سے بڑا احسان ہے اور وہ ہمیں یہ آگاہی عطا کرنے کے بعد بجا طور پر سوال کر سکتا ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ -

میرے بندو میرا تم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ تمہیں دنیا میں آگاہ کر رہا ہوں کہ تمہاری بد اعمالیاں تمہیں آگ کے اس گڑھے میں گرا دیں گی جس کے مختلف قسم کے عذاب تم برداشت نہیں کر سکتے۔

بہت بُری جگہ | وہ جیل ہے مگر دنیا کی خطرناک سے خطرناک جیل اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

وہ عقوبت خانہ ہے مگر دنیا کا کوئی عقوبت خانہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وہ ایک ٹارچر سیل ہے مگر دنیا کا ہر ٹارچر سیل اس کے مقابلہ میں صفر ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے :-

إِنَّهَا سَاعَتٌ مُّسْتَقَرَّةٌ وَهَقَامًا. بیشک وہ بری قرار گاہ اور قیام گاہ ہے
سورہ ص میں ہے :-

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا جِ نَيْسِ الْمَقَادِ جہنم میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بُرا پھینونا
سورہ توبہ میں ہے :-

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا (اے نبی) کہہ دے کہ دوزخ کی آگ زیادہ
(سورہ توبہ) گرم ہے -

وہاں کی آگ کبھی نہ بجھے گی، بجھنے لگے گی تو اسے مزید بھڑکا دیا جائے گا
سورہ بنی اسرائیل میں ہے :-

كَلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا جب وہ بجھنے لگے گی ہم اس کو اور زیادہ
(بنی اسرائیل) بھڑکا دیں گے -
اس آگ کے شعلے دور دور سے نظر آئیں گے -

سورہ مرسلات میں ہے -

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّرٍ كَالْقَصْرِ ۝ وہ محلوں کی مانند چنگاریاں
كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ ۝ پھینکتی ہے گویا وہ چنگاریاں زرد اونٹ میں
وہ ایسی آگ ہے جو چھڑا اُدھیڑ لے گی -

سورہ معارج میں ہے :-

كَلَّا إِنَّهَا لَنظَى ۝ نَزَاعَةٌ لِّلشَّوَى ۝ یہ ہرگز نہیں ہوگا وہ شعلے والی آگ ہے
تَدْعُو أَمِنْ أَدْبُرٍ وَتَوَلَّى ۝ منہ کی کھال اُدھیڑنے والی ہے، اسے
بلاتی ہے جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا

وہ عجیب و غریب آگ ہوگی جو دلوں پر شعلہ زن ہوگی -

سورہ الہمزہ میں ہے :-

نَارُ اللَّهِ الْمَوْجِدَةَ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْنِدَةِ ه إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ه فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ
اللہ کی بھڑکانی ہوئی آگ ہے جو طسیر پر چڑھ جاتی ہے، بیشک وہ ان پر دروازہ بند کی ہوئی ہے لمبے ستونوں کی شکل میں، جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے داخل ہونے والے

بھی مقرر ہیں۔ سورۃ الحج میں ہے:

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ه
اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے بانٹا ہوا ایک حصہ ہے۔ (سورۃ الحج)

جہنم بہت وسیع و عریض ہے، بیشمار انسانوں کو اس میں جھونک دیا جائے گا۔ مگر وہ پھر بھی نہیں بھرے گی۔ سورۃ ق میں ہے:-

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلأتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ه
جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی ہے اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔ (تولے آؤ)

جہنم میں جانے والے لوگ نہ زندہ ہوں گے اور نہ مردہ بلکہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں ہوں گے۔ سورہ طہ میں ہے:-

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّهُ لَهْ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ه
بیشک جو شخص اپنے پروردگار کے ہاں گنہگار ہو کر حاضر ہوگا اس کے لئے دوزخ ہے نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔ (سورہ طہ)

جہنمیوں کے گلے میں طوق پڑے ہوں گے، انہیں زنجیروں میں جکڑ

طوق و سلاسل

دیا جائیگا اور بڑی ذلت و خواری کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ سورہ المؤمن میں ہے :-

إِذَا الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ
وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ
ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝
(سورۃ المؤمن)

جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لیجا یا جائیگا پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

سورۃ الحاقہ میں اس ناکام انسان کے بارے میں بتایا گیا ہے جس کا اعمال نامہ اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ
فَيَقُولُ يَلِيَّتَنِي لِمَ أُوتِيَ
كِتَابِي ۝ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِي ۝
يَلِيَّتَهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ۝ مَا
أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي ۝ هَلَكَ
عَنِّي سُلْطَانِي ۝ خَذُوهُ
فَخَلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ
ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ سَبَعُوتٍ
ذُرَّاعًا فَاَسْلُكُوهُ ۝
(سورۃ الحاقہ)

اور ہاں وہ جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا، تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا جو مجھے میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا، اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے، کاش موت ہی خاتمہ کر چکی ہوتی، میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گذرا ہوا پکڑو اس کو پھر اس کو دوزخ میں داخل کرو، پھر ایک ایسی زنجیر میں اُسے جکڑو، جس کی پیمائش ستر گز ہے۔

دو وزخیوں کو کھانے اور دو وزخیوں کا سامانِ خور و نوش

پینے کے لئے جو کچھ لیا جائیگا اس کا تصور بھی ہمارے لئے محال ہے لیکن چونکہ اسکے علاوہ کچھ ہوگا

ہی نہیں اس لئے وہ اسے کھانے اور پینے پر مجبور ہوں گے، سورہ کہف میں ہے
 وَإِن يَسْتَعِثُّوا يُعَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ ط
 اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد ہی
 تانبے کی مانند ہوگا۔ وہ مونہوں کو بھون
 ڈالے گا۔ برا پینا ہے اور وہ آگ فائدہ
 اٹھانے میں بُری ہے (سورہ کہف)

سورہ ص میں ہے :-

هَذَا فَلْيَذُوقُوا حَمِيمًا
 وَغَسَّاقٌ (سورہ ص)
 یہ ہے عذاب پس اسے چھو گرم پانی
 ہے اور پیپ۔

وہ پانی کیسے کھول رہا ہوگا اور اس کی تپش کا کیا عالم ہوگا۔ اس چیز کو
 سورہ محمد میں بیان کیا گیا ہے۔

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ
 أَمْعَاءَهُمْ (سورہ محمد)
 اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا
 سو وہ ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا۔

دوزخیوں کے کھانے کے بارے میں سورہ دخان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ هَ طَعَامُ
 الْأَشِيمِ ه كَالْمُهْلِ يَغْلِي
 فِي الْبُطُونِ ه كَغَلِيِّ الْحَمِيمِ ه
 خَذُوهُ فَاَعْتَلَوْا ه إِلَى سَوَاءِ
 الْجَحِيمِ ه ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ
 رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ه
 ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ه
 بیشک سینڈھ کا درخت گنہگاروں کا
 کھانا ہے، گھلے ہوئے تانبے کی طرح،
 پیٹوں میں کھولے گا جیسے گرم پانی کھولتا
 ہے (حکم ہوگا) اسے پکڑو، پھر اسے دوزخ
 کے بیچوں بیچ گھیٹو پھیرا سکے سر پر کھولتے
 ہوئے پانی کا عذاب چھوڑ دو، چکھ،
 بیشک تو ہی عزت والا بزرگی والا ہے

إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ بیشک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے تھے
سورة الحاقہ میں ہے :-

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلِينَ ۝ لَا
يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِطُونَ ۝
وہ لوگ جو دنیا میں مریخ غذا میں اور لذیذ کھانے، کھانے کے عادی ہیں،
اگر کھانے میں نمک مرچ کی کمی بیشی ہو جائے یا کھانا ٹھنڈا یا باسی ہو تو ان کے
حلق سے نیچے نہیں اترتا، وہ سوچیں تو سہی کہ آخرت میں زخموں کا دھوون
اور سینڈھ کا درخت حلق سے نیچے کیسے اترے گا؟

وہ لوگ جو یہاں ہلکا سا گرم پانی بھی نہیں پی سکتے وہ ایک لمحے کے لئے غور
تو کریں کہ وہاں کھولتا ہوا پانی اور پیپ کیسے پی سکیں گے
کھولتے ہوئے پانی اور غلیظ کھانے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ
کہ من چاہی زندگی گزارنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ خدا چاہی زندگی گزارمی جائے
نفس کی پرستش نہ کی جائے بلکہ رب تعالیٰ کی پرستش کی جائے۔

جو شخص دنیا میں خدا چاہی زندگی گزارے گا اسے آخرت میں من چاہی نعمتیں
اور راحتیں عطا کی جائیں گی اور من چاہی زندگی گزارنے کا نتیجہ جہنم ہوگا جس کی
آگ جس کے طوق و سلاسل اور جس کے سامان خورد و نوش کے بارے میں تو آپ
سن ہی چکے ہیں۔

ان کے لباس کے بارے میں بھی سن لیں،
سورة الحج میں ہے :-

جہنمیوں کا لباس

فَأَسْبَغَ بَيْنَ كَفْرِهِمْ وَقَطَعَتْ لَهُمْ
ثِيَابًا مِنْ نَّارٍ يَصَّبُّ مَرٌّ
سو جہنوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے
کپڑے بیوتے جائیں گے ان کے سروں پر

فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمِ ۝ سے گرم پانی چھوڑا جائیگا۔
 یہ تو لباس کا حال ہوگا اور جہنمی کے جوتے بھی آگ کے ہوں گے بلکہ سب
 سے کم درجے عذاب والا شخص وہ ہوگا جسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے،
 حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے کم درجے عذاب والا شخص وہ ہوگا جسے
 آگ کے دو جوتے اور تسمے پہنائے جائیں گے، جن سے اس کا دماغ اس طرح
 پکے گا جس طرح لمانڈی جوش مارتی ہے وہ یہ سمجھے گا کہ اس سے سخت عذاب کسی
 کو نہ دیا ہوگا حالانکہ وہ ان میں سب سے کم درجے والا عذاب ہوگا۔

جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا | جہنمی آپس میں جھگڑیں گے
 ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں

گے اور ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔

سورة الاعراف میں ہے :-

كَلَّمَآ دَخَلَتْ اُمَّتٌ لَعْنَتٌ
 اُخْتَهَا
 جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دفعہ)
 (میں) داخل ہوگی اس کی ہم رنگ دوسری
 (سورة الاعراف) جماعت اس پر لعنت کرے گی۔

دین فروش لیڈروں اور دنیا پرست پیروں کی اقتداء کرنے والے اور ان کی دیکھا
 دیکھی گمراہی میں مبتلا ہونے والے یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ ہم بھی جہنم میں
 اور ہمارے پیشوا بھی جہنم کا ایندھن بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ انہیں بڑے سبز
 باغ دکھایا کرتے تھے کہ ہمارے پیچھے چلنے والا کبھی ناکامی کا شکار نہیں ہو سکتا
 نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ سورة مؤمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَ اذِيتَ حَاجُّوْنَ فِي النَّارِ اور جب وہ آگ میں ایک دوسرے سے

فَيَقُولُ الضُّعْفُو لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُونَ عَنَّا
نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ قَالَ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوا اِنَّا كُلُّ
فِيْهَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ
(سورۃ مومن)

جھگڑیں گے تو ناتواں ان لوگوں سے جو
بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے کہ ہم
تمہاری پیروی کرتے تھے تو کیا تم ہمارے
لئے آگ کے ایک حصے سے کفایت کرنے
والو ہو، وہ جو بڑے بنے ہوئے تھے،
کہیں گے کہ ہم تم سب اسی میں ہیں پس بیشک
اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے
جہنمی کبھی تو جہنمیوں کو پکار پکار کر درخوا
کریں گے کہ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا

جہنمیوں کی درخواستیں

مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ترجمہ: ہم پر پانی سے یا اس نعمت
سے جو اللہ نے تمہیں دی ہے کچھ فیض کرو۔ (سورۃ الاعراف)

اور کبھی جہنم کے داروغہ (مالک) سے کہیں گے:-

وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا
رُبُّكَ ط قَالَ اِنَّكُمْ مَّا كُنْتُمْ
پروردگار ہم پر موت بھیج دے، وہ کہے
گا کہ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔
(سورۃ الاحزاب)

یہ بات ذہن سے نکال دو کہ موت تمہاری مصیبتوں اور پریشانیوں کا
خاتمہ کر دے گی وہاں تو موت کو بھی موت آجائے گی اور یوں عذاب سے چھٹکارے
کی آخری امید بھی جاتی رہے گی۔ جہنمی ادھر ادھر سے مایوس ہو کر براہ راست اللہ
تعالیٰ سے درخواست کریں گے۔

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا
فَاِنَّا ظَالِمُوْنَ ه قَالَ اَحْسَبُوْا
اے ہمارے پروردگار ہمیں اس سے
نکال، اگر ہم دوبارہ بُرے کام کریں تو

فِيهَا وَلَا تَكَلِّمُونَ ه

بیشک ہم ظالم ہیں اللہ فرمائے گا کہ اسی میں
خوار پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو،

(سورۃ الحج)

جب وہ دیکھیں گے کہ جہنم سے نکلنے اور دنیا میں دوبارہ واپس جانے کی
کوئی امید نہیں تو وہ جہنم کے داروغہ سے کہیں گے کہ عذاب میں کچھ تخفیف
کر دو۔ سورۃ مؤمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ
عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ه قَالُوا
أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمُ رُسُلُكُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ ط قَالُوا بَلَىٰ ط قَالُوا
فَادْعُوا ط وَمَا دُعُوا الْكٰفِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ه

اور جو دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ
کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار
سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب
ہلکا کر دے وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارا
پاس تمہارے رسول کھلی دلیلیں لے کر
نہیں آئے تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں،
کہیں گے تو تم خود ہی دعا کرو، کافروں
کی دعا تو بے کار ہے۔

(سورۃ مؤمن)

غلطی ہماری ہے۔ | میرے بزرگو اور دوستو! میں نے انتہائی
اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے

جہنم اور جہنم کی سزاؤں کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں میں نے زیادہ تر قرآن مجید
کی آیات پر انحصار کیا ہے، اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جہنم بہت بُری
جگہ ہے، وہاں آگ کافر ش اور بچھونا ہوگا۔ آگ کا ساٹبان ہوگا، آگ
کا لباس ہوگا۔ آگ کے ستون ہوں گے، وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوگی،
وہاں معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ پینے کے لئے جہنمیوں کی سپ
اور کھانے کے لئے سبٹھ کا درخت ہوگا۔ وہاں موت نہیں آئے گی۔

جو زندگی وہاں حاصل ہوگی وہ موت سے بدتر ہوگی، کھال اُدھڑ جائے گی اور
 شکل بگڑ جائے گی، انتر دیاں کٹ کر باہر نکل جائیں گی۔
 میں اور آپ گرمیوں کی دُھوپ برداشت نہیں کر سکتے، دکھتی ہوئی
 آگ کے پاس کھڑے نہیں ہو سکتے، بد مزہ کھانا نہیں کھا سکتے، معمولی سا
 زخم ہم پر نیند اور آرام کو حرام کر دیتا ہے۔ جب ہم دنیا
 کی یہ چھوٹی موٹی تکلیفیں اور بیماریاں برداشت نہیں کر سکتے تو آخرت کے
 وہ عذاب اور وہ سزائیں کیسے برداشت کر سکیں گے جن کے تصور ہی سے
 کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، مگر جیسا کہ میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ
 اپنے بندوں سے بڑی محبت کرنے والا ہے، بڑا پیار کرنے والا ہے، وہ
 رحمن ہے وہ رحیم ہے وہ غفور ہے، وہ کریم ہے وہ چاہتا ہے کہ میرے
 بندے جہنم میں جانے سے بچ جائیں، اسی مقصد کے لئے اس نے انبیاء
 بھیجے اور بالآخر سید الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، کتابیں نازل
 فرمائیں، اور سید الکتاب قرآن کریم نازل کیا، جس میں ہر ممکن طریقے سے بندوں کو
 جہنم سے بچنے کا طریقہ اور جنت میں جانے کا راستہ بتایا گیا ہے مگر غلطی انسان کی
 ہے، غلطی ہماری ہے کہ ہم از خود جنت کا راستہ چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار
 کرتے ہیں، غفران کی بجائے خسران کو پسند کرتے ہیں، رحمن کے مقابلے میں
 شیطان کو ترجیح دیتے ہیں، ہدایت کی راہ چھوڑ کر ضلالت کی راہ پر چل پڑتے
 ہیں، ہم جس قسم کے اعمال کرتے ہیں، وہ جہنم کے انگارے بھی بن سکتے ہیں،
 اور جنت کے پھل اور پھول، بعض اعمال قیامت کے دن سایہ دار اور پھلدار
 و زخنتوں کا روپ دھار لیں گے۔ اور بعض اعمال سانپ اور بچھو کی شکل
 اختیار کر لیں گے۔

اعمال کو چھوڑیے اقوال اور کلمات تک اپنا ایک اثر اور نتیجہ رکھتے ہیں، سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر جیسے پاکیزہ کلمات اپنے کہنے والے کی آخرت کو گلزار بنا سکتے ہیں اور کفر و شرک پر مشتمل کلمات کہنے والے کی آخرت کو تباہ کر سکتے ہیں۔

ایک سندھی کہاوت | مجھے اس موقع پر ایک سندھی کہاوت یاد آرہی ہے جو اوتائیو فقیر کی طرف

منسوب ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنی والدہ کے ساتھ جنگل میں تھا۔ والدہ نے کہا۔ کھانا پکانا ہے جاؤ کہیں سے آگ لے کر آؤ۔ اوتائیو فقیر نے ادھر ادھر آگ تلاش کی مگر اسے کہیں آگ نہ ملی، وہ ناکام ہو کر واپس لوٹا اور آگ کہا کہ ماں میں نے بہت تلاش کیا مگر مجھے کہیں بھی آگ نہیں ملی، والدہ نے غصے میں آکر کہا تو جہنم میں چلا جاتا وہاں تو تمہیں آگ مل ہی جاتی۔ اوتائیو فقیر نے بڑی معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔ ماں، جہنم میں آگ کہاں ہے وہاں تو ہر شخص اپنی آگ اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اعمال کی شکل میں سانپ، بچھو اور جہنم کے انگارے جمع کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں شاید آخرت پر اور جنت و دوزخ کے وجود پر یقین نہیں ہے اور اگر یقین ہے بھی تو بہت کمزور قسم کا ہے، ہم نے علماء سے، بزرگوں، ادھر ادھر کے مسلمانوں سے سنا کہ قیامت ہوگی، حساب و کتاب ہوگا۔ پھر جنت یا دوزخ ہوگی، ہم بھی سن سنا کر یہی کچھ کہنے لگے مگر دل کی گہرائیوں میں یہ عقیدہ اتر نہیں سکا۔

یقین رکھنے والے | ورنہ جو قیامت پر، حساب کتاب پر، جزاء سزا پر، جنت و دوزخ پر سچا یقین

رکھنے والے لوگ تھے، ان کے سامنے اگر جہنم کا تذکرہ کر دیا جاتا تھا تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اگر قیامت کا تذکرہ ہوتا تو ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی، ان میں سے بعض بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ ابو داؤد شریف میں ہے کہ ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ان میں کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھا۔ وہ دونوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا میں ایک انسان ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی چرب زبان اور تیز طرار ہو، اس کی باتوں سے متاثر ہو کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ لیکن اگر اس کا یہ حق نہیں تھا بلکہ اس نے محض تیز طراری کی بناء پر اپنے حق میں فیصلہ کر لیا تو اسے یقین کر لینا چاہیے کہ میں نے اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق لٹکا دیا ہے۔ دونوں صحابی آخرت کے خوف سے رونے لگے اور ان میں سے ہر ایک اپنا حق دوسرے کو دینے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جب سورۃ الحج کی یہ آیت نازل ہوئی :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَمَا اتَّقَوْا لَكُمْ يَوْمَ تَأْتِي سَاعَةٌ تَأْتِي فِيهَا مَنَافِعُ وَمَنَافِعُهَا تَارِيحٌ يَأْتِيهَا الرِّجْزُ فَلا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب

کر کے فرمایا :-

”جانتے ہو یہ کون سا دن ہے، یہ وہ دن ہے، جب اللہ آدم سے

کہے گا کہ آگ کی فوج بھیجو، وہ کہیں گے، اے اللہ! آگ کی فوج

کون ہے، اللہ کہے گا۔ ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے

جائیں گے اور جنت میں صرف ایک جائے گا۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو بے اختیار سب رونے لگے :

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک بار جہنم میں جانے والے دولت مند، مجاہد اور قاری والی مشہور روایت بیان کرنے لگے تو بیان کرنے سے پہلے تین بار روتے ہوئے بیہوش ہو گئے اور جب یہی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی گئی تو وہ اتنا روتے کہ روتے روتے ہلاکت کے قریب ہو گئے تھے۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کے دل میں انی کے دلنے کے برابر بھی غرور ہوگا تو وہ مرنے کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو رونے لگے۔ آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کی بات سن کر رونا آگیا۔ آپ نے فرمایا، تمہیں خوشخبری ہو کہ تم جنتی ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مقام اور ان کے کارناموں سے کون مسلمان ناواقف ہے۔ آپ وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنا دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود قیامت کا خوف اور جہنم کا ڈر اتنا غالب تھا کہ ایک موقع پر فرمانے لگے کہ ہم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور بہت سے نیک کام کئے، ان کا ثواب تو ہمیں مل جائے، لیکن آپ کے بعد جو نیک کام کئے تو اس کے بدلے میں صرف دوزخ سے بچ جائیں۔ اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔ تو خدا کی قسم! مجھے غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہمیں اللہ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا یقین آجائے تو ہمارے لئے ان اعمال سے بچنا بہت آسان ہو جائے جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

جہنم میں لے جانے والے اعمال | پھلی نشست میں آپ

حضرات جہنم اور جہنم کی

سزاؤں کا بیان سن چکے ہیں، آج کی نشست میں انتہائی اختصار کے ساتھ

ان اعمال کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

سب سے پہلا عمل یا عقیدہ کہہ لیں جو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے،

وہ کفر و شرک ہے اگر کوئی شخص صاحب ایمان ہے مگر گنہگار ہے، خواہ وہ صغیرہ

گناہوں میں مبتلا ہو یا کبیرہ گناہوں میں، اس کی مغفرت اور بخشش کی کوئی نہ

کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سزا دینے بغیر اسے ویسے ہی معاف

کر دیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ وقت تک اسے جہنم میں رکھ کر گناہوں

کی غلاطت اور نجاست سے پاک کر کے اسے جنت میں داخل کر دیا جائے،

لیکن کفر و شرک کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ کافر اور شرک کی کسی حالت میں اور

کبھی مغفرت اور نجات نہیں ہو سکتی ان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمت

کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ سورۃ العنکبوت میں ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو اور اس کے

وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَلْسُؤُنَ مِنْ

سامنے حاضر ہونے کو نہیں مانتے، یہی

رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ

لوگ ہماری رحمت سے ناامید ہو بیٹھے

عَذَابٌ أَلِيمٌ

ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب

ہونا ہے۔

(سورۃ العنکبوت)

کافروں اور مشرکوں کے ساتھ ساتھ اعتقادی منافقوں کا ٹھکانہ بھی جہنم

ہوگا۔ بلکہ انہیں سب سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی۔ سورۃ نساء میں ہے:-

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَاتِ الْأَسْفَلِ

بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے

مَنْ النَّارِ وَلَنْ يَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا کے درجے میں ہوں گے اور تو کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پائے گا۔ (النساء)

ترک عبادات ایمان قبول کرنے کے بعد مسلمان پر کئی عبادتیں فرض ہو جاتی ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت

نماز کی ہے جو کہ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب، مسافر ہو یا مقیم، تندرست ہو یا بیمار، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، امن ہو یا جنگ، حالت میں ہو یا مسلمان پر نماز فرض ہے، کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو اشکے سے پڑھے، وضو اور غسل نہیں کر سکتا تو تیمم سے پڑھے لیکن نماز کا پڑھنا بہر حال ضروری ہے جب تک زندگی کا رشتہ بحال ہے اور حواس قائم ہیں، نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں، نماز کا چھوڑنا جہنم میں لے جانے کا ایک اہم سبب ہے۔ سورہ مدثر ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن گنہگاروں سے سوال کریں گے۔

مَا سَأَلْتُمْ فِي سَقَرِهِ قَالُوا تَمَّهَيْتُمْ دُوزُخٍ مِثْلَ نَارِ دَالِوٰه
 لَمْ نَكُ مِنْ الْمُسَلِّينَ وَكَمْ كَهَيْتُمْ كَمَا نَزَلْتُمْ فِي نَارِ دَالِوٰه
 نَكُ نَطَعِمُ الْمُصَلِّينَ وَكُنَّا كَرِهْتُمْ كَمَا نَزَلْتُمْ فِي نَارِ دَالِوٰه
 نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا كَرِهْتُمْ كَمَا نَزَلْتُمْ فِي نَارِ دَالِوٰه
 نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّىٰ تَسْأَلُ الْبَاقِيْنَ

تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی

قیامت کے دن بندے سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر وہ درست نکلی تو وہ بامراد اور کامیاب ہوگا اور اگر بے کار ثابت ہوئی تو بندہ نامراد اور ناکام ہوگا۔ (ترمذی، نسائی)

مسلم شریف میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
 "آدمی کو کفر و شرک سے ملانے والی چیز ترک نماز ہے"

مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جو شخص نماز کا پابند ہو، نماز اس کے لئے قیامت کے روز نور، دلیل
 و برہان اور وسیلہ نجات ثابت ہوگی ورنہ اس کا حشر فرعون و

ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا

نماز کے بعد زکوٰۃ کا نمبر ہے جو کہ ہر صاحب نصاب مسلمان
 پر فرض ہے، قرآن کریم میں اکثر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے

زکوٰۃ

کتنے ہی مقامات پر

وَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

کہہ کر گویا بتا دیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! تم پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی فرض ہے جو لوگ
 مال جمع کرنے کی فکر میں تو لگے رہتے ہیں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لئے قرآن
 کریم میں اور احادیث نبویہ میں سخت ترین وعیدیں آئی ہیں، سورہ توبہ کی نمبر ۳۴ او
 آیت نمبر ۲۵ میں ہے:-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
 وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُوْنَهَا فِي
 سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
 اَلِيْمٍ هٗ يَوْمَ يُجْمَعُ عَلَيْهِمْ
 فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا
 جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَ
 ظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كُنْتُمْ

اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کے
 رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ
 میں نہیں دینا عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جو اس
 واقعہ ہوگا جبکہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ
 کی آگ میں تپایا جائیگا، پھر اس سے اس
 کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور
 ان کی پشتوں کو داغا جائیگا اور کہا جائیگا

لَا أَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ كَا (یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع
تکْتَرُونَ ۵ کرتے رہتے تھے، پس اب مزہ چکھو،
(سورہ توبہ) اپنے جمع کرنے کا۔

بخاری شریف کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دیگا اس کا مال قیامت کے دن اس کے لئے
گنجا سانپ بن جائیگا۔ جس کی پیشانی پر دو نقطے ہوں گے وہ اس کے گلے
میں طوق بنے گا۔ اور اس کے جبرے پکڑ کر کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں
اور مسند احمد کی روایت ہے کہ اس سانپ سے اس مال کا مالک
بھاگنا چاہے گا لیکن سانپ اسے پکڑ لیگا اس کی انگلیاں اس کے منہ
میں دیدے گا۔ یا وہ شخص اس سے بچنے کے لئے اپنی انگلیاں سانپ
کے منہ میں دیدے گا۔

جس مال پر انسان دنیا میں خزانے کا سانپ بن کر بیٹھا تھا وہ مال
قیامت کے دن واقعی اس کے لئے سانپ بن جائے گا۔

نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ روزہ اور حج بھی فرائض میں سے ہیں۔ مگر
کتنے ہی لوگ ہیں جو صحت کے باوجود روزے نہیں رکھتے اور کتنے ہی
لوگ ہیں جو دنیا بھر کے تفریحی اور تجارتی دورے کرتے ہیں مگر حج کے لئے
انہیں حرمین شریفین جانے کی توفیق حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو
جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے لئے جہنم میں جانے کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

حرام مال کمانا | حرام مال کمانا، حرام غذا کھانا، حرام کا
پیسہ جمع کرنا، حرام کے پیسے سے مکان

گاڑی، لباس اور دوسری ضروریات خریدنا، یہ چیز آج ہمارے

معاشرے میں عام ہو گئی ہے۔ لوگ اپنا اسٹیٹس اور سوسائٹی میں جھوٹی عزت بنانے کے لئے حلال اور حرام میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، ہمارے اندر مال کی ہوس اتنی عام ہو گئی ہے کہ ہم نہیں، پیسہ کمانے والی مشینیں بن کر رہ گئے ہیں، ہمیں تو پیسہ چاہیے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے آئے، اللہ جل مجدہ کے حکم توڑ کر آئے تو؟ کسی کا حق دبا کر آئے تو! چوری، ڈاکہ، غضب و نہب اور ملاوٹ کر کے آئے تو! رشوت، فراڈ، اور یتیموں، بیواؤں، بھائی، بہنوں کا حق دبا کر آئے تو! پیروٹن، افیون شراب بلکہ اپنی عزت و آبرو بیچ کر آئے تو!

بس پیسہ آنا چاہیے تاکہ ہم شادی غمی کے موقع پر اپنی جھوٹی عزت کا بھرم قائم رکھ سکیں۔

تاکہ ہم ہر سال نئے ماڈل کی گاڑی خرید سکیں۔

تاکہ ہم کسی مالدار علاقہ میں شاندار بنگلہ خرید سکیں۔

تاکہ ہمارے بچے مہنگے انگلش اسکولوں میں تعلیم حاصل کر سکیں،

مگر ہم نے کبھی نہ سوچا کہ ہم نے رشوت کے پیسے، منشیات کی دولت

سے، فراڈ اور غضب کے روپے معاشرے میں تو اپنی ناک اونچی کر لیں،

مگر یہ حرام مال آخرت میں ہماری ناک کٹنے کا ذریعہ بن جائیگا۔ یہ حرام

مال ہمیں جہنم میں لے جائیگا سبب بن سکتا ہے۔ یہ حرام مال ہمارے

تمام نیک اعمال کو تباہ کر سکتا ہے۔

ابوداؤد میں حدیث شریف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں۔ " جو شخص گناہ سے مال کماتا ہے، پھر وہ اس سے عزیزوں کی

امداد کرتا ہے یا صدقہ خیرات کرتا ہے یا اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے،

یہ سب کچھ قیامت کے دن جمع کیا جائیگا اور اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔“

بیہقی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ وَهِيَ جَنَّتٌ فِيهَا مَا كَانَ حَرَامًا ط
عَذَى بِالْحَرَامِ ط نے حرام غذا سے پرورش پائی۔

یوں تو یہ احادیث ہم سب کے لئے اپنے اندر عبرت کا سامان رکھتی ہیں لیکن وہ حضرات جو عبادت بھی کرتے ہیں، حرام مال بھی کھاتے ہیں صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور رشوت بھی کھاتے ہیں، انہیں خاص طور پر سوچنا چاہیے کہ کہیں ہماری حرام کمائی ہمیں جہنم میں لے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے آخرت میں تو جو کچھ ہوگا۔ سو ہوگا۔ آج دنیا میں بھی ہماری دعاؤں میں جو اثر نہیں رہا تو اس کی بڑی وجہ بھی حرام ذریعہ معاش ہے۔

کشمیر میں مسلمان مظلوم ہیں، بوسنیا میں ان کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں انڈیا میں ان کا مال جان غیر محفوظ ہے خود پاکستان میں ہم طرح طرح کے مظالم اور نا انصافیوں کا شکار ہیں، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے لئے چیخ چیخ کر، ماتھ ملیے کر کے، زور زور سے دعائیں کی جاتی ہیں، ہزاروں کا مجمع ان دعاؤں پر آمین آمین کہتا ہے، مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، نہ کافر مغلوب ہوتے ہیں، نہ مشرک نیست و نابود ہوتے ہیں، نہ دہشت گرد دفن ہوتے ہیں، نہ ظالموں سے ہم کو نجات ملتی ہے، نہ چوروں اور ڈاکوؤں سے ہم کو چھٹکارا ملتا ہے، نہ مہنگائی ختم ہوتی ہے، نہ بیماریوں سے شفا ملتی ہے نہ آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں ختم ہوتی ہیں۔ تو اس کی بہت بڑی وجہ بھی

یہی ہے کہ ہر طرف حرام کی کثرت ہے، چند خوش قسمت افراد کے سوا پوری کی پوری قوم سر سے پاؤں تک حرام میں ڈوبی ہوئی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

وَمَطْعَمَةٌ حَرَامٌ وَمَشْرَبَةٌ حَرَامٌ وَمَلْبَسَةٌ حَرَامٌ وَغَدِي حَرَامٌ
وَالْحَرَامُ فَإِنَّهُ يُسْتَحَابُّ لِدَاكِ وَعَاكِيَسَ قَبُولِ هُوَ كِي -

انفرادی اور اجتماعی مسائل کے بارے میں ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں گی جب کہ حرام کو ہم نے اور ہنا بچھونا بنا لیا ہے یوں تو حرام کی مختلف صورتیں ہم نے اپنا رکھی ہیں لیکن جو صورت سب سے زیادہ عام ہے وہ سود خوری کی صورت ہے، ہمارا سارا حکومتی نظام سود کے لین دین پر مبنی ہے حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، سود دینے والے پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر، سود کا گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ سود کا ایک درہم چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ بُرا ہے اور یہ کہ جو گوشت سود کے پیسے سے بنے گا وہ آگ میں فرو ہلے گا۔

اعضاء کا غلط استعمال | جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بننے والے اسباب میں سے

ایک بہت بڑا سبب اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعضاء کا غلط استعمال بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو اعضاء دیئے ہیں، یہ اس کا بہت بڑا انعام

ہیں، سوچئے تو سہی اگر آنکھوں میں بینائی نہ ہوتی، کانوں میں شنوائی نہ ہوتی
زبان میں گویائی نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا تقاضا یہ ہے کہ ان اعضاء کو اسی طریقے سے
اور اسی جگہ استعمال کیا جائے، جہاں اللہ تعالیٰ نے استعمال کرنے کی اجازت
دی ہے، زبان ہی کو لے لیجئے اس کا صحیح استعمال ہمیں جنت میں لے جاسکتا
ہے اور جہنم میں بھی، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے،
لیکن اسے اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں دیتا، لاپرواہی سے وہ کلمہ زبان
سے ادا کر دیتا ہے مگر اس کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت میں اس
کے درجات کو بلند فرما دیتا ہے اور بعض اوقات ایک انسان
اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا کوئی کلمہ زبان سے نکال دیتا
ہے، اور اسے اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی، لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم
میں لے جا کر گرا دیتا ہے۔

کافر تھا، زبان سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

گنہگار تھا، زبان سے سچے دل سے استغفار کر کے توبہ کر لی۔

زبان سے کسی کو کلمہ پڑھا دیا، دین سکھا دیا۔

کسی پریشان حال اور شکستہ دل کو دیکھا تو تسلی کے دو بول کہہ دیئے۔

جب بھی موقع ملا زبان سے ذکر کرتا رہا۔

تو زبان کا صحیح استعمال انشاء اللہ سے جنت میں پہنچا دیگا۔

لیکن اگر زبان سے اس نے کلمہ کفر نکال دیا

زبان سے دین کا، اللہ کے کسی حکم کا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا مذاق اڑایا، یا کسی مسلمان کا دل دکھا دیا۔

زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے میاں بیوی میں تفریق ہوگئی، یا دو مسلمانوں میں لڑائی ہوگئی۔ قتل اور لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔

تو زبان کا یہ غلط استعمال سے جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے یوں ہی آنکھوں اور کانوں کا غلط استعمال بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا

ذریعہ ہے۔

آج گھر گھر میں ٹی وی اور وی سی آر سے
فلیمیں اور ڈرامے | فحش گانے سُنے جاتے ہیں، گندے

ڈرامے اور فلیمیں دیکھی جاتی ہیں، ناچ گانا، میوزک اور ڈانس ہماری گھریلو زندگی کا حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا یہ کان اور آنکھ کا غلط استعمال نہیں ہے، افسوس تو یہ کہ بہت سے نام نہاد وینڈر بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو رات کا گانا گاتے ہوئے سنا، تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ لَا صَلَاةَ لَهُ، لَا صَلَاةَ لَهُ، لَا صَلَاةَ لَهُ۔ ایل الاوطار اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرِيَّةٍ
عِنْدَ مُصِيبَةٍ

دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں
خوشی کے وقت گانے کی آواز اور مصیبت
کے وقت نوحے کی آواز

افسوس کہ آج یہ ملعون آوازیں گھر گھر سے اُٹھ رہی ہیں اور ان آوازوں کے ساتھ ساتھ گھروں سے غیرت کے جنازے بھی اُٹھ رہے ہیں۔ ایسے ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں جن میں باپ بیٹی کے ساتھ اور بھائی بہن کے ساتھ منہ کالا کرتے ہیں اور پھر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ گندی اور فحش فلمیں دیکھنے کی وجہ سے ہم نے یہ حرکت کی۔ انشاء اللہ فلموں اور ڈراموں کے بارے میں کسی دوسری نشست میں تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

جہنم میں جانے کا ایک بہت بڑا سبب حقوق العباد کا ضیاع | حقوق العباد کا ضائع کرنا بھی ہے۔

ممکن ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی شانِ رحیمی کی بنا پر کسی کو اپنے حقوق معاف کر دیں۔ لیکن بندے کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے، جب تک ان کی تلافی نہ کر دی جائے یا ان کی سزا نہ دیدی جائے، حقوق العباد میں سے سب سے زیادہ اہمیت کسی کی جان کی ہے اور قیامت کے دن بندے کے حقوق میں سے سب سے پہلا سوال قبلِ ناحق کے بارے میں ہوگا۔

میرے ناقص مطالعہ کی حد تک قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کسی گناہگار کے بارے میں اتنا سخت انداز اختیار نہیں فرمایا، جتنا سخت انداز کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے والے کے بارے میں اختیار فرمایا ہے

سورہ نساء میں ہے:-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا ۖ وَهُوَ كَافِرٌ يَكْفُرْ
فَجَزَاءُ مَا جَفَنَّهُمْ خَالِدٌ فِيهَا ۚ وَمَأْوَاهُ
جَهَنَّمُ ۚ يَدْخُلُهَا وَمَا يَصُدُّهُ عَنْهَا
لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَعَذَابُ اللَّهِ شَدِيدٌ ۚ

گناہگار اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے کے لیے جہنم میں رہنا اور اس پر ناراض ہونا اور اس پر

لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا
لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا۔
ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اگر آسمان اور زمین والے کسی مؤمن کا خون بہانے میں شریکے جائیں
تو اللہ ان سب کو دوزخ میں ڈالے گا۔"

جان کے بعد مسلمان کے مال اور عزت و آبرو کی اہمیت ہے۔ صحیح مسلم
میں حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"جو کوئی قسم کھا کر مسلمان کا (مالی) حق مارے گا، اللہ اس کے لئے
دوزخ واجب اور جنت حرام کر دیگا، ایک شخص نے عرض کیا
کیا رسول اللہ اگر کوئی معمولی سی چیز ہوتی بھی؟ آپ نے فرمایا
درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو"

اسی طرح بخاری و مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:-

مَنْ أَخَذَ شَيْبًا مِنَ الْأَرْضِ
ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلمًا
دن سات زمینوں کو اس کی گردن میں ڈالے گا
مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ ۰

مسلمان کے مال کی طرح اس کی عزت و آبرو کی حفاظت بھی ضروری
ہے اگر بالفرض کسی کے اندر ہم کوئی عیب دیکھ بھی لیں تو بھی اس کی پردہ پوشی
کرنی چاہیے اگر دنیا میں ہم کسی مسلمان عیوب پر پردہ ڈالیں گے تو قیامت
کے دن اللہ تعالیٰ ہمارے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔ اور اگر ہم نے دنیا میں کسی
مسلمان کے عیوب کھولے اور ان کی تشہیر کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارے
عیوب کی تشہیر کرے گا۔

باطنی امراض | کسی کے جہنم میں داخل ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب باطنی امراض اور گناہ بھی ہیں،

جن کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ ہے، شاید ان کی ضرر رسانی کما حقہ ہمارے ذہن میں نہیں ہے، یوں تو باطنی امراض کی فہرست بہت طویل ہے لیکن میں اس وقت ان میں سے صرف دو گناہوں کی طرف آپ کی توجہ خاص طور پر مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ایک تکبر و دوسرا حسد

قیامت کے دن متکبروں کو حکم ہوگا۔

فَادْخُلُوا ابْوَابَ جَهَنَّمَ بَخَالِدِينَ
فِيهَا قَلْبُوسٌ مَّشْوَى الْمَتَكْبِرِينَ ه

سوء متکبروں کا کیا بڑا ٹھکانہ ہے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حسد کی قباحت و شاعت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فلق میں حسد کرنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

محترم حاضرین! ہمیں اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی صفائی اور دل کے تزکیہ کی بھی فکر ہونی چاہیے۔

اخلاقی خرابیاں | جہنم میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک عمل اخلاقی خرابیاں بھی ہیں، یعنی

جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، کسی پر بہتان باندھنا، امانت میں خیانت، کرنا، فضول خرچی کرنا، دیوث اور بے جیا ہونا، گالی، گلوچ کرنا۔

قرآن کریم میں بار بار آیا ہے :-

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت

وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

منافی کی نشانیاں بتایا ہے۔

بے حیائی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

عورتوں کا بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

اجنبی مردوں سے بلا ضرورت باتیں کرنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

مردوں کا دوسروں کے گھروں میں جھانکنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

عورتوں کو تاڑنا اور نظر بازی کرنا یہ بھی بے حیائی ہے۔

مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا یہ بھی بے حیائی ہے

اور زنا کرنا تو گویا بے حیائی کا آخری اور انتہائی درجہ ہے۔ سورۃ الفرقان

میں رب تعالیٰ زنا کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں :-

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ اور جو کوئی ایسا کریگا (یعنی زنا) اس کو

يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ ۝ سزا سے سابقہ پڑے گا۔ قیامت کے

الْقِيَامَةِ وَيَجْعَلُ فِيهِ مُهَنَّاهُ ۝ دن اس کا عذاب بڑھتا جائیگا، وہ

اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہیگا

(الفرقان)

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے

سامنے جہنم کا، جہنم کی سزاؤں کا اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کیا

ہے۔ جہنم تو ظاہر ہے، مرنے کے بعد ہی ہوگی۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہماری

بد اعمالیوں کی وجہ سے ہماری یہ دنیا کی زندگی بھی جہنم کا نمونہ بن چکی ہے،

ہمیں سکون حاصل نہیں، تحفظ حاصل نہیں، قتل و غارتگری ہے، لڑائی

جھگڑے ہیں، گھروں میں عداوتیں ہیں، اولاد باغی ہو چکی ہے، ڈاکوؤں کا راج ہے، بھتہ لینے والوں کی حکمرانی ہے، مکینہ صفت لیڈروں کا تسلط ہے، انتظامیہ کرپٹ ہے، رشوت کا بازار گرم ہے، ہر طرف لاقانونیت ہے، ظلم کا اندھیرا ہے، گلی کوچوں میں خوف کا بسیرا ہے ————— اس ماحول میں کتنے ہی لوگ ہیں جو اندر ہی اندر جل رہے ہیں۔ یہ عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ اسے میں جہنم کی جھلک نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ آئیے ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں تاکہ ہم اس جہنم سے بھی محفوظ رہیں اور اس جہنم سے بھی نجات پائیں۔

وما علینا الا البلاغ



یہود اور مسلم

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم نصاریٰ ہو زتمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

علامہ محمد اقبالؒ

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ کا جو قانون ہے وہ سب کے لئے ہے۔ معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں کہ ایک کو گناہ کی وجہ سے سزا دے اور دوسرے کو انعام دے، عزت اور ذلت، کامیابی اور ناکامی، عذاب اور ثواب کے جو لگے بندھے ضابطے ہیں۔ وہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی تھے اور مسلمانوں کے لئے بھی ہیں۔ اگر کتمانِ حق کی وجہ سے، عقیدہٴ آخرت میں بگاڑ کی وجہ سے، اللہ کے احکام میں تحریف کی وجہ سے، دوزنگی اور منافقت کی وجہ سے، بد عملی اور بد عہدی کی وجہ سے فرقہ واریت اور توہم پرستی کی وجہ سے، مالی معاملات میں گڑبڑ اور حرام خوری کی وجہ سے، زندگی سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے، دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے کی وجہ سے ————— یہودیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں نازل ہوگا، اگر یہودیوں پر ذلت مسلط ہو سکتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں مسلط ہو سکتی ————— اور ہو سکنے کا کیا مطلب؟ ہم پر تو ذلت مسلط ہو چکی ہے کشمیر سے لے کر بوسنیا تک، نو آزاد ریاستوں سے لے کر فلسطین تک، ایشیا سے افریقہ تک ذرا غور سے دیکھئے کون پٹ رہا ہے؟

یہود اور ہم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى سَيِّدِنَا رَسُولِنَا الْكَرِيمِ
 أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
 الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ
 بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط
 وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ
 فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ لَا
 يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ه

دوست نہ بنا لینا۔ یہ دونوں آپس میں
 ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو
 کوئی ان کو اپنا رفیق بنائے گا، اس کا شمار
 بھی انہیں میں ہوگا۔ اور ایسے ظالموں کو
 یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَأْتِيَنَّ
 عَلَى أُمَّتِي كَمَا آتَى عَلَى
 بَنِي إِسْرَائِيلَ خَذْوًا وَالنُّقْلَ ط
 بِالنُّقْلِ ط حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ
 مَنْ آتَى أُمَّةً عَلَانِيَةً لَكَانَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
 کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ میری امت پر بھی ویسا
 زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر
 آیتھا بالکل درست اور ٹھیک جیسی
 کہ دونوں جوتیاں برابر اور ٹھیک ہوتی
 ہیں، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے

فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ اگر کسی نے ماں سے علائقہ بد فعلی کی ہوگی
(ترمذی) تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے

جو ایسا کریں گے۔

گرامی قدر حاضرین! سورۃ المائدۃ کی جو آیت کریمہ میں نے آپ کے
سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے
کہ تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست
ہیں، وہ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔

کفر یہودیت کی شکل میں ہو یا نصرانیت کی شکل میں، ہندو مذہب
کی صورت میں ہو یا بدھ مذہب کی صورت میں، مجوسیت کے رُوپ
میں ہو یا الحاد و لامذہبیت کے لباس میں، کفر مشرق کا ہو یا مغرب کا
چین کا ہو یا روس کا ————— کفر ایک ہی ملت ہے۔ کفر جس
شکل میں بھی ہو، وہ اسلام کا دوست نہیں ہو سکتا، کہ یہ ایسی دو ضدیں
ہیں جو کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

ایک آگ ہے دوسرا پانی

ایک بلندی ہے دوسرا پستی

ایک دن ہے دوسرا رات

ایک زمین ہے دوسرا آسمان

ایک رحمت ہے دوسرا لعنت

ایک جہنم ہے دوسرا جنت

ایک رحمن سے ملتا ہے دوسرا شیطان سے۔

یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ آگ

اور پانی دن اور رات تو شاید جمع ہو بھی جائیں لیکن کفر اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، ہاں مختلف قسم کے کفر آپس میں جمع ہو جائیں تو کوئی بے انہونی بات نہیں، اس لئے ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے دوستی نہ رکھو۔

یوں تو سارے ہی کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں لیکن ان میں سے یہود اور نصاریٰ اور خاص طور پر یہود کی اسلام دشمنی میں تو ذرہ برابر بھی شک نہیں، سورۃ المائدہ میں ہے :-

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً
لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ
أَشْرَكُوا

تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ
شدید یہود کو پاؤ گے اور ان کو جو شریک
بتاتے ہیں۔

یہود کی اسلام دشمنی کے واقعات سے یوں تو تاریخ بھری پڑی ہے لیکن ان کی اسلام دشمنی کے ثبوت کے لئے ہمیں تاریخ کے اوراق کھنگالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر آپ اس وقت پوری دنیا میں ان علاقوں اور خطوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالیں، جہاں مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہیں تو آپ کو اس ظلم و ستم کے پیچھے کسی نہ کسی انداز میں کسی نہ کسی سطح پر یہودیوں کا ہاتھ دکھائی دیگا۔ لیکن اس وقت میرا موضوع یہ نہیں کہ حالات و واقعات کی روشنی میں آپ کے سامنے یہودیوں کی مسلمان دشمنی کو ثابت کروں۔ بلکہ آج کی نشست میں جو بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہم اپنی نظروں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ جس میں آپ نے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا۔ جب تم یہود کے نقش قدم پر چلو گے اور ان کے طور

طریقوں کو اختیار کر دے چنانچہ اب وہ وقت آچکا ہے۔ اور مسلمانوں کے عوام اور خواص کی اکثریت نے یہودیوں کے اعمال کو ان کے خیالات کو اور ان کے انداز کو اپنا لیا ہے۔

یقیناً آپ کو میرے یہ لفظاں مسلمان یہود کے نقش قدم پر

اور ہو سکتا ہے۔ آپ میں سے بعض اسے دیوانے کی بڑیا ایک مولوی کی مبلغ آرائی قرار دیں لیکن جب آپ کتاب و سنت کی روشنی میں یہود کے افکار و اعمال کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے گریبانوں میں نظر ڈالیں گے اور دورِ حاضر کے نام نہاد مسلمانوں کے شب و روز کا مطالعہ کریں گے۔ تو آپ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ واقعی یہودیوں سے نفرت کرنے کے باوجود اور ان پر لعنت بھیجنے کے باوجود شاید ہم لاشعوری طور پر یہود کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

یہودی مولویوں کی خرابیاں | وہ خرابیاں جو ربِّ کریم نے یہودیوں کے مولویوں

اور پیروں میں بیان فرمائی ہیں وہ دورِ حاضر کے بعض نام نہاد مولویوں اور پیروں میں پائی جاتی ہیں۔

میں علماء حق کی بات نہیں کرتا، میں صرف علماء سوء کی بات کر رہا ہوں
میں سارے مولویوں کو مطعون نہیں کرتا، میں صرف ان مولویوں کی
نشاندہی کر رہا ہوں جن کے سب سے بڑے خدا کا نام روپیہ پیسہ ہے اور
جو سیٹ کی خاطر اسلام کے ابدی احکام میں تحریف کے لئے ہر وقت آمادہ
محل ہیں۔

وہ جن کا قال کچھ ہے اور حال کچھ ہے

وہ جن کی جلوت اور خلوت میں بُعد المشرقین ہے۔

وہ جو کہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں سمجھاتے ہیں مگر سمجھتے نہیں، روکتے ہیں

مگر روکتے نہیں۔ انہی کے بارے میں سورۃ البقرہ میں ہے :-

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ
تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (البقرہ)

تم دوسروں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو،
مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ
تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو کیا
تم عقل سے کام نہ لو گے۔

اپسے ہی بے عمل یہودی مولوی تھے۔ جنہیں رب کریم نے اس گدھے
کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس کے اوپر بھاری بھر کم کتابیں لا دی جائیں۔
لیکن اسے ان کتابوں سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

بات صرف یہودی مولویوں کی نہیں، مسلمانوں میں بھی کتنے ہی مولوی
ہیں، جن کا یہی حال ہے۔

دوسروں کو فلمیں دیکھنے سے منع کرتے ہیں خود دیکھتے ہیں۔

دوسروں کو پرٹے کی تعلقین کرتے ہیں لیکن اپنے گھر میں پردہ نہیں

دوسروں کو بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی تعلقین کرتے ہیں لیکن اپنے بچوں

کو دینی تعلیم نہیں دلاتے۔

دوسروں کو سود خوری پر وعیدیں سناتے ہیں مگر خود سود کھاتے ہیں۔

یہودی مولویوں کی دوسری خرابی

نجات کے ٹھیکیدار

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ

بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے عوام

کے ذہن میں یہ بات بھادی تھی کہ قیامت کے دن ہماری سفارش بڑے بڑے مجرموں کو جنت میں پہنچا دے گی، اس لئے اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو ہمیں خوش رکھو، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کی بار بار تردید فرمائی، اور سمجھا دیا کہ قیامت کے دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ وہ صرف جنت کے ٹھیکیدار نہیں بلکہ اپنے آپ کو پورے دین کے ٹھیکیدار سمجھتے تھے۔ جس چیز کو چاہتے تھے حرام کر دیتے تھے اور جس چیز کو چاہتے حلال کر دیتے تھے۔ گویا انہوں نے اپنے آپ کو خدائی منصب پر فائز کر رکھا تھا،

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِخْذُوا أَحْبَابَهُمْ وَوَعْيَانَهُمْ أَرْبَابًا نَّهَرَالِيَا انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں
مِن دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْمِ ابْنِ مَرْيَمَ كُو خدایا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بچھا
بعض یہودیوں نے اعتراض کیا کہ ہم تو اپنے مذہبی رہنماؤں اور صوفیاء کو رب نہیں بناتے
پھر قرآن کیسے کہتا ہے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر انہیں رب بناتے ہیں اس اعتراض کے
جواب میں ان سے سوال کیا گیا کہ کیا ایسا نہیں کہ جس چیز کو تمہارا مذہب حلال کہتے ہیں
اسے تم بھی حلال کہتے ہو اور جسے وہ حرام کہتے ہیں اسے تم حرام کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں تو ایسا ہے۔
تو کہا گیا کہ یہی تو ان کو رب بنانا ہے۔

یہودی مولویوں کی تیسری خرابی قرآن کریم

تخریف و تغیر

میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تخریف کے ماہر تھے۔ انہوں نے صرف تاریخ ہی کو اپنی تخریف کا نشانہ نہیں بنایا، بلکہ توحید رسالت، آخرت، جنت اور دوزخ کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا کئے حتیٰ کہ ارفن کے ماہر یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اناجیل اربعہ کا حلیہ بگڑنے یا بگڑوانے میں جو پارٹ ادا کیا ہے وہ اب کسی صاحب علم سے پوشیدہ

نہیں رہا۔ سورۃ البقرہ میں ہے:-

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ
 وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
 يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ
 يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا
 عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ
 کیا اب تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ ایمان لے
 آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک فریق
 ایسا بھی ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کا کلام
 سُن کر پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالا اور وہ
 بھی اسی کو سمجھنے کے بعد اور یہ حرکت وہ
 دانستہ کر رہے تھے۔

(سورۃ البقرہ)

ان کی قساوتِ قلبی اور بندختی کی انتہا یہ تھی کہ تھوٹے سے مال کی خاطر اپنے
 ہاتھوں کہانیاں لکھ لکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ کتب
 مقدسہ کو اٹھا کر دیکھئے۔ ان کتابوں میں اللہ کے کلام کے ساتھ یہود کی تاریخ
 ان کے افسانے، ان کے مذہبی مسائل اور فقہی مباحث اس طرح خلط ملط کر
 دیئے گئے ہیں کہ عام آدمی کے لئے اللہ کے کلام اور ان کے ذاتی خیالات میں
 امتیاز بیکھ مشکل ہو جاتا ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت اور پھٹکا
 فرمائی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۷۹ میں ہے:-

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ
 الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ
 يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ
 اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا
 قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا
 كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ
 لَهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ
 ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے
 لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتابِ تصنیف
 کرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ
 اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے قدرتی
 قلیل معاوضہ حاصل کریں، افسوسناک
 ہلاکت کی موجب ہیں، ان کے ہاتھ کی
 لکھی باتیں اور جو کمائی اس ذریعہ سے

(سورة البقرہ)

اہوں نے کی ہے وہ تباہ ہونے والی ہے

یہودی مولویوں میں چوتھی بیماری جو پائیے

جاتی تھی وہ فرقہ واریت تھی۔

فرقہ واریت

کئی فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ترمذی کی حدیث میں رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بہتر فرقوں کی خبر دی ہے

ان کا دعویٰ تھا کہ صرف ہم ہی جنت میں جائیں گے کوئی دوسرا جنت

میں نہیں جاسکتا۔

وَقَالُوا لَنْ نَدْخُلَ الْجَنَّةَ

اور یہود و نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ جنت

میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا، سوائے

ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا ان کے

أَوْ نَصَارَىٰ ط

لوگوں کے جو نصاریٰ ہوں۔

(سورة البقرہ)

نہی عن المنکر کا ترک

یہودی مولویوں کی پانچویں بیماری

جو قرآن کریم کے مطالعہ سے منہ

آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔ سب کچھ

اپنی نظروں کے سامنے ہوتا دیکھتے تھے۔ مگر خاموش رہتے تھے، ان کی زبانیں

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے گنگ ہو چکی تھیں۔ اور گنگ ہونے کی

بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ خود بھی انہی برائیوں میں مبتلا تھے۔ سورة المائدہ میں

لَوْلَا يَنْهَاهُمْ رَبِّيَانِيُونَ

کیوں نہیں منع کرتے ان کے علماء اور

درویش گناہ کی بات کہنے سے اور بالحرمان

کھانے سے منع کرتے بھی کیسے جبکہ وہ

خود بھی اس گناہ میں بھی مبتلا ہیں۔

وَالْأَحْبَارُ مِمَّنْ قَوْلُهُمُ الْإِثْمُ

وَيَا كَلِمَةُ السُّحْتِ لِبَيْسٍ

مَا هَا نُوايَصْنَعُونَ

میں نے یہودی علماء کی پانچ بڑی بڑی حسدِ ابیاں اپنے ناقص مطالعہ
 ونگران سے اخذ کی ہیں۔ میں خود بھی علماء کی جوتیوں میں بیٹھنے والا ایک ناقص
 سا فرد ہوں اور بخوام کی نظر میں میرا شمار بھی مولویوں میں ہوتا ہے، لیکن اسکے
 باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ پانچوں خرابیاں بعض مسلمان مولویوں کے
 ہاند بھی پائی جاتی ہیں۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا نہ زند
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
 میں زہرِ بلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میری اس بات سے کوئی راضی ہو یا ناراض۔ میں یہ ضرور کہوں گا
 کہ ایسے نام نہاد مولویوں کی کمی نہیں جو دوسروں کو کہتے ہیں، اور خود عمل
 نہیں کرتے۔

ایسے بھی ہیں جو جنت کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں۔ ان کی تسلی آمیز
 باتوں سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بس وہی جنت جاسکیں گے، جسے وہ اجازت
 دیں گے اور وہ جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا جس سے یہ ناراض ہونگے
 آپ کو ایسے علامہ فہامہ بھی مل جائیں گے جو حکمرانوں کی خوشنودی
 کے لئے

زمانے کے رسم و رواج نبھانے کے لئے

ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کے لئے۔

اپنے فرقے اور حقیقت کے لئے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث

میں معنوی تخریف کے لئے تیار رہتے ہیں۔
ایسے خطیبوں اور واعظوں اور مذہبی لیڈروں کی بھی کمی نہیں جن کا اڑھنا

پھوننا فرقہ واریت ہے۔

فرقہ واریت ان کی زندگی ہے اور اتحادِ اُمت ان کی موت ہے۔
فرقہ واریت ان کا روزگار ہے اور اتحادِ اُمت ان کی بیروزگاری ہے
فرقہ واریت ان کی جھوٹی عزت کا غازہ ہے اور اتحادِ اُمت ان کی

رُوسیا ہی ہے۔

اگر فرقہ واریت ختم ہو جائے تو یہ بھوکے مر جائیں۔

ان کی دوکانیں اُجڑ جائیں

انہیں علامہ کہنے والا کوئی باقی نہ رہے

پانچویں اور آخری خرابی بھی آپ کو کئی مدعیانِ علم میں دکھائی دیگی۔

ہم بُرائی کا ارتکاب دیکھتے ہیں۔

اللہ کے احکام ٹوٹتے دیکھتے ہیں۔

ظلم کی بھڑکتی ہوئی آگ دیکھتے ہیں

اور کہاں نہیں دیکھتے؟

اپنے گھر میں دیکھتے ہیں

بازار میں دیکھتے ہیں۔

حکومت کے ایوانوں میں دیکھتے ہیں

اپنے خاندان میں دیکھتے ہیں۔

اور اپنی جماعت میں دیکھتے ہیں

مگر پھر بھی خاموش رہتے ہیں۔

یہ تو چند خرابیاں وہ تھیں جو ان کے علماء میں پائی جاتی تھیں۔ اب میں چند ایسی خرابیوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو یہودی عوام میں پائی جاتی تھیں

عقیدہ آخرت کا بگاڑ

آخرت کے بارے میں یہودی عوام کے عقیدے میں بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ جھوٹی آرزوؤں کے سہارے جی رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اللہ کے لادولے اور پیارے ہیں، اسلئے اول تو وہ ہمیں جہنم میں ڈالے گا نہیں۔

اور اگر بالفرض ہم جہنم میں گئے بھی تو محض چند دن کے لئے جائیں گے پھر ہم ہوں گے اور جنت ہوگی۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ
إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ
أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا
فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ
أَمْ تَقُولُونَ عَلَى
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ه

اور یہود کہتے ہیں کہ ہم کو گنتی کے چند دن سے زیادہ آگ چھو نہیں سکتی، تم کہو کہ نبی کہ اللہ سے تم نے کوئی اقرار لے لکھا ہے؟ اللہ تو فی الواقع اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا یا تم خود ہی اللہ پر وہ باتیں جوڑ کر کہہ دیتے ہو، جس کا تمہیں مطلق علم نہیں۔

(سورۃ البقرہ)

سچ کہیئے گا کیا آج بہت سارے مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ نہیں ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم اللہ کے محبوب کی امت میں ہیں، اسلئے اولاً تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر بالفرض جانا بھی پڑا تو بس چند دن جہنم میں گذاریں گے اور پھر منستے کھیلنے جنت میں چلے آئیں گے۔

یہ وہ سوچ ہے جس نے بہت سارے لوگوں کو گناہوں پر جبری کر دیا ہے وہ بخشش کی امید پر گناہ پر گناہ کٹے جاتے ہیں اور انہیں توبہ کی توفیق بھی نصیب

ٹونے ٹوٹکے

قرآن بتاتا ہے کہ یہود میں توہمات پرستی عام ہو چکی تھی۔ سحر اور ٹونے ٹوٹکوں کا زور تھا

سب سے زیادہ ایسے تعویذات اور ٹوٹکوں کی مانگ تھی جو جوڑ توڑ کا کام کریں کسی کو بلا دیں، کسی کو جدا کر دیں بلکہ وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بھی انہی ٹونے ٹوٹکوں کا مرہون منت تھا۔

آج مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ توہم پرستی عام ہے۔ ایسے "بابوں" کی کثرت ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ہم پل بھر میں محبوب کو قدموں میں ڈال سکتے ہیں، سنگدل افسر کو موم کر سکتے ہیں، بیروزگاروں کو روزگار دلا سکتے ہیں اور دل کی ہر مراد پوری کر سکتے ہیں۔

اپنے شہروں کی دیواروں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ آپ کو اپنی قوم کے مزاج اور رجحان کا اندازہ ہو جائیگا۔ ظاہر ہے کہ اشتہار بازی اسی چیز کی جاتی ہے جس کی مانگ زیادہ ہوتی ہے۔

عوام کو چھوڑیٹے، خواص کا خیال ہے کہ ہمارے کئی لیڈران کرام ایسے عاملوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ جو انہیں عملیات کے ذریعے لیلائے اقتدار سے ہم آغوش کر دیں۔

پچھلے ہونوں ہماری وزیر اعظم صاحبہ کے بارے میں شائع ہوا تھا کہ کسی باباجی نے انہیں طوالت اقتدار کے لئے دریائے راوی میں ننگے پاؤں چلنے کا نسخہ بتایا۔ چنانچہ وہ کئی گھنٹے دریائے راوی میں ننگے پاؤں گھومتی رہیں۔ ان کے قریبی مخالف لیڈر صاحب اکثر ایسے عاملوں سے آشیرواد لیتے رہتے ہیں۔

مالی معاملات میں گڑبڑ | قرآن نے یہودیوں کی جو

تیسری بیماری بتائی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مالی معاملات میں گڑبڑ کرتے تھے۔ قومی نخوت کی وجہ سے غیر یہودی کا مال شیرِ مادر کی طرح اپنے لئے حلال سمجھتے تھے، سود خوری ان کی سرشت میں داخل تھی، کل بھی یہود سود خور تھے اور آج بھی سود خوری پر مبنی سارا نظام یہود کے قبضے میں ہے۔ دوسروں کا حق دبا جانا ان کے ہاں عیب نہیں، کمال کی بات تھی

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵، میں ہے :-

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ
تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّيهِ إِلَيْكَ
وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ
بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّيهِ إِلَيْكَ إِلَّا
مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ شَاطِئُ مَا
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا أَلَيْسَ
عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ
(سورۃ آل عمران)

اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تم مال کا ڈھیر بھی دے ڈالو گے تو وہ تمہیں یہ امانت واپس کر دیگا اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر ایک دینار بھی تم نے دیا ہوگا، تو واپس نہ کریگا۔ یہاں تک کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ، یہ بد معاملگی پیدا ہونے کا سبب ان کا یہ قول ہے کہ غیر یہودی لوگوں کا حق مار لینے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔

سورۃ المائدہ میں ہے :-

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ
أَكْثُونَ لِلسُّحْتِ
یہ جھوٹی بات کے کہنے والے اور مال حرام کے کھانے ہیں۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے تین ایسے گناہ بیان فرمائے

ہیں جن کی وجہ سے ان پر وہ چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان پر پہلے حلال تھیں
ان تین میں سے دو گناہ یہ ہیں :

وَ أَخَذِهِمُ الرِّبْوَةَ وَ قَدْ
هُوَ اِهْنَةُ وَ آكَلِهِمْ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ
اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا

وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ انہیں سود
کی ممانعت کی جا چکی تھی، اور لوگوں کا
مال ناحق کھا جاتے تھے اور ایسے کافروں
کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار
کر رکھا ہے۔

اگر ہم ان آیتوں کو پڑھ پڑھ کر صرف
یہودیوں پر لعن طعن کرتے رہے تو

قومی مزاج کا بگاڑ

ہمیں اپنی اصلاح کی کبھی توفیق نصیب نہیں ہوگی۔ اگر ہم بے لاگ طریقے
سے اپنا پوسٹ مارٹم کریں تو ہم یہ ضرور تسلیم کریں گے کہ مالی معاملات میں
گڑبڑ ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے۔ بلکہ یہ مزاج کچھ ایسا بگڑا ہے کہ اب
ہمیں حلال کھانے میں مزہ ہی نہیں آتا۔ اوپر سے نیچے تک رشوت ستانی
لوٹ مار، فراڈ اور دھوکہ دہی کی داستانیں غریب کی جھونپڑی سے لے
کر امیر کے محل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری قوم کرپٹ
ہو چکی ہے۔ کوئی سرکاری سودا بغیر کمیشن کے طے نہیں پاتا۔

سڑکوں کی تعمیر میں کمیشن
نہروں کی کھدائی میں کمیشن
اسلحے کی خریداری میں کمیشن

اور یہ کمیشن کوئی معمولی نہیں ہوتا، کروڑوں ڈالر کمیشن میں کما لئے

جاتے ہیں۔

جس کا داؤ چلتا ہے وہ ہاتھ کی صفائی دکھانے سے باز نہیں آتا اور اس ملک کا ہر فرد ان رشوت خور اور کمیشن خور مگر مچھوں کی وجہ سے پریشان ہے کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہر محکمے میں رشوت کا چلن عام ہے۔

امپورٹ ایکسپورٹ میں رشوت
شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوانے میں رشوت
ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنے میں رشوت
کالجز اور یونیورسٹیز کے داخلوں اور امتحانات میں رشوت
تھانوں میں رشوت

حد یہ ہے کہ کچھ لوگوں اور عدالتوں میں رشوت
بات صرف رشوت تک محدود نہیں رہی بلکہ حرام خوری کے جتنے
طریقے بھی آپ کے ذہن میں آسکتے ہیں وہ سارے کے سارے ہمارے
ہاں رائج ہیں۔

سودی کاروبار میں ہمیں کوئی عار نہیں
چوری اور ڈکیتی میں کوئی شرم نہیں
ملاوٹ اور دھوکہ دہی میں کوئی حجاب نہیں
وطن فروشی، ایمان فروشی اور ضمیر فروشی کوئی عیب نہیں۔
مال کی شدید ترین محبت جو صرف یہودی قوم کا خاصہ تھی وہ اب ہمارا
مزاج بن گئی ہے اور مال کی محبت میں ہم حلال و حرام کی ساری حدود
پھلانگ گئے ہیں۔ ہمیں نہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام
کا خیال ہے، نہ وطن کی عزت اور جگ ہنسائی کا احساس ہے۔

زندگی سے شدید محبت | یہودیوں میں جو چوتھی بیماری پائی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ

زندگی سے شدید ترین محبت کرتے تھے اور حیرت کی بات یہ کہ دنیا کی زندگی سے شدید محبت کے ساتھ ساتھ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ آخرت کی تمام خوشیاں اور کامیابیاں ہمارے لئے ہیں۔

مغفرت ہمارے لئے ہے
اللہ کی محبوبیت ہمارے لئے ہے
جنت ہمارے لئے ہے۔

حالانکہ وہ صاحبِ ایمان جو عمل صالح سے لدے ہوئے ہوں اور جنہیں آخرت کی کامیابی کا یقین ہو وہ اپنے لئے دنیا کو ایک قید خانہ سمجھتے ہیں اور زیادہ دن دنیا میں رہنے کی آرزو کبھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے اس صحابی کا واقعہ ضرور سنا ہوگا جو میدانِ جنگ میں کھجوریں کھا رہے تھے مگر جب انھوں نے حضور علیہ السلام سے یہ سنا کہ شہادت کا بدلہ جنت ہے تو وہ فرمانے لگے کہ اگر میں کھجوریں کھاتا رہا تو جنت میں پہنچنے میں بہت دیر ہو جائے گی۔ چنانچہ کھجوریں پھینک دیں اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

تو جسے جنت میں جانے کا یقین ہو وہ کبھی بھی دنیا پر اور دنیا کی دلفریبیوں پر فریفتہ نہیں ہو سکتا۔ جب کہ یہود جنت کے حقدار ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کل بھی دنیا پر مرتے تھے اور آج بھی دنیا پر مرتے ہیں، نیویارک سے لندن تک اور ہالی وڈ سے پیرس تک ان کی حبِ دنیا کے واقعات ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔

جب نزولِ قرآن کے زمانہ میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں اللہ کے
ہاں مخصوص مقام حاصل ہے اور ہمارے سوا کوئی دوسرا جنت میں نہیں
جائے گا تو اللہ نے اپنے نبی سے کہا ان سے پوچھئے :-

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ
عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ
النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ
كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَنْ يَتَمَنَّوَهُ
أَبَدًا أَبَاقَدِّمَتْ أَيْدِيهِمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝
وَلِتَجِدَ فِيهِمْ أَحْرَصَ النَّاسِ
عَلَى حَيَاتِهِ جِزْمًا مِنَ الَّذِينَ
أَشْرَكُوا بِهِ يَوْمَ تَأْتِيهِمْ
لَوِيعَةُ الْمَوْتِ سَنَةً
وَمَا هُوَ بِمُرْحِرِحِهِ
مِنَ الْعَذَابِ أَلَّا
يُعَمَّرُوا وَاللَّهُ بَصِيرٌ
بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

ان سے کہو کہ اگر واقعی اللہ کے پاس
آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر تمہارے
لئے مخصوص ہے تو موت کی تمنا کرو
اگر تم سچے ہو لیکن وہ اس کی تمنا کبھی ہرگز
نہ کریں گے کیونکہ اپنے ہاتھوں سے بُرے
کرتوت جو سمیٹ چکے ہیں اور اللہ کو ان
ظالموں کا حال خوب معلوم ہے، تم ان
یہود کو جینے کا حرص سب سے زیادہ
پاؤ گے، حتیٰ کہ جینے کی تمنا اور حرص میں
یہ مشرکین سے بھی آگے ہیں۔ ان کا ایک
ایک یہودی یہ چاہتا ہے کہ کاش
وہ ہزار ہزار برس جیتا رہے مگر عمر دراز
مل بھی جائے تب بھی اسے عذاب سے
دور تو نہیں ڈال سکتی، اللہ دیکھ رہا
ہے جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ)

قرآن نے یہودیوں کی زندگی سے محبت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ہم میں
سے بہت سوں پر بڑی اچھی طرح صادق آتا ہے۔
ہمارا دنیوی لذتوں میں انہماک۔

عیش و عشرت اور حصولِ دولت میں استغراق
سینکڑوں ہزاروں سال میں بھی مکمل نہ ہونے والے طویل منصوبے

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بے خوفی

آخرت اور آخرت آن تیاری سے غفلت

ان میں سے ایک ایک چیز اس بات کی خبر دیتی ہے کہ شاید ہم نے
ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے اور ہم نے کبھی بھی موت کا منہ نہیں دیکھنا۔
ظاہر ہے دنیا میں ایک معین اور محدود زندگی سے زیادہ ایک سانس
بھی کسی کے بس کی بات نہیں اگر بالفرض ایسا ہوتا تو یہاں ایسے ایسے لوگ
بھی ہیں جو ایک ایک سانس ہزاروں میں خریدنے کے لئے تیار ہوتے

یہودیوں یا بنی اسرائیل میں پائی جانے والی
ناشکراپن | چوتھی کمزوری جو قرآن نے بیان کی ہے،

وہ ان کا ناشکراپن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر احسانات اور انعامات کی بارش برسائی مگر انہیں

شکرگاہ توفیق نصیب نہ ہوئی۔

ان میں بیسیوں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے

انہیں فرعون کے بدترین مظالم سے نجات دلائی گئی

ان کے لئے دریا خشک کر دیا گیا

ان کے لئے خشک چٹان سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے گئے۔

وہ ہجرت کر کے جزیرہ نما سینا میں پہنچے تو دھوپ سے بچاؤ کے

لئے بادل ان پر سایہ فگن ہو گئے۔

ان کے کھانے کے لئے من و سلویٰ کا انتظام کر دیا گیا۔

احسانات کی اس بارش کے جواب میں ان ظالموں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام کے مقدس خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

فرعون سے بچ نکلنے کے بعد راستے میں کچھ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا تو کہنے لگے۔

اجْعَلْ لَنَا الْهَآكَمَا هُمْ هَمَا لَيْسَ بِهِيَ اِيْسَاءِى مَعْبُوْدٌ بِنَايِكِيئِ الْهَيْتَةِ
جیسے ان کے معبود ہیں۔

انہیں حکم دیا گیا کہ جب تم بستی میں داخل ہو تو جھکے جھکے داخل ہونا اور حِطَّةٌ حِطَّةٌ (توبہ توبہ) کہتے ہوئے داخل ہونا مگر ہوا یہ کہ وہ سرینوں پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ان کی زبانوں پر حِطَّةٌ (توبہ) کی بجائے حِطَّةٌ (گندم) کے الفاظ تھے۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے جواب میں ناشکرے پن کا رویہ اختیار کیا تو انہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیا گیا۔ اور یہی اللہ کا دستور ہے اور یہ دستور جیسے بنی اسرائیل میں کارفرما تھا، ہمارے اندر بھی کارفرما ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بنایا
خیر الامم ہونے کا شرف بخشا۔

قرآن کی صورت میں رُشد و ہدایت کا منشور اور عزت و سرفرازی کا دستور ہمیں عطا فرمایا۔

ہم جب تک ان نعمتوں کی قدر کرتے رہے، چار دانگ عالم میں ہمارا پھر برا ہر اتارا۔

کافر ہم سے ٹھہراتے تھے اور مشرک ہمارے نام سے کانپتے تھے۔

جب ہم نے شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا معمول بنا لیا، تو ہم ذلت کے اندھے کنوئیں میں جا گرے۔

آج ہم سے کوئی نہیں ڈرتا ہم ہر کسی سے ڈرتے ہیں۔

ہم نے اللہ کا در چھوڑا تو ہمیں دردِ در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔

اور یہی اللہ کی سنت ہے جو شکر کرتا ہے۔ اسے وہ مزید نوازتا

ہے اور جو کفرانِ نعمت کرتا ہے، اسے عبرت کا نشان بنا دیتا ہے۔

لَسِيَ شُكْرُكُمْ لَا يَزِيدُكُمْ
وَلَسِيَ كُفْرُكُمْ اِنْ

اگر تم نے شکر کیا تو تمہیں اور زیادہ
دوں گا اور اگر تم نے کفر کیا تو بیشک

میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝

بنی اسرائیل میں پانچویں

کمزوری یہ پائی جاتی تھی

سنتے تھے عمل نہیں کرتے تھے

کہ وہ سنتے تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے۔

ایمان کا لفظی دعویٰ تھا مگر عمل کی دلیل نہیں تھی۔

گفتار تھی کہ دار نہیں تھا۔

سماعت تھی حرکت نہیں تھی۔

اور کون نہیں جانتا کہ صرف دعویوں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

صرف گفتار سے محل تو کیا جھونپڑا بھی تعمیر نہیں ہوتا۔

صرف سماعت سے انقلاب نہیں آتا۔

ان بدبختوں کا حال یہ تھا کہ ان کے سروں پر کوہ طور کو کھڑا کر کے

حکم دیا گیا کہ جو کچھ ہم تمہیں دے رہے ہیں۔ اسے طاقت سے پکڑ لو اور

اس پر عمل کرو مگر وہ کہنے لگے۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا
ہم نے سن لیا مگر ہم سے نہیں ہو سکے گا
اگر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جائزہ لیں تو ہمارا بھی سب سے
بڑا مسئلہ یہی دکھائی دے گا کہ دعویٰ بہت ہیں

تقریریں بہت ہیں

باتیں بہت ہیں

وعظ اور لیکچر بہت ہیں مگر عمل نہیں ہے

نہ سننے والا عمل کرتا ہے نہ سنانے والا عمل کرتا ہے

نہ عوام عمل کرتے ہیں نہ لیڈر عمل کرتا ہے بلکہ ہویہ رہا ہے کہ ظلم کرنے
والے ظلم کے خلاف لیکچر دیتے ہیں۔

حرام کھانے والے حرام کے خلاف تقریریں کرتے ہیں

گندگی پھیلانے والے گندگی کے خلاف سیمینار منعقد کرتے ہیں۔

جعلی دوائیں بیچنے والے جعلی دواؤں کے خلاف جہاد کا اعلان

کرتے ہیں

غریبوں کے حقوق دبانے والے غریبوں کی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں۔

الغرض باتیں ہی باتیں ہیں۔ تقریریں ہی تقریریں ہیں، وعظ ہی وعظ

ہیں مگر عمل نہیں ہے۔ یہ پانچ بڑی بڑی حسرا بیاں تھیں جو یہودیوں میں پائی

جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی قرآن کریم نے ان کی کئی کمزوریوں اور کئی خرابیوں

کی طرف اشارے کئے ہیں مثلاً قرآن بتاتا ہے کہ

ان کے اندر دورنگی اور منافقت پائی جاتی تھی۔

وہ انسان تو انسان اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کا بھی پاس نہیں

رکھتے تھے۔

ان کے دل پتھروں سے زیادہ سخت ہو گئے تھے۔
 وہ دین کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنے کی کوشش کرتے تھے۔
 وہ دین کا مذاق اڑاتے تھے
 وہ بزدل اور کم ہمت تھے۔

ان بیماریوں اور برائیوں میں مبتلا ہونے کی
 وجہ سے یہودیوں پر بدترین ذلت مسلط کر

دَائِمِي ذِلَّت

دی گئی۔ ربِّ کریم نے اعلان فرما دیا کہ اے یہود تمہارے پاس دولت
 کے انبار کیوں نہ ہوں۔

تمہارے پاس حکومت اور اقتدار کیوں نہ ہو۔

قیامت کے دن تک تم پر کوئی نہ کوئی شخص، کوئی نہ کوئی جماعت
 اور کوئی نہ کوئی ایسی حکومت ضرور مسلط رہے گی جو تمہارے سر پر جواتے مانتی

رہے گی۔ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ میں ہے :-

وَ اِذْ تَاذَنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ
 وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے

اعلان کر دیا کہ برابر مسلط کرتا ہے ان پر
 عَلَيْهِمْ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ
 قیامت کے دن تک ایسے لوگ جو

يَسُوْمُهُمْ سُوْرَةَ الْعَذَابِ ط
 انہیں بدترین تکالیف دیتے رہیں گے،

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَ
 بیشک تمہارا رب جلد عذاب کرتی والا

اِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
 ہے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

(الاعراف)

حضرت مسیح علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے سے آٹھ سو سال

پہلے سے یہود کو نوٹس دیا جاتا رہا کہ سنبھل جاؤ، سمجھ جاؤ، باز آ جاؤ، ورنہ

تمہارے گلے میں ذلت کا ایسا طوق ڈال دیا جائے گا کہ قیامت تک اس سے

چھٹکارا حاصل نہیں کر سکو گے، لیکن وہ نہ سمجھے نہ باز آئے چنانچہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے گلے میں ذلت کا طوق ڈال دیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ یہودی مالدار بھی ہیں، تاجر بھی ہیں۔

بینکاری پران کا پورا تسلط ہے

ان کے پاس بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنکے ہیں۔

چھماتی کاریں ہیں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود انہیں عزت کی زندگی کہیں نہیں ملی، وہ ہمیشہ ذلیل رہے، کوئی نہ کوئی طاقت ان پر ضرور مسلط رہی، انہیں امن و سکون اور پورا پورا تحفظ کبھی نصیب نہیں ہوا

ہم، ہمیں مستثنیٰ کیوں؟ | میرے بزرگو اور دوستو! اللہ کا جو قانون ہے وہ سب کے لئے

ہے، معاذ اللہ وہ ظالم نہیں کہ ایک کو گناہ کی وجہ سے سزا دے اور دوسرے کو انعام دے۔

عزت اور ذلت، کامیابی اور ناکامی، عذاب اور ثواب کے جو لگے بندھے ضابطے ہیں وہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی تھے اور مسلمانوں کے لئے بھی ہیں۔

اگر کتمانِ حق کی وجہ سے

عقیدہٴ آخرت میں بگاڑ کی وجہ سے

اللہ کے احکام میں تحریف کی وجہ سے۔

دورنگی اور منافقت کی وجہ سے

بد عملی اور بد عہدی کی وجہ سے۔

فرقہ داریت اور توہم پرستی کی وجہ سے
 مالی معاملات میں گڑبڑ اور حرام خوری کی وجہ سے -
 زندگی سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے -
 دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے کی وجہ سے
 یہودیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے تو ہم پر کیوں نہیں نازل
 ہوگا اگر یہودیوں پر ذلت مسلط ہو سکتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں مسلط ہو سکتی،
 اور ہو سکنے کا کیا مطلب؟

ہم پر تو ذلت مسلط ہو چکی ہے -

کشمیر سے لے کر بوسنیا تک، نو آزاد ریاستوں سے لے کر فلسطین تک
 ایشیا سے افریقہ تک، ذرا غور سے دیکھیے کون پٹ رہا ہے -
 کس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں -
 کس کی عزت و ناموس پامال کی جا رہی ہے -
 کس کا خون بے دریغ بہایا جا رہا ہے -
 اے اللہ کے بندو! اب تو سمجھنے کی کوشش کرو -

تمہاری کامیابی یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر چلنے میں نہیں ہے
 تمہاری کامیابی تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلنے
 میں ہے -

یہودیانہ صفات و اخلاق کو چھوڑو اور مصطفوی اخلاق و صفات
 کو اپنی زندگی کا حصہ بناؤ -

زمانے کے پیچھے نہ چلو، زمانے کو اپنے
 پیچھے چلاؤ،

مقتدی نہیں امام

مقتدی نہیں امام بنو

غلام نہیں آقا بنو

اور تمہیں آقائی تب نصیب ہوگی جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گھلے میں ڈالو گے۔

زمانے کی باتوں اور دنیا کے طعنوں کی ہرگز پرواہ نہ کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اس قسم کے طعنوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ جہلاء کی باتوں اور طعنوں کی وجہ سے سرکارِ دو جہاں صلتے اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

صحابہ کرام کا جذبہ اتباع سنت

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا، تو سنت کے مطابق ان کا زیر جامہ آدھی پنڈلی تک تھا اور قریش اسے معیوب سمجھتے تھے، اسلئے آپ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید نے آپ سے کہا کہ اپنا زیر جامہ ذرا نیچے کر لیجئے تاکہ سردارانِ قریش آپ کو حقیر نہ سمجھیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پر راضی نہ ہوئے اور جواب میں فرمایا کہ "ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا زیر جامہ ایسا ہی ہے۔ جب آقا کا زیر جامہ ایسا ہے تو کسی کے معیوب سمجھنے کی وجہ سے میں آپ کا طریقہ کیوں چھوڑوں۔"

اسی طرح حضرت جثامہ بن مساحق کنانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر ہرقل شاہِ روم کے پاس بھیجا جب وہ اسکے دربار میں پہنچے تو بے خیالی میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے، اچانک ان کی نظر پڑی تو انھوں نے دیکھا کہ وہ سونے کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ نظر پڑتے

ہی وہ فوراً اس کرسی سے نیچے اتر آئے۔ ہرقل یہ دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا ہم نے تو اس کرسی پر بیٹھا کرتے تھے، اعزاز کیا تھا تم کیوں اتر گئے ہو، آپ نے جواب دیا، میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس جیسی کرسی کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کی سپر پاور ایران کے بادشاہ کسری کے دربار میں مذاکرات کے لئے پہنچے تو وہاں انکے سامنے اعزاز کے طور پر کھانا لاکر رکھا گیا۔ کھانے میں تہذیب کے بڑے بڑے دعویدار اور کسری کے حوالی موالی بھی شریک تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اس نوالے کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ایک صاحب نے اشارہ سے آپ کو ایسا کرنے سے منع کیا تاکہ تہذیب کے ان جھوٹے دعویداروں کی نظر میں ان کا مقام نہ گر جائے اور وہ آپ کو حریص اور لالچی نہ سمجھ بیٹھیں۔ آپ نے وہ نوالہ اٹھانے کے ساتھ ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا:-

أَتْرَكَ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ كَمَا مَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُمْ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَوْلَادِ الْحَمِّي كَوَانِ أَحْمَقُونَ كِي وَجْهٍ سَعِ چھوڑ دوں،

کہاں وہ اور کہاں ہم | کہاں تو وہ صحابہ کرام تھے جو سگان
کہاں وہ اور کہاں ہم | دنیا کے طعنوں کے خوف سے

تہذیب و تمدن کے جھوٹے دعویداروں سے ڈر کر

قیصر و کسری کے شاہانہ کرد و فر سے مرعوب ہو کر

مکی و مدنی قریشی و ہاشمی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بھی سنت چھوڑنے

کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے اور کہاں ہم ایسے نالائق اور بے وقاف انسان
ہیں جو ماڈرن بننے کے شوق میں

جو یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے

ایک تو کیا ساری سنتیں بلکہ سارا دین چھوڑنے کے لئے تیار ہیں
ہماری شکلیں مجوسیوں اور نصاریٰ جیسی

ہماری سیرت یہود و ہنود جیسی

ہماری راتیں رقص و سرود میں رنگی ہوئی

ہمارے دن دنیا طلبی اور دولت پرستی میں ڈوبے ہوئے

ہماری معیشت حلال و حرام کی قیود سے آزاد

ہماری سیاست مفاد پرستی اور ضمیر فروری کا سپیل

اور کمال یہ کہ پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان اور عاشق رسول ہیں،

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ یہ کہ صرف ہم مسلمان اور صرف ہم ہی عاشق
رسول ہیں

اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ، غیروں کی نقالی نہ کرو، آقلے دو جہاں

بے اللہ علیہ وسلم کی نقالی کرو،

یہود و نصاریٰ کو آئیڈیل نہ بناؤ

مردِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آئیڈیل بناؤ۔

ان کی اتباع نہ کرو جن کی اتباع میں ذلت ہے، خواری ہے، عذاب

ہے، اللہ کی ناراضگی ہے، آخرت کی رسوائی ہے، جہنم ہے۔

اس کی اتباع کرو جس کی اتباع میں عزت ہے، عظمت ہے، ثواب ہے

اللہ کی رضا ہے، آخرت کی کامیابی ہے، جنت ہے۔

آج دنیا کی ایک تہائی آبادی ہماری ہے۔ جتنے وسائل آج ہمارے پاس
ہیں، اسی سے پہلے کبھی نہ تھے لیکن پھر بھی ہم ہر جگہ پٹ رہے ہیں

یہودیوں سے پٹ رہے ہیں۔

سُرووں سے پٹ رہے ہیں

روسیوں سے پٹ رہے ہیں

اور جہاں ہمیں کوئی نہیں پیٹ رہا، وہاں ہم خود ہی ایک دوسرے کو

پیٹ رہے ہیں۔

یہ سارے حالات نتیجہ ہیں دین سے بے وفائی کا

یہود و نصاریٰ کی نقالی اور اتباع کا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال چھوڑنے کا۔

آئیے ہم عہد کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد ہم یہود و نصاریٰ کے بجائے

مسرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے۔ دین کے لئے جیئیں گے

اور دین کے لئے مریں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کی توفیق دے۔ اور

اُپ کو بھی۔ و ما علینا الا البلاغ

مسلمان عورت

اپنی عظمتوں کو ذرا اپنی نگاہوں سے بھی دیکھ
ترے جلووں سے ہے معمور ضمیر انسان
برف تو برف ہے پتھر بھی کچھل سکتے ہیں
تو جو بیدار کرے آتشِ قلبِ سوزاں

الہی! ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو دیکھنا ہی دے
الہی! نئی پود کو فصلِ بہاڑی دے
بچالے مومنہ کو لے خدا مغرب پرستی سے
بچا اس شمع کو بادِ فنا کی چیرہ دستی سے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجددیؒ

» یہ عورتیں تاتاریوں کے جس خاندان اور جس قبیلے میں بھی باندیاں بن کر داخل ہوئیں، اس خاندان اور قبیلے میں اسلام کے نور کو پھیلاتی چلی گئیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد چشم فلک نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ وہی ترک جن کے ہاتھوں میں اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لئے کل تلواریں تھیں، وہی ہاتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھے، وہی پیشانیاں جن پر کسی مسلمان کو دیکھ کر بل پڑ جاتے تھے، وہ آج سجدے میں گھس رہی تھیں، وہی آنکھیں جن میں کل تک کفر و عدوان کے شرارے تھے۔ آج ان آنکھوں سے قیامت کے خوف سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

وہ کام جو مسلمان مردوں کی تلواریں نہ کر سکیں وہ کام مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت نے سرانجام دیدیا۔ وہ قوم جسے مسلمان نوجوانوں کی جوانیاں شکست نہ دے سکیں اس قوم کو بے سہارا مسلمان باندیوں نے اسلام کے قدموں پر لاکر ڈھیر کر دیا۔

مسلمان عورت لہ

مُحَمَّدُهُ وَنُصَلِّيَ عَلَى سَيِّدِنَا وَرَسُولِنَا الْكَرِيمِ أَمَا بَعْدُ:
 فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ
 وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
 وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ
 وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ
 وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ
 وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ
 وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
 وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ
 وَالْحَافِظِينَ نُرُوجَهُمْ
 وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ
 اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ
 أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا
 عَظِيمًا (الاحزاب ، ۳۵)

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور
 ایما نذا مرد اور ایما نذا عورتیں اور بندگی
 کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں،
 اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے
 والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں اور
 بے رہنے والے مرد اور بے رہنے والی عورتیں،
 اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے
 والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار
 عورتیں اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی
 شہوت کی جگہ اور حفاظت کرنے والی عورتیں
 اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا،
 اور یاد کرنے والی عورتیں۔ رکھی ہے اللہ نے
 ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا۔

میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو! سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۵، میں نے
 آپ کے سامنے تلاوت کی ہے جس میں دس ایسی صفات بیان کی گئی ہیں، جو
 مرد میں اگر پیدا ہو جائیں تو وہ مغفرت اور بخشش کا حقدار بن جاتا ہے۔ اور اگر
 عورت میں پیدا ہو جائیں تو وہ بخشش اور اجر عظیم کی حق دار بن جاتی ہے اس میں
 لہٰذا خواتین کے ایک اجتماع میں کی گئی ایک تقریر

مرد اور عورت کی کوئی تخصیص اور کوئی فرق نہیں بلکہ سب کے لئے ایک جیسا حکم ہے جو بھی اپنے آپ کو ان صفات سے متصف کر لے، وہ کامیابی کا مستحق ہو جاتا ہے

پہلی صفت اسلام ہے۔ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے۔ یعنی وہ اعمال جو نظر آتے ہیں، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ سب اعمال نظروں سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان کی بناء پر ہم کسی کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ دوسری صفت ایمان ہے۔ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ "ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں۔"

ایمان کا تعلق تصدیق قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔

اللہ پر ایمان، فرشتوں کے ہونے پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، رسول پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان، جنت و دوزخ اور حساب و کتاب پر ایمان، اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان، ان چیزوں پر ایمان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا لیکن دل ان کی تصدیق کرتا ہے۔

تیسری صفت اطاعت "وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ" اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ زندگی کے ہر میدان میں اللہ تعالیٰ کے حکموں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اطاعت اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

چوتھی صفت سچائی "وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقَاتِ" سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، نیت اور عقیدے میں بھی سچائی، اعمال اور اخلاق میں بھی سچائی، معاملات اور لین دین میں بھی سچائی، اپنوں کے ساتھ بھی سچائی اور غیروں کے ساتھ بھی سچائی، ہر کام اور ہر میدان میں سچائی کو اپنانا یہ مسلمان

کاشیوہ ہے

پانچویں صفت جو بیان فرمائی وہ صبر ہے "الصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ" صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ تنگی اور تکلیف میں صبر، مصائب اور پریشانیوں میں صبر، عزیزوں کی جدائی پر صبر، مال کے نقصان اور زیادتی پر صبر، میدان جنگ اور دشمن کے مقابلے میں صبر۔ غرضیکہ ہر مقام میں صبر کامیابی کی کلید ہے۔

بے صبر شخص نہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں کوئی بڑا مقام حاصل کر پاتا ہے۔ امتحانوں اور آزمائشوں میں پورا اترنے والے ہی ساحلِ مراد تک پہنچ پاتے ہیں

صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے، ان کے لئے اللہ کی محبت ہے ان کے لئے اللہ کی معیت ہے۔

چھٹی صفت جس کی وجہ سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ہے عاجزی الخاشعین والخاشعات" عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ عاجزی اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند ہے، وہ عاجزی کرنے والوں کو نوازتا اور رفعتیں عطا فرماتا ہے اور تکبر کرنے والوں کی گردن توڑتا ہے اور انہیں انجامِ بد سے دوچار کرتا ہے۔

عورتیں عام طور پر ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلاتی رہتی ہیں ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

ساتویں صفت "وَالْمُتَّصِدِّقِينَ وَالْمُتَّصِدِّقَاتِ" اللہ کی

رضا کی خاطر صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

إِنَّ الصَّدَقَةَ كَتُطْفِي مُغَضَّبٍ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا
الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے
آٹھویں صفت "وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ" روزے رکھنے

والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں

رمضان کے روزے تو فرض ہیں اس کے علاوہ نفلی روزے ہیں جن

کا اللہ کے ہاں بے پناہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ایام بیض کے روزے جو چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو رکھے جاتے
ہیں۔ ان کا رکھنے والا صائم الدہر یعنی سال بھر روزے رکھنے والا شمار ہوتا
روزے کے بارے میں حدیث قدسی ہے "الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْرِيْ"

یہ، "روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا بھی میں خود دوں گا۔"

نویں صفت شرمگاہ کی حفاظت "وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ"
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی

عورتیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تم مجھے دو
چیزوں کی ضمانت دیدو۔ میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک
تو زبان کی حفاظت کی ضمانت اور دوسرے شرمگاہ کی حفاظت کی

ضمانت۔

دسویں صفت "وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ"
کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔

جتنی بھی عبادات ہیں سب کی مقدار اللہ نے مقرر کی ہے۔ مگر

ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی قابل غور ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ نماز بہت زیادہ پڑھو۔

روزے رکھنے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ روزے بہت زیادہ رکھو۔

زکوٰۃ دینے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ بہت زیادہ زکوٰۃ دیا کرو۔ حج کرنے کا تو حکم دیا ہے مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ بہت زیادہ حج کرو۔ مگر ذکر ایسی عبادت ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

اَذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

دوسری عبادات میں سے زکوٰۃ بغیر مال ادا نہیں ہو سکتی

نماز کے لئے طہارت شرط ہے

روزہ بیمار اور بوڑھا نہیں رکھ سکتا۔

حج صرف مکہ المکرمہ جا کر ادا ہو سکتا ہے۔

مگر ذکر ایک ایسی عبادت ہے جو ہر کوئی کر سکتا ہے، ہر جگہ کر سکتا ہے،

ہر حالت میں کر سکتا ہے اور ہر وقت کر سکتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ایمان والو

اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

یہ دس صفات یعنی مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں

اسلام، ایمان، اطاعت

سچائی، صبر، عاجزی، صدقہ و خیرات، روزوں کی پابندی، ناموس کی

حفاظت اور کثرت سے اللہ کا ذکر جس کے اندر پائی جائیں، اسے قیامت

کے دن اجرِ عظیم ملے گا اور وہ بخشش کا حقدار ہوگا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت

ہو، ہر کسی کے لئے یہ وعدہ ہے۔

اسلام نے ترقی کے مواقع جیسے مرد کے لئے رکھے ہیں، اسی طرح عورت کے لئے بھی رکھے ہیں۔

اگر مرد ولی بن سکتا ہے تو عورت بھی بن سکتی ہے
اگر مرد اللہ کا مقرب اور محبوب بن سکتا ہے تو عورت بھی بن سکتی ہے
اللہ کے ہاں رجولیت اور نسوانیت کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ وہاں تو
تقویٰ کو دیکھا جاتا ہے۔ اصل معیار تقویٰ ہے وہ جس کے اندر بھی پایا جائے
گا وہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جائے گا۔ وہ ولایت اور محبوبیت کے
مقام پر پہنچ جائے گا۔ صلاحیت اور استعداد مرد میں بھی ہے، عورت میں
بھی ہے۔ فیاض حقیقی نے دونوں کو نوازا ہے۔ جہاں تک عورت میں صلاحیت
ہونے کا تعلق ہے اس کا حال تو یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس
بات کی بھی قائل ہے کہ عورت نبی بھی بن سکتی ہے البتہ رسول نہیں بن
سکتی۔ نبی اُسے کہتے ہیں، جس پر وحی نازل ہو اور رسول اسے کہتے ہیں
جو صاحب شریعت ہو، اور اسے انسانوں کی تربیت کے لئے بھیجا گیا ہو
تو گویا عمومی تعلیم و تربیت کا مقام تو عورت کو حاصل نہیں ہو سکتا لیکن
مقام نبوت اسے حاصل ہو سکتا ہے۔ (مگر یہ قول راجح نہیں)
حتیٰ کہ ظاہر یہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت مریم علیہا
السلام نبی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ ان پر وحی لے کر
نازل ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انسانی روپ میں نبی مریم
کے سامنے آکر کہا تھا۔

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا

(سورہ مریم پارہ ۱۶)

اسی طرح یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی نبی مانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں ہے: —

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنِ ارْضِعِيهِ فَإِذَا اخْضَتْ عَلَيْهِ فَالْقِيهِ فِي الْيَمِّ ۗ
اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا لیں جب تجھے اس کے بارے میں اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا (سورۃ القصص پارہ ۲۰)

تو نبوت جیسا مقام اگر عورت کو حاصل ہو سکتا ہے، جس سے بڑا کوئی مقام انسان کے لئے ممکن ہی نہیں تو دوسرے مقامات سے کیسے حاصل نہیں ہو سکتے۔

تاریخ کی گواہی | حق و صداقت اور ایمان و ایثار کی تاریخ کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے، تو

ہمیں عورت، مرد کے شانہ بشانہ دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ میں تو سچ کہتا ہوں کہ میں جب ایمان و یقین کی تاریخ میں مردوں کی قربانیوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھ جیسے ناقص انسان کو اکثر مردوں کے کارناموں کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کے تعاون، تربیت، ایثار اور قربانی کا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام | حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ایثار اور قربانی اور

مقام تسلیم و رضا جو کچھ بھی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور پوری تاریخ انسانی اس پر فخر کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ذکر خیر کرتے ہوئے آپ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو کیسے بھول جائیں

گی۔ جن کی قریانیوں کے نقش قدم زمزم سے صفا مروہ تک اور صحن حرم سے مکہ کے کوہ دامن تک آج بھی موجود ہیں۔ کتنا اعتماد تھا اس عظیم خاتون کو اپنے اللہ کے شان رزاقی پر۔ اس کا اندازہ ہمارے جیسے مادی اسباب پر مڑنے والے انسان کر ہی نہیں سکتے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ اس ویران اور بے آباد جگہ چھوڑا، جس کا شاید اس وقت تک انسانوں کی زبان پر کوئی نام بھی نہیں تھا۔ تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلیں کہ اے ابراہیم! آپ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد، نہ کوئی مونس اور کوئی عنخوار۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے چلتے رہے آخر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے یہ دریافت کیا کہ کیا تیرے خدانے تجھے یہ حکم دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا۔

بتلائیے کتنا یقین اور اعتماد ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پر؟
کوئی ظاہری سہارا نہیں، کوئی بستی نہیں، کوئی آبادی نہیں، کوئی
دوکان نہیں، کچھ زیادہ سامان نہیں۔ پانی کا ایک مشکیزہ ہے اور کھجوروں
کی ایک تھیلی ہے۔ دور دور تک کسی انسان بلکہ حیوان اور چرند پرند کا نام
و نشان نہیں مگر پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ فرماتی ہیں کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ
کا حکم ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

نظر اسباب پر نہیں ہے بلکہ مسبب الاسباب پر ہے جس نے حکم دیا ہے۔ جینے کا سامان بھی وہی فراہم کرے گا۔

جس نے بلایا ہے میزبانی بھی وہ خود ہی کرے گا۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی قربانی کا نمبر تو بعد میں آتا ہے۔ پہلے اس عظیم خاتون کو تو دیکھیں جو بے آب و گیاہ وادی میں مستقبل میں ذبح اللہ بننے والے بچے کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہے اور جب پانی کا مشکیزہ ختم ہو جاتا ہے تو بے قرار ہو کر صفا مروہ پر دوڑتی پھر رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صورت سرزمین حرم کو بسانا اور آباد کرتا تھا اور وہ کسی بھی طریقے سے اسے آباد کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بسا وسائل کا محتاج نہیں، لیکن ظاہری طور پر دیکھیں تو اس نے بے آباد وادی کو آباد کرنے کے لئے کسے منتخب کیا؟

ایک خاتون کو اور اس کے شیرخوار بچے کو!

اُمّ موسیٰ علیہ السلام | آگے چلئے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ بنے ان کے ہاتھوں بنی اسرائیل کو آزادی ملی۔ فرعون اور اس کا لادشکر بدترین اور عبرت ناک شکست سے دوچار ہوا۔ لیکن ان کی عظمت کردار اور فتح مند یوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ اس عظیم ماں کو اگر بھلا ناچاہیں تو بھی نہیں بھلا سکتے جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے سخت جگر کو دریا کی بے رحم لہروں کے حوالے کر دیا تھا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنِ
أَرْضِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ
اسے دودھ پلا لیں اور جب تجھے اس کے

فَالْقِيَةِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِ ۖ يَأْتِيهِمْ فِي الْيَمِّ مِنْهُ لُجُجٌ كَالْعِجَابِ وَإِنَّا رَادُّوهُمُ إِلَيْكَ وَإِنَّا لَمُنَادُّوهُمُ بِالْمُرْسَلِينَ

حضرت مریم علیہا السلام | حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح
اللہ تھے۔ ان سے ایسے ایسے

معجزے ظاہر ہوئے جن کا جواب اور جن کی مثال پیش کرنے سے اس دور
کے طبیب اور حکیم عاجز آگئے تھے۔ وہ اللہ کی قدرت اور شانِ خَلْقِی کا
زندہ نشان اور چلتا پھرتا ثبوت تھے۔ لیکن ان کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے
ہوئے ہم حضرت مریم علیہا السلام کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں جن کے
بطن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ زندہ معجزہ پیدا ہوا۔

آپ کو یقیناً یاد ہوگا کہ جس وقت اماں مریم اللہ کے حکم سے حاملہ
ہو گئی تھیں تو ان کی قوم نے طعنے دے دے کر ان کا پسینہ پھلنی کر دیا۔
تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ جب وہ بچے کو اٹھاتے ہوئے اپنی قوم کے
پاس آئیں تو بڑے بڑے جفا دہی کہنے لگے

يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۚ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ
وَمَا كَانَ ابْنُكَ بِكَيْفِيَّا ۚ وَالدَّهْرُ بَرُّهُ أَدْمَىٰ تَحَّىٰ ۚ وَرَبُّهُ
رَبُّ السَّمٰوٰتِ اَرْبَعِیْنَ اَلْفِ سَلْسَلَةٍ ۚ وَرَبُّهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ اَرْبَعِیْنَ اَلْفِ سَلْسَلَةٍ ۚ

(سورہ مریم)
حضرت مریم علیہا السلام نے خود کوئی جواب دینے کے بجائے
خاموشی سے اپنے نونولود شیر خوار بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ خود اسی سے

پوچھ لو، یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور قوم کو پہلے تو صرف حضرت مریم کے دامن کی صفائی پر شک تھا۔ اب انہیں ان کی دماغی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا۔ کہنے لگے سوچو تو سہی کیا کہہ رہی ہو، ہم اس بچے سے اپتے ذہنوں میں پینے والے سوالوں کا جواب کیسے دریافت کریں۔ یہ عمر تو بولنے کی نہیں۔

حضرت مریم علیہ السلام نے کہا ہو گا اسے پوچھ کر تو دیکھو، میں خود نہیں کہہ رہی۔ مجھے ہی حکم دیا گیا ہے کہ خود کوئی جواب نہ دینا، قوم کی الزام تراشیوں سے جواب میں مکمل سکوت اختیار کرنا اور بہتان تراشی کرنے والوں سے کہہ دینا کہ اپنے سوالات و اشکالات کے جوابات مجھ سے پوچھنے کے بجائے خود اس نو مولود ہی سے دریافت کر لو۔

وہ اللہ جو بڑوں کے منہ میں حرکت کرنے والے گوشت کے ٹکڑے میں قوت گویائی رکھ سکتا ہے وہ چاہے تو معصوم بچے کو بھی بولنے کی طاقت دے سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے اور اس طرح بولے کہ ان کے بولنے پر خطیبوں کی خطابت اور ادیبوں اور شاعروں کی فصاحت و بلاغت قربان کی جا سکتی ہے۔

قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اَتَانِي الْاَلْتَابِ
وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا
اَيُّنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصَانِي بِاَنَّ لِي
وَالزَّكوة مَا دُمْتُ حَيًّا

تو ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات و فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے اس ماں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے جس کے شکم سے حضرت عیسیٰ روح اللہ تولد ہوئے اور جس ماں کو اپنے بچے کی خاطر قوم کے دل آزار اور ہمت شکن طعنے سننے پڑے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا | میری ماؤں اور بہنوں!

آئیے ہم کونین کے آقا جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا جائزہ لیں۔ یہاں بھی آپ کو عورتِ نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہاتھ بٹاتی نظر آئے گی۔

ساتویں صدی عیسوی میں اکتالیس کی عمر میں جب ہمارے آقا محمد بن عبد اللہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنے اور غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ اس عجیب و غریب واقعہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ آپ گھر تشریف لائے تو شدتِ خوف سے آپ کے جسم پر کپکپی طاری تھی۔ آپ نے گھر پہنچتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے کچھ اڑھا دو، مجھے کچھ اڑھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گھبراہٹ اور کپکپی کا سبب پوچھا تو آپ نے غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ تفصیل کے ساتھ سنا دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ وہ نبوت اور انبیاء کے بارے میں جانتی تھیں۔ وہ فرشتوں کے وجود سے باخبر تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد بن عبد اللہ کے ساتھ دن رات کی رفاقت کی وجہ سے وہ آپ کے ظاہر اور پوشیدہ سے واقف تھیں۔ وہ آپ کے شمائل و فضائل

سے بھی آگاہ تھیں۔ وہ آپ کی سیرت و کردار سے بھی باخبر تھیں۔ وہ پورا واقعہ سن کر فوراً سمجھ گئیں کہ یہ کسی جن یا شیطان یا آسیب کا اثر نہیں بلکہ یہ وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں پر نازل ہوتی رہی ہے، انہوں نے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہا۔

”ہرگز نہیں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی اور رشتہ داروں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت و خاطر و مدارات کرتے ہیں۔ راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔“

عورت کا شرف | سیرت نگاروں میں یہ بحث رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت و رسالت پر سب سے پہلے ایمان کون لایا اور عام طور پر فیصلہ یوں کیا جاتا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائے۔

لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے سیرت کا جو ناقص سامطالعہ کیا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا ضمیر تو یہی گواہی دیتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان کا شرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا ہے۔ غارِ حرا کے واقعے کی سب سے پہلے اطلاع بھی انہی کو حاصل ہوئی اور سب سے پہلے انہی کے دل میں ایمان اور یقین کی روشنی پھوٹی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی باتوں

سے بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

انہوں نے بھی ہر ہر موقع پر آپ کی پشت پناہی اور حمایت کی
م لوگوں سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ان کو ہلکا کرنے کی
کوشش کرتی تھیں۔

قریش مکہ گالیاں بھی دیتے تھے، بُرے بُرے القاب سے بھی نواز
تھے، طعنے بھی دیتے تھے، بازاری باتیں بھی کرتے تھے۔ ہاتھ چلانے سے
بھی باز نہیں آتے تھے۔ آپ یہ سب کچھ سن کر اور سہہ کر گھر تشریف لاتے
تو حضرت خدیجہ بنت ہمت بندھاتی تھیں، تسلیاں دیتی تھیں۔ قیامت
تک آنے والی خواتین اس بات پر فخر کر سکتی ہیں کہ:

جب عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیا سا تھا۔ ایک عورت
آپ کی پشت بانی کر رہی تھی۔

جب سب جھٹلا رہے تھے تو ایک عورت تصدیق کر رہی تھی۔
جب سب انکار کر رہے تھے تو ایک عورت اقرار کر رہی تھی۔
جب سب دل توڑ رہے تھے تو ایک عورت دل جوڑ رہی تھی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجہ بنت
احسان تھا۔ اسی لئے جب تک وہ زندہ رہیں۔ آپ نے کسی دوسری
خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ نبوت کے دسویں سال جب حضرت خدیجہ
اور ابو طالب کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا تو یہ سال غم کے سال
(عام الحزن) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کیونکہ آپ کو ان کی جدائی کا بچہ
غم ہوا تھا۔

حضرت خدیجہ بنت ہمت کے انتقال کے بعد بھی آپ انہیں یاد کیا کرتے

تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بڑا تعجب ہوتا تھا کہ حسین و جمیل اور کم عمر بیویوں کے باوجود آپ اس خاتون کو یاد کرتے ہیں، جو انتقال بھی کر چکی ہیں اور عمر میں بھی آپ سے تقریباً پندرہ سال بڑی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کیوں یاد کر رہا ہوں تو فرمایا اے عائشہ! كَانَتْ مَا كَانَتْ خَدِيجَةٌ تَحْيَى جوتھی۔

یہ بہت مختصر اور مجمل سا جملہ ہے مگر یوں کہیے کہ اس اجمال میں سینکڑوں تفصیلات سمٹ آئی ہیں۔ اگر آپ یوں فرماتے کہ خدیجہ بڑی عنخوار اور صاحبِ ایثار تھی۔

خدیجہ بڑی رقیق القلب اور لطیف الروح تھی۔

خدیجہ بڑی خدمت گار اور باکردار تھی

خدیجہ صورت و سیرت میں ممتاز تھی

خدیجہ کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔

تو ان میں سے کسی جملے میں بھی وہ کشش وہ جامعیت اور وہ زور نہیں

ہو سکتا تھا جو اس مختصر سے جملے میں ہے۔

كَانَتْ مَا كَانَتْ تَحْيَى جوتھی

گویا آپ یوں فرمانا چاہتے تھے کہ اے عائشہ! خدیجہ کیا تھی، کیسی

تھی، اس کا میرے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ میں یہ بیان نہیں کر سکتا۔

یعنی الفاظ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احسانات کو بیان نہیں کر سکتے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا | اگر نبوت کے ابتدائی کھٹن اور مشکل

حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اور سہارا دینے والی ایک حصہ عزیمت خاتون تھی تو نبوت کے پیغام اور شریعت کے احکام کو عام لوگوں تک پہنچانے کی سعادت بھی ایک عورت ہی کے حصے میں آئی ہے گھر سے باہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ بیشک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ لیکن آپ کی زندگی کا جو حصہ گھر کے اندر گزرتا تھا۔ اس کے اقوال و افعال امت تک پہنچانے کا سہرا اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سر پر سجتا ہے۔

وہ فقہاء صحابہ میں سے سب سے ممتاز تھیں۔ بڑے بڑے فقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حدیث کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کا علم ضرور ہوتا۔ (طبقات ابن سعد)

وہ صحابہ کی ماں تو تھیں ہی، انہیں بیسیوں صحابہ کی معلمہ اور اُستاد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید، حلال و حرام اور فرائض و احکام، اشعار تاریخ عرب اور انساب میں ان سے زیادہ کسی کو واقف نہیں پایا۔ (طبقات ابن سعد)

امام زہری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کرتے تھے۔

اگر میں یوں کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ ساری امت کے معلم اور اُستاد صحابہ

ہیں اور صحابہ رضی کی استاذ سیدہ عائشہ رضی ہیں
 صحابہ میں اختلاف ہو جاتا تو رجوع ان کی طرف کرتے۔
 کسی مسئلے میں اشتباہ ہو جاتا تو وہی اشتباہ کو دور کرتیں۔
 کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو رہنمائی اماں عائشہ رضی فرماتی تھیں۔

اماں عائشہ کی علمی برتری کی ایک وجہ تو ان کی بے مثال ذہانت اور
 بے نظیر حافظہ تھا۔ اسی کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عام صحابہ رضی ادب و احترام
 کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لب کشائی نہیں کرتے
 تھے۔ لیکن اماں عائشہ رضی کو جس مسئلہ میں اشتباہ ہوتا تھا۔ اس کے بارے
 میں بلا جھجک آپ سے دریافت کر لیتی تھیں۔ یوں آپ سے پوچھ پوچھ
 کر سیدہ نے اتنا علم حاصل کر لیا تھا کہ امام زہری شہادت جیتے ہیں :

لو جمع علم الناس كلهم اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین
 ثم علم ازواج النبی صلی کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت
 اللہ علیہ وسلم فكانت عائشۃ عائشہ رضی کا علم ان سب سے زیادہ
 وسعہم علماً۔ ہوگا۔

تو نبوت تو عبد اللہ کے درتیم اور آمنہ کے لعل محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کو ملی۔ لیکن مشکلات میں نبی کا حوصلہ بڑھانے اور پھر نبی کی تعلیمات و
 ارشادات کو پھیلانے اور امت تک پہنچانے کا شرف دو خواتین کو
 حاصل ہے اور یہ ایسا شرف ہے جو قیامت تک ان سے کوئی نہیں۔
 چھین سکتا۔

اس کے علاوہ اسلام کے لئے سب سے
 پہلی شہادت | پہلے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا شرف

بھی ایک عورت ہی کے حصے میں آیا۔ آپ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ حضرت سمیۃ رضی اللہ عنہا کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا ساواں نمبر تھا یہ وہ وقت تھا جب مسلمان ہونے کا مطلب مکہ کے مرداروں کو جو زور و جفا کے حربے آزمانے کی دعوت دیتا تھا۔

حضرت سمیۃؓ رہنا تو تھیں بھی کینز!

جب آزاد اور خاندانی لوگوں کو کوئی نہیں بخشتا تھا تو ایک کینز قریش

کے پیچھے استبداد سے کیسے بچ سکتی تھی؟

میگرہ کا خاندان جس کی آپ کینز تھیں۔ انہوں نے آپ کو دوبارہ کفر و شرک پر مجبور کرنے کے لئے ہر حربہ آزمایا، ہر کوشش کر دیکھی، قسم کا لاپچ دیا لیکن حضرت سمیۃؓ نہایت مضبوطی سے اپنے عقیدہ پر قائم رہیں۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی تزرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے۔ لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتشکدہ سرد پڑ جاتا تھا۔

ایمان میں اللہ نے ایسی طاقت رکھی ہے کہ کمزوروں کو شاہوں سے

آنکھیں لڑانے کا حوصلہ بخش دیتا ہے۔

سمیۃؓ صنفِ نازک میں سے تھیں مگر ایمان قبول کرنے کے بعد اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے ڈٹ گئیں۔ جس نے مشرکین کو باؤلا کر دیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک معمولی کینز ہماری کسی بات کے ماننے سے انکار کر سکتی ہے۔

ایک روز دن بھر کی اذیت کے بعد شام کو گھر آئیں تو ابو جہل نے گالیاں

دینا شروع کر دیں اور پھر اس کا غضبہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری

کہ حضرت سمیہ شہید ہو گئیں مگر قیامت تک کے لئے عورتوں کا سر فخر سے بلند کر گئیں کیونکہ مکہ میں یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی خاطر بہا یا گیا تھا۔

یہ صرف حضرت سمیہ رضی کی استقامت نہ تھی۔ ان کے علاوہ بھی

کئی لونڈیاں تھیں۔ حضرت زبیرہ رضی، حضرت ہندیہ رضی وغیرہ جنہیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بے تحاشا سنا یا گیا مگر وہ دامن مصطفویٰ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئیں۔

اس میں شک نہیں کہ عورت صنف نازک ہے لیکن جب عورت کسی بات پر ڈٹ جاتی ہے تو اس کی استقامت کے سامنے پہاڑ بھی کمزور دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت خطاب کی فاطمہ بنت خطاب رضی استقامت ہی تو تھی جس نے

عمر بن خطاب جیسے مضبوط عزم والے شخص کو شکست ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادے سے گھر سے نکلے، راستے میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے

عمر رضی نے بڑے طیش میں ان سے پوچھا کہ سنا ہے تم نے بھی اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمدؐ کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔

انہوں نے جرات سے جواب دیا۔ ہاں میں نے اختیار کر ہی لیا، پہلے تم اپنے گھر کی تو خبر کر لو، جو جرم میں نے کیا ہے اس جرم کا ارتکاب تمہاری بہن اور بہنوئی بھی کر چکے ہیں۔

عمر ۲۰ سالے میں آگئے اچھا یہاں تک نوبت آ پہنچی۔
 سیدھے بہن کے گھر پہنچے، گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا اور بہن
 فاطمہ بنت خطاب قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں۔

وہ جلالی بھائی کی آہٹ سن کر خاموش ہو گئیں اور انہوں نے
 قرآن کے اجزاء چھپا دیئے۔ لیکن تلاوت کی آواز تو عمر سن ہی چکے تھے۔
 اور جانتے تھے کہ یہ وہی کلام ہے جو محمد پڑھا کرتا ہے۔ پھر بھی پوچھا کہ کس
 چیز کے پڑھنے کی آواز تھی۔ انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے میں سن چکا
 ہوں کہ تم دونوں مُرتد ہو گئے ہو۔

یہ کہہ کر بہنوئی کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ تمہاری یہ جرأت میرے
 گھر میں گمراہی لے آئے ہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بھی خبر لی، بال
 پکڑ کر گھسیٹا اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا۔ مگر توحید کا
 نشہ نہ اُترا۔

یہ نشہ ہی کچھ ایسا ہے جب چرٹھ جاتا ہے
توحید کا نشہ | تو اترتا نہیں۔

یوں تو لوگوں کو دولت کا نشہ چرٹھ جاتا ہے۔

اقتدار کا نشہ چرٹھ جاتا ہے

جوانی کا نشہ چرٹھ جاتا ہے۔

مادی عشق و محبت کا نشہ چرٹھ جاتا ہے۔

منشیات کا نشہ چرٹھ جاتا ہے۔

مگر یہ سب نشے عارضی اور جھوٹے ہیں۔

لیکن توجید کا نشہ دائمی اور سچا ہوتا ہے۔
یہ جب چرٹھ جاتا ہے تو اترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

وقت کے فرعونوں کی دھمکیاں

نمرو دوں کی آگ کے دریا

ابو جہلوں کا جور و جفا

اور شہادوں کی تحریص و ترغیب

ان میں سے کوئی چیز بھی اس نشے کو نہیں اتار سکتی

یہ نشہ جب چرٹھ جاتا ہے تو آگ کے شعلے پھولوں کی مالا میں

محسوس ہوتی ہیں۔

جور و جفا میں لذت آتی ہے

اور دولت کے انبار اس کے مقابلے میں کورڈا کرکٹ کے ڈھیروں

دکھائی دیتے ہیں۔

دیکھنے والے جب موحد کو دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے

ہیں کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔

یہ تو ایک تھپڑ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب کورڈوں کی

ضربوں کی بھی پرواہ نہیں کر رہا۔

اس نے تو کبھی ہمارے سامنے آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کی تھی اور

اب آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا ہے۔

فَاقْضِ مَا آنتَ قَاضٍ

جو کرنا ہے کر لو یہ اٹھے ہوئے قدم اب واپس نہیں پلٹ سکتے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ وہ سوچ بھی نہیں

سکتے کہ یہ لڑکی جو میری بہن بھی ہے۔ اتنی استقامت دکھا سکتی ہے
 ہولناں بہن نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

عمر جو کر سکتے ہو کر لو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، پسچ کر
 رہ گئے، بہن کی طرف دیکھا تو ان کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر
 دل موم ہو گیا۔ قدے بجاجت سے کہا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے، مجھ
 کو بھی دکھاؤ۔

فاطمہ رض نے جب شکست خوردہ لہجہ اور بدلا ہوا انداز دیکھا تو
 قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے۔

حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا

جاتا تھا۔

چند آیات کی تلاوت نے عمرؓ کو لمحوں میں بدل دیا، دل و دماغ
 سے کفر و شرک کی ظلمت نکلتی گئی اور توحید کا نور پھیل گیا۔

تلاوت کرتے کرتے ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
 رَسُولُ اللَّهِ -

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ انبیاء کرام کے بعد انسانی تاریخ کا سب
 سے بڑا کشور کشا۔

سب سے بڑا عدل پرور بادشاہ

دس لاکھ مربع میل کا فاتح

اور مسلمانوں پر دس سال سے زیادہ حکومت کرنے والا انسان

اسلام کے قدموں پر آکر جو ڈھیر ہوا تو اسکے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے علاوہ عالم اسباب میں ایک عورت کا ہاتھ تھا۔

اُمّ حکیم رضا
حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا نام کبھی آپ
کے ہاتھ نے سنا ہوگا؟

یہ ابو جہل کے بیٹے تھے اور ابو جہل کے نام سے تو مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔

وہی ابو جہل جس نے حضرت سمیئہ کو شہید کیا تھا۔
وہی ابو جہل جو کائنات کے آقا کو کاہن اور دیوانہ کہا کرتا تھا
وہی ابو جہل جس کے کہنے پر عقبہ بن ابی معیط نے سجدہ کی حالت
میں فاطمہ کے ابا کی مقدس کمر پر اونٹ کی گندگی اور وزنی اوچھڑی
لا کر رکھ دی تھی۔

وہی ابو جہل جو اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور لونڈیوں پر ظلم
و ستم ڈھانے میں پیش پیش رہتا تھا۔
وہی ابو جہل جو جنگ بدر میں شمع رسالت کو گل کر دینے کا عزم لے
کر آیا تھا

اسی ابو جہل کے بیٹے تھے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ!
مگر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ تو وہ بعد میں بنے، پہلے تو صرف عکرمہ بن ابی
جہل تھے اور ان کو عکرمہ سے حضرت عکرمہ بنانے میں ایک خاتون کا
ہاتھ ہے۔

یہ خاتون ام حکیم تھیں حضرت عکرمہ کی بیوی
جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ جان کے خوف سے مکہ چھوڑ کر مین چلا گیا۔

تھا اس کی بیوی حضرت ام حکیم رض کو پتہ چلا تو وہ بھی یمن جا پہنچیں اور جا کر اسے سمجھایا کہ عکرمہ کس غلط فہمی میں ہو، تمہیں محمد کے دامن کے سوا کہیں پناہ نہیں ملے گی جب عکرمہ رض دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہ صرف ان کو امان دی بلکہ ان کے استقبال کے لئے اتنی تیزی سے اُٹھے، کہ چادر بھی جسم اطہر سے ہٹ گئی تھی۔ پھر یہی عکرمہ تھے جنہوں نے ارتداد کی جنگوں اور شام کے معرکوں میں بڑی خدمات انجام دیں مگر ان کے ایمان اور ان کی خدمات کے پس پردہ بھی آپ کو ایک خاتون کا ہاتھ دکھائی دے گا۔

مشہور صحابی رض حضرت
حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ابو طلحہ رض کے ایمان کے پیچھے بھی آپ کو ایک خاتون کا ہاتھ دکھائی دیکا اور اس کی استقامت دکھائی دے گی۔ اور اس خاتون کا نام حضرت ام سلیم رض ہے۔ حضرت ام سلیم رض پہلے مالک بن نصر کے نکاح میں تھیں اور انہوں نے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جبکہ ان کے شوہر مالک بن نصر اپنے باپ دادا کے نکاح پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ اور ام سلیم انہیں اسلام کی دعوت دیتی تھیں۔ نہ انہوں نے ان کی دعوت قبول کی اور نہ یہ اسلام چھوڑنے کے لئے تیار ہوئیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

ان کے انتقال کے بعد ابو طلحہ نے حضرت ام سلیم رض کو نکاح کے لئے پیغام بھیجا۔ لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ تم مشرک ہو اور میں کسی بھی مشرک کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی۔ پھر ایک جوش اور جذبے کے

ساتھ فرمانے لگیں۔

یا ابا طلحة! الست تعلم ان
الهلك الذي تعبد نبت
من الارض قال بلى قالت
افلا تستحي تعبد شجرة
(اصابہ ج ۸ ص ۲۲۳)

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا
معبود زمین سے اُگا ہے؟ انہوں
نے جواب دیا، ہاں جانتا ہوں
ام سلیم رضی اللہ عنہا تو پھر تمہیں درخت
کی پوجا کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

یہ سادہ سی دلیل حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے دل پر اثر کر گئی اور وہ فوراً مسلمان
ہو گئے، ان کے مسلمان ہو جانے پر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا حیرت پر راضی ہو گئیں اور
ساتھ ہی مہر بھی معاف کر دیا اور کہا "میرا مہر اسلام ہے"
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کرتے تھے یہ عجیب و غریب مہر تھا۔

یہ وہ عظیم خاتون ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا کون ہے؟
تو مجھے بتایا گیا کہ انس رضی اللہ عنہ کی والدہ عمیصہ بنت ملحان (ام سلیم رضی اللہ عنہا) ہیں۔
بہادر ایسی تھیں کہ جب غزوہ احد میں مسلمانوں کے جسمے ہوئے قدم اکھڑ

گئے تھے تو یہ نہایت مستعدی سے اپنی ذمہ داری پوری کر رہی تھیں۔
صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی
پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔"

صبر والی ایسی تھیں کہ ان کے لاڈلے اور پیارے بیٹے ابو عمیرہ کا انتقال
ہو گیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہیں سے سفر سے واپس آئے تو ان کو فوراً نہیں تلبیلا

تاکہ اچانک خبر سے ان کو زیادہ صدمہ نہ ہو بلکہ انہیں کھانا کھلا کر سلا دیا
کچھ رات گزر گئی ان کو اس واقعہ کی اطلاع دی مگر وہ بھی عجیب انداز
سے !

بولیں اے ابو طلحہ ! اگر تم کو کوئی شخص عاریتاً ایک چیز دے اور پھر
اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کر دو گے، ابو طلحہ
نے جواب دیا، بالکل نہیں۔

کہنے لگیں۔ اپنے بیٹے کے بارے میں صبر کر لو، چونکہ اللہ نے اپنی امت
واپس لے لی ہے۔ ابو طلحہ رضاً من کر غصہ ہوئے کہ پہلے کیوں نہیں بتایا،
صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی
برکت دی۔

فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم | میں یہ عرض کر رہا تھا کہ
مردوں کے کمالات اور

کارناموں سے انکار نہیں مگر عورتیں بھی کسی سے پیچھے نہیں، ان کے
کارناموں سے بھی تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔
دوسری بات، یہ کہ اگر گہری نظر سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے
تو مردوں کے کارناموں کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

کسی ماں کی تربیت

کسی بہن کی استقامت

کسی بیٹی کی قربانی

کسی بیوی کے ایثار

کا عمل دخل ضرور ہوگا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے برادرِ اکبر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قربانی، شہادت اور حسنِ عمل سے آپ میں سے کوئی بہن بیٹی ناقص نہیں ہوگی، خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ ہو، لیکن ہمیں حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس عظیم ماں کو نہیں بھولنا چاہیے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کی اس طرح تربیت کی کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کسی حکومت کسی طاقت کسی بادشاہ اور کسی سرمایہ دار کا خوف نہ رہا۔

اس عظیم ماں نے ان کے دلوں میں حق کی محبت، حق کی اطاعت، حق پر استقامت اور حق کے لئے مرنے جینے کا جذبہ اس قدر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا کہ وہ حق کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔
اولاد میں قربانی کا جذبہ کیوں نہ ہوتا جبکہ ماں کی ساری زندگی قربانی اور ایثار کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بے مثال والد گرامی نے اپنی بیٹی کی تربیت ہی ایسی کی تھی کہ ایثار اور قربانی ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔

جب اسلام میں فتوحات کا دور شروع ہوا تو دولت کی دیل پیل ہو گئی تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ابا لوگوں میں مال و زر کے خزانے تقسیم فرما رہے تھے۔ بعض گھرانوں میں کٹی کٹی غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ لیکن آپ جانتی ہیں کہ مال و دولت کی کثرت کے اس دور میں بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کیسے گذر رہی تھی۔

آج ان کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم جیسے سنگدلوں کی آنکھوں میں

بھی اُسو آجاتے ہیں۔ حالت یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے

گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میلے کچیلے ہو جاتے تھے۔ چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود جب انہوں نے ایک بار گھر کے کاموں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو یتیموں اور بکیوں کے ماویٰ و بلجاصلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اپنے آبا کی جان! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں، اسی لئے تو علامہ شبلی نعمانی نے کہا ہے۔

یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی

یہ ماجرا نے دختِ خیر الا نام تھا

جب ماں کی تربیت ایسی ہوگی تو وہ اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی انداز سے کرے گی اور اگر بچیوں کی تربیت صحیح طریقے سے نہ ہو سکی تو وہ جب ماں نہیں بنیں گی تو وہ بھی اپنی اولاد کو صحیح نہج پر نہیں چلا سکیں گی۔

میری ماؤں اور بہنوں! یاد رکھیے

اپنی ذمہ داری سمجھئے | آپ کا کام صرف سینا پر ہونا اور

کھانا پکانا نہیں ہے۔ بلکہ گھر کے ماحول پر نظر رکھنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ کی سب سے بڑی اور سب سے مقدم ذمہ داری تو اولاد کی صحیح تربیت ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ آج کل کے ڈاکٹر اور نفسیات کے ماہر تسلیم کرتے ہیں کہ بچہ اس وقت سے سیکھنا شروع کر دیتا ہے جب وہ بول بھی نہیں سکتا۔ جب اس کی بے شعوری بلکہ بے ہوشی کا زمانہ

ہوتا ہے۔ وہ چند ماہ کا ہونا ہے مگر اپنے ماحول کا اثر قبول کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اگر ماں تقویٰ و طہارت اور صدق و دیانت جیسی صفات سے مالا مال ہوگی تو یہ صفات اس کی اولاد میں بھی ظاہر ہوں گی اور اگر ماں موسیقی کی دلدادہ اور فیشن پرست ہوگی تو اولاد میں بھی اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔

افسوس تو یہ ہے کہ آج ہماری ماؤں بہنوں نے اپنی ذمہ داریاں بہت بڑھالی ہیں۔

بازاروں میں بے مقصد گھومنا ان کی ذمہ داری
پارٹیوں میں بن سُنور کر جانا ان کی ذمہ داری
شکلیوں میں جا کر دادِ فحاشی دینا ان کی ذمہ داری
نت نئے فیشنوں کے چکر میں پڑنا ان کی ذمہ داری
رقص و سُرد کی محفلیں سجانا ان کی ذمہ داری
ڈراموں اور فلموں کا دیکھنا ان کی ذمہ داری
پڑوسنوں کی پھلیاں اور غیبتیں کرنا ان کی ذمہ داری
بیوٹی پارلر میں جا کر گھنٹوں میک اپ کرنا ان کی ذمہ داری
اب اتنی ذمہ داریوں کے درمیان اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے
وقت بچے تو کیسے بچے؟

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے
لئے آئیڈیل یورپ کی گندی تہذیب کی آواز

آئیڈیل کون

خواتین کو بنالیا ہے۔

وہ شوہر اور بچوں کے ساتھ انہیں جیسا سلوک کرنا چاہتی ہیں۔

وہ گھر اور باہر کی زندگی انہیں کے طرز پر گزارنا چاہتی ہیں۔

وہ انہیں جیسا لباس زیب تن کرنا چاہتی ہیں۔

وہ انہیں کی ثقافت اور معاشرت اختیار کرنا چاہتی ہیں۔

اور ان کا خیال ہے — اور کیا غلط خیال ہے کہ اگر ہم ان

جیسی بن گئیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گی۔

ہائے ہائے، کیسی ناقص سوچ ہے، کیسا غلط خیال ہے، کیسی

سڑی ہوئی فکر ہے

اے میری ماؤں اور بہنوں! تمہاری کامیابی

کلبوں میں ڈانس کرنے والی؟

بازاروں میں بے پردہ گھومنے والی

اور عریاں ہو کر اپنی نسوانیت کی توہین کرنے والی عورتوں جیسا بننے

میں نہیں ہے۔

تمہارا آئیڈیل فلمی اداکاراٹیں اور گلوکاراٹیں نہیں ہیں

بلکہ تمہارا آئیڈیل تو حضرت اسمعیل ذبیح اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت

ہاجرہ علیہا السلام ہیں

تمہارا آئیڈیل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔

تمہارا آئیڈیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمہارا آئیڈیل تو زینب رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمہارا آئیڈیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمہارا آئیڈیل تو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں۔

تمہارا آئیڈیل تو ہم سب کی روحانی ماں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

ان کو آئیڈیل بناؤ اور ان کی سیرت اپنا ڈپھر دیکھو کیسے گھر بدلتے ہیں، کیسے معاشرہ بدلتا ہے اور پھر کیسے پورا ملک بدلتا ہے۔

جن لغویات کو آپ نے اپنی ذمہ داریاں بنا رکھا ہے۔ یہ آپ کی ذمہ داریاں نہیں۔

ہلاکت کا سامان

یہ لغویات تو ہلاکت کا سامان ہیں اور یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ ہلاکت کا تھوڑا سا سامان آپ جمع کرتی ہیں یا زیادہ جمع کرتی ہیں، مگر یہ بات ذہن میں ضرور رکھیں کہ ہلاکت کا یہ سامان آپ کو بھی تباہ کر سکتا ہے اور آپ کے پورے گھرانے کو بھی تباہ کر سکتا ہے اور اگر آپ چاہیں تو اپنے آپ کو اور پورے گھرانے کو بھی تباہی سے بچا سکتی ہیں۔ اور پورے معاشرے کو بھی تباہی سے بچا سکتی ہیں۔

آخر آپ اپنے شوہر سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے اپنی ذاتی فرمائشیں بھی تو پوری کراتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ان سے کوئی دینی فرمائش پوری نہیں کر سکتیں؟

ہو سکتا ہے شوہر دین سے کورا ہو، بھائی اکھڑ مزاج ہو، بیٹا نافرمان ہو مگر آپ اپنی سی کوشش تو کر کے دیکھیں۔ جو کچھ آپ کے بس میں ہے

وہ آپ ضرور کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں وہ اگر چاہے گا تو پتھر جیسے دل کو موم کر دے گا۔

اسلامی تاریخ سے اس کی ایک قابل
ایک قابل فخر مثال

فخر اور روشن مثال پیش کرتا ہوں جس سے آپ جان سکتی ہیں کہ عورت اگر کوشش کرے تو گھر، شہر اور ملک کی فضا کیسے بدل سکتی ہے۔

آپ نے تاتاریوں کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ وہی تاتاری جنہوں نے ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، ترکستان عراق اور ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ تین کروڑ انسانوں کو انہوں نے قتل کیا تھا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ وہ کوئی بم اور ٹینک اور توپ کا زمانہ نہیں تھا۔ بلکہ تیر اور تفنگ اور تلوار کا زمانہ تھا۔ اس لئے تین کروڑ انسانوں کا قتل ایک معنی رکھتا ہے۔

انہوں نے کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے اور ان پر چڑھ کر اپنی کامیابی کے نعرے لگائے۔

مسلمانوں کے ذہنوں پر ان کا اس قدر رعب اور خوف چھایا ہوا تھا کہ بعض اوقات ایک اکیلا تاتاری مسلمانوں کی ایک جماعت کو پکڑ کر میدان میں کھڑا کر دیتا۔ اور کہہ دیتا کہ میں گھر سے تلوار لینے جا رہا ہوں، میرے آنے تک تم میں سے کوئی بھی یہاں سے قدم نہ ہلانے تو ایسا ہی ہوتا تھا۔ وہ تلوار لے کر آتا تھا اور سب کے کندھوں کو گردن کے بوجھ سے ہلکا کر دیتا اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ بھاگ کھڑا ہو یا چھپ جائے۔

لوگوں کی زبانوں پر یہ مقولہ مشہور ہو گیا تھا کہ

اِذَا قِيلَ لَكَ اَنْ التَّتْرَا جب تمہیں یہ بتایا جائے کہ تاتاریوں
اَنْهَرْمُوْا فَلَآ تَصَدَّقْ کو کسی جنگ میں شکست ہو گئی ہے

تو اس بات کی تصدیق نہ کرتا۔

اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، حقیقت یہی ہے کہ جب دلوں سے

اللہ کا خوف نکل جائے تو انسانوں کا خوف دلوں پر چھا جاتا ہے۔

جب اللہ کی ذات کا یقین دل میں باقی نہ رہے تو مادی طاقتوں کا

یقین دلوں میں بیٹھ جاتا ہے۔ تاتاریوں نے مسلمان مردوں کو قتل کر دیا

اور ان کی بہو، بیٹیوں کو لاکھوں کی تعداد میں باندیاں بنا کر اپنے گھروں میں

ڈال دیا۔

مگر میں آپ کو ایک عجیب بات بتاؤں کہ ایک معجزہ ظاہر ہوا اور

وہی تاتاری جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے

وہ اسلام کے خادم اور مجاہد بن گئے اور خادم بھی ایسے کہ اللہ تعالیٰ نے

انہیں حرمین شریفین کی خدمت کے لئے قبول فرمایا اور عرب و عجم اور ایشیاء

اور افریقہ پر وہ پانچ سالی سال تک حکمرانی کرتے رہے۔

مگر یہ معجزہ کیسے ظاہر ہوا۔

مؤرخین نے اس بارے میں مختلف واقعات ذکر کئے ہیں مختلف

اسباب بتائے ہیں۔ مختلف بزرگوں اور شخصیات کے نام نقل کئے

ہیں۔ مگر میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ یہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان

عورتوں کے ہاتھوں ظاہر فرمایا۔

وہی بے سہارا عورتیں جنہیں تاتاریوں نے لونڈیاں بنا لیا تھا۔ ان

ان عظیم خواتین کے جسموں کو توتا تار یوں نے قید کر لیا تھا مگر وہ ان کے ذہنوں پر کوئی بندش نہ بٹھا سکے۔

یہ عورتیں تاتا تار یوں کے جس خاندان اور قبیلے میں بھی باندیاں بن کر داخل ہوئیں۔ اس خاندان اور قبیلے میں اسلام کے نور کو پھیلاتی چلی گئیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد حشم فلک نے یہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین نظارہ دیکھا کہ وہی ترک جن کے ہاتھوں میں اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لئے کل تلواریں تھیں۔ وہی ہاتھ اللہ سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔

وہی پیشانیاں جن پر کسی مسلمان کو دیکھ کر بل پڑ جاتے تھے وہ آج سجدے میں رگڑ رہی تھیں۔

وہی آنکھیں جن میں کل تک کفر و عدوان کے شرارے تھے، آج ان آنکھوں سے قیامت کے خوف سے آلسوٹیک رہے تھے۔ وہ کام جو مسلمان مردوں کی تلواریں نہ کر سکیں وہ کام مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت نے سرانجام دیدیا۔

وہ قوم جسے مسلمان نوجوانوں کی جوانیاں شکست نہ دے سکیں اس قوم کو بے سہارا مسلمان باندیوں نے اسلام کے قدموں پر لاکر ڈھیر کر دیا۔

ان بے سہارا لوندیوں نے وحشی پہلے اپنے آپ کو بدلیئے

تاتا تار یوں کے افکار و عقائد

کو جو بدل کر رکھ دیا تو اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خود ان لوندیوں کے سینے میں ایمان کی حرارت سرد نہیں پڑی تھی اور دین اسلام سے ان کا تعلق

کمزور نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ تعلق کمزور پڑ جاتا، یا وہ حالات سے سمجھوتہ کر کے خود بھی تاتاریوں کے اعمال و افکار کو اپنالیتیں تو وہ کبھی بھی یہ کارنامہ سرانجام نہ دے سکتی تھیں، جس پر آج تک ہم فخر کر رہے ہیں۔

یقیناً آپ میں سے بہت ساری مائیں بہنیں ایسی ہیں جو دل سے چاہتی ہوں گی کہ ان کی اولاد نیک ہو لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ اولاد کو تو نیک دیکھنا چاہتی ہیں مگر خود نیک بننے کے لئے تیار نہیں۔

جب تک آپ اپنے آپ کو نہیں بدلیں گی۔ گھر کے ماحول کا اولاد کا بدلنا ناممکن ہے۔

اگر آپ اپنی زندگی کو غلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھال لیں سچائی کو اپنی عادت بنا لیں۔

حرام کا لقمہ پیٹ میں نہ جانے دیں۔

پھر دیکھیں اولاد پر اس کے کیسے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

مجھے اس موقع پر **ایک دیندار بادشاہ کا واقعہ** | افغانستان کے سابق

بادشاہ امیر دوست محمد کا واقعہ یاد آ رہا ہے جو بڑے خدا ترس اور دیندار انسان تھے۔

ان کے زمانے میں کسی دوسرے بادشاہ نے افغانستان پر چڑھائی کر دی، انہوں نے اس کے مقابلے میں شہزادے کو فوج دے کر بھیجا۔ چند دنوں کے بعد ان کے کارندوں نے انہیں اطلاع دی کہ آپ کا بیٹا امیر عبدالرحمن دشمن کے مقابلے میں شکست کھا کر بھاگ گیا ہے۔

انہیں بڑا صدمہ ہوا، جا کر اپنی اہلیہ کو یہ اندوہناک خبر سنائی تو اس

نے اس خبر کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ شوہر کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر سچی ہے کیونکہ مجھے میرے خاص محکمہ والوں نے خبر دی ہے اور بیوی کہہ رہی ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ میرا بیٹا شکست کھا کر میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کر لے۔

وہ یا تو شہید ہو گا یا فتح پائے گا۔ مگر بھاگنے والی بات میں کسی صورت ماننے کے لئے تیار نہیں

دوسرے دن بادشاہ کو باوثوق ذرائع سے اطلاع مل گئی کہ واقعی وہ شکست کھا کر بھاگنے والی خبر جھوٹی تھی۔ مگر اسے تعجب اس بات پر تھا کہ آخر میری بیگم نے بغیر کسی تحقیق کے اتنے اعتماد کے ساتھ یہ بات کیسے کہہ دی تھی کہ میرا بیٹا شکست کھا کر بھاگ نہیں سکتا۔

جب اس نے بیگم سے پوچھا تو پہلے تو وہ بتلانے میں پس و پیش کرتی رہی پھر کہنے لگیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب یہ میرے پیٹ میں تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ ان نو مہینوں میں ایک مشتبہ لقمہ بھی اپنے پیٹ میں نہیں ڈالوں گی۔ صرف رزقِ حلال ہی میرے پیٹ میں جائے گا۔ اس لئے کہ ناپاک کمائی سے خون بھی ناپاک پیدا ہوتا ہے اور ناپاک خون سے اخلاق بھی گندے اور ناپاک پیدا ہوتے ہیں

دوسری بات جس کا میں نے التزام کیا وہ یہ تھی کہ میں جب اسے دودھ پلانے لگتی تھی تو دو رکعت نفل پڑھ کر اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اسے دودھ پلاتی تھی۔

ان دو باتوں کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا بزدل اور کمینہ نہیں ہو سکتا۔ وہ فاتح بن سکتا ہے وہ سینہ پر زخم کر کے شہادت کا عالی مرتبہ

حاصل کر سکتا ہے مگر پشت پر زخم کھا کر بھاگ نہیں سکتا۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا بھی ایک قابل رشک مائیں

ایسی ہی ماں تھیں جنہیں اس بات

پر یقین تھا کہ چونکہ میں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ خیانت نہیں کی اس لئے میرے بیٹوں کو بزدل اور کم ہمت نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب عراق میں جنگ قادسیہ ہوئی تو وہ اپنے چاروں جوان بیٹوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئیں۔ اور بیٹوں کو میدان جنگ میں ترغیب دیتے ہوئے فرمانے لگیں۔

اے میرے بیٹو! تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے بددیانتی کی ہے نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا ہے، نہ تمہارے حسب و نسب کو داغ لگایا ہے۔ جہاد کا ثواب تم جانتے ہو، آخرت بہتر ہے اس فانی دنیا سے۔ کل صبح جب میدان جنگ میں جاؤ تو دعا مانگتے ہوئے جانا۔ چنانچہ صبح سخت ترین جنگ ہوئی اور ان کے چاروں بیٹے شہید ہو گئے۔ شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو لاشوں کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میری محنت ٹھکانے لگی، اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بیٹوں کی شہادت کی عزت بخشی۔

اس قدر کردوں گا ماں کی محبت کو بلند

دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

یہ تھیں وہ قابل رشک مائیں جو نوجوان بیٹوں کو ترغیب دے کر جہاد

کا اجر و ثواب اور شہادت کی فضیلت بتا کر میدان جنگ میں بھیجا کرتی

تھیں۔ جب مائیں ایسی تھیں تو کفر مسلمانوں سے لرزتا تھا لیکن جب

ماؤں کے سینے سے جذبہ جہاد نکل گیا۔ اسلام کی سر بلندی کی سوچ ان میں باقی نہ رہی، اولاد کی اسلامی نہج پر تربیت کی تڑپ ان میں باقی نہ رہی تو اب ان کی جوان اولادوں کو کیا الزام دیں؟

وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، ہمیں اسی کی تربیت دی گئی ہے، ہمیں یہی کچھ سکھایا گیا ہے ہم نے اپنے گھر میں یہی کچھ ہوتے دیکھا ہے جھوٹ، منافقت، گالی، گلوچ، غیبت، جھگڑی، بہتان تراشی، بخل، کنجوسی، بے حیائی، بے پردگی، فحاشی، عُریانیت، سود خوری، قس و سُرد، گانا بجانا، مار دھاڑ، عصبیت، مفاد پرستی، خود پسندی، تکبر، غرور، فخر اور ریا کاری۔۔۔۔۔ ان میں سے کون سی اخلاقی برائی ہے جو ہمارے گھروں میں نہیں ہے۔ تو اگر یہی برائیاں ہماری اولادوں میں پیدا ہو جاتی ہیں تو تعجب کی کون سی بات ہے۔ زمین سے وہی چیز پیدا ہوتی ہے جو بوٹی جاتی ہے۔

بچہ تو ایک خالی مگر پاک صاف زمین ہے یہ آپ کی مرضی ہے کہ اس میں پھول بوتے ہیں یا کانٹے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ وہ تو آپ کا انتقال ہے۔ اچھا۔ بُرا جو کچھ آپ کو کرتا دیکھے گا۔ وہی کچھ وہ کرنے لگے گا۔

محبوب الہی سلطان
حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ
 الاولیاء نظام الدین

اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی گرامی قدر والدہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا تو صاحبزادے سے کہتیں کہ ہم آج اللہ کے مہمان ہیں حضرت بچپن کی سادگی اور بھولے پن کی وجہ سے عرض کرتے، کہ کیا اللہ کھانا بھیجتا ہے تو

ماں فرماتی کہ اللہ کے ہاں سے روحانی غذا ایسی آتی ہیں اور وہ غذائیں ماں
میں نور اور دل میں سُور پیدا کرتی ہیں

سلطان جی فرمایا کرتے تھے کہ اس تصور سے کہ ہم اللہ کے مہمان ہیں،
مجھے اس فاقہ میں ایسا مزہ آتا تھا جو کھانوں میں نہیں ہوتا۔

اگر اس دور کی ماڈرن ماں ہوتی تو اولاد کے سامنے یا تو شوہر کی بدنامی
کرتی کہ تمہارا باپ ہی نکھٹواؤز نکمٹا ہے۔ اسے کمانے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا
نہ رشوت لیتا ہے نہ بھتہ لیتا ہے، نہ ہی کوئی اور ناجائز چکر چلاتا ہے۔

جب کہ ساری دنیا اس طرح کما رہی ہے۔ اور عیش کر رہی ہے
یا پھر اللہ کے شکوے کرتی کہ وہ ساری دنیا جہان کو دیتا ہے، ہمیں

نہیں دیتا۔ آخر ہمارے اندر کون سی کمی ہے اور ظاہر ہے جو کچھ ماں بچوں
کے سامنے کہے گی، وہی کچھ ان کے دلوں کی صاف تختی پر نقش ہوگا۔

اگر بچپن میں اولاد کی صحیح تربیت کی
امام شافعی رحمہ اللہ کی والدہ

والدین کے سامنے اپنے آپ کو سچہ ہی سمجھتے ہیں اور ان کے حکموں کی تعمیل میں
دنیا و آخرت کی سعادت تصور کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ جب وہ طویل عرصہ
کے بعد اپنے وطن مکہ معظمہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ بہت سا مال اور
دولت اور جانور تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر ان کی والدہ گرامی نے ان کا
استقبال کیا۔

آپ ذرا سوچیے کہ اگر ہمارے دور کی کوئی ماں ہوتی تو کیا کرتی، یقیناً
ڈھول ڈھمکے سے بیٹے کا استقبال کرتی تاکہ حریفوں کے دل جلیں اور

پڑوسیوں پر برتری کا اظہار ہو، لوگوں کو سبتہ چلے کہ ہمارا بیٹا کیا کچھ کما کر لایا ہے
مگر حضرت امام شافعی رح کی والدہ نے مال و دولت کو دیکھ کر فرمایا کہ
کل تم مکہ سے فقیر کی صورت میں گئے تھے اور آج امیر بن کر لوٹے ہو تاکہ اپنے
چچا زاد بھائیوں پر گھمنڈ کرو۔

امام صاحب نے نہایت فرما برداری سے پوچھا کہ اماں جان اس
مال و دولت کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ منادی کرادو، کہ
بھوکے آئیں اور کھائیں، پیدل چلنے والے آئیں اور سواری لے جائیں، ننگے
آئیں اور لباس لے جائیں، اسی طرح تمہاری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا
اجر محفوظ رہے گا۔

امام صاحب نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور سب مال مستحقین میں
تقسیم فرما دیا۔

امام مالک رح نے جب یہ واقعہ سنا تو گیارہ سال تک ہر سال اتنا ہی
مال و سامان امام شافعی رح کو بھیجتے رہے۔ جتنا پہلی مرتبہ امام شافعی رح کو دیا تھا
اور انہوں نے غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا تھا۔ تو یہ ٹھہیں وہ ماں جن
کے قدموں کو چھو کر ولی اور محدث پیدا ہوتے تھے
جن کی تربیت سے مجاہد اور شہید پیدا ہوتے تھے۔

جن کی گود میں پل کر دین کے داعی اور سچے خادم پیدا ہوتے تھے۔
میں نے عرض کیا ناں! کہ مجھے
اصل کمال تو آپ کا ہے۔ | مردوں کے کمالات اور ان

کے کارناموں سے انکار نہیں مگر میں ان عظیم ماؤں کو کیسے بھول جاؤں، جن
کی کوکھ سے باکمال مردوں نے جنم لیا۔

گھر کا حاکم بیشک مرد ہوتا ہے لیکن اس کی حکومت بیوی کے بغیر نہیں چل سکتی، اگر بیوی اس کے ساتھ تعاون نہ کرے تو اس کے لئے زندگی کے عملی میدان میں کامیابی اور ترقی حاصل کرنا بڑا ہی مشکل ہے عورت ہی شوہر کی عزت کو بڑھاتی ہے اور وہی اسے ذلت و خواری کے گڑھے میں گراتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا نام تو آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ اموی خاندان سے تعلق تھا۔ بڑی ہی عادل اور خداترس حکمران تھے بعض لوگوں نے انہیں خلیفہ راشد خامس شمار کیا ہے۔ ان کی بیوی عظیم المرتبت حکمران خلیفہ عبدالملک کی صاحبزادی فاطمہ تھی جس کے باپ اور تین بھائیوں کی تین بڑا عظیموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بڑے حصے پر حکومت رہی ہے، گویا فاطمہ چار بڑے بادشاہوں کی بیٹی اور بہن تھی، اس لئے اسے عیش اور راحت کا جو سامان میسر تھا۔ اس کا شاید ہم تصور بھی نہ کر سکیں۔ گھر میں کئی کئی خادم، غلام اور لونڈیاں، ہر طرح کے زیورات، ہر طرح کی سواریاں ہر طرح کے ملبوسات، مفروشات اور عطریات انہیں مہیا تھے۔

ان حالات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا، اے فاطمہ! اگر شاہانہ زندگی اور اس کا سامان مطلوب ہے تو مجھ سے جدائی اختیار کر لو۔ ورنہ یہ سارا مال و متاع بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ کیونکہ یہ پچھلے حکمرانوں نے غلط طریقے سے اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس پر ہمارا نہیں بلکہ غریب مسلمانوں کا حق ہے۔

فاطمہ نے عرض کی مجھے دوسری صورت پسند ہے۔ آپ یہ سارا سامان اور مال و دولت میرے جواہرات اور زیورات بیت المال میں

جمع کرادیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اب اس نازوں پٹی شہزادی کا یہ حال تھا کہ پیوند لگے کپڑے پہنتی اور اس گھر میں رہتی جس میں نہ غلام اور نہ باندیاں، نہ کروفر نہ شان و شوکت، نہ نعلے کے ڈھیر۔ بلکہ بعض اوقات فاقے تک بھی نوبت پہنچ جاتی۔ حدیہ کہ عید کے دن بچے روتے رہے ان کے لئے نئے کپڑے مہیا نہ ہو سکے۔

شہزادی فاطمہ رحمہ کو فاقے تو برداشت کرنے پڑے اور گھر میں تنگی و ترشی بھی دکھنی پڑی۔ لیکن وہ اپنی آخرت بھی بنا گئی اور تاریخ میں ایک مثال بھی قائم کر گئی کہ عورت شوہر کی خاطر، حق اور سچائی کی خاطر اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ کی وفات کے بعد جب اُن کے بھائی نے خلیفہ بننے کے بعد ہمیشہ کے زیورات بیت المال سے واپس کرنا چاہے تو سیدہ فاطمہ رحمہ کی روحانی بیٹی شہزادی فاطمہ رحمہ نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی زندگی میں تو وفادار رہی، اور اب ان کے مرنے کے بعد نافرمان بن جاؤں۔ چنانچہ اپنے بھائیوں کی بادشاہت کے دور میں بھی فقیرانہ زندگی پر قناعت پذیر رہیں اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

میری ماؤں اور بہنوں! میں کس کس
ضرورت تو یہ ہے | کا نام لوں۔ اسلامی تاریخ عورت

کی قربانیوں، عورت کی خدمت کی داستانوں اور تعلیم و تربیت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ مگر آج ہم یہاں محض یہ داستانیں اور واقعات سننے سنانے کے لئے جمع نہیں ہوئے۔ آج کے اس اجتماع کا مقصد آپ کو

موجودہ دور میں آپ کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ہے۔
 آج جب کہ ہمارے چاروں طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم
 ہے۔ خون آشامی کی داستانیں عام ہیں، نئی نسل کے ہاتھوں میں آتشیں
 اسلحہ ہے، گھر گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہر گھر سینما بنا
 ہوا ہے

خدا را آپ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیئے، گھر کے ماحول کو بدلیئے اپنی
 اولاد پر محنت کیجئے، انہیں دیندار بنائیئے، ان کے دلوں میں اللہ اور اس
 کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کیجئے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے کہ آپ کے
 معصوم بچوں کی زبانوں پر فحش گانوں کے بول اور فلموں کے ڈائلاگ
 ہوتے ہیں۔

آخر ان کی زبانیں قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر سے نا آشنا
 کیوں ہیں۔

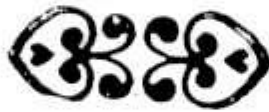
میری ماں اور میری بہن میری تلخ گوئی کو معاف کر دینا۔
 میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں بہت زیادہ قصور آپ کا ہے
 بچہ آپ کی گود میں ہوتا ہے اور آپ فلم دیکھنے میں مصروف ہوتی
 ہیں۔

آپ بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہیں اور گانے کی آوازیں اس کی معصوم
 سماعت سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں۔

اگر آپ اپنے کردار کو، اپنی گفتار کو، اپنی معاشرت کو، اپنی زندگی
 کو اسلام کے مطابق ڈھال لیں تو انشاء اللہ گھر بدلے گا، محلہ بدلے گا
 شہر بدلے گا اور پھر انشاء اللہ پورا ملک بدلے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا

ہے کہ وہ ہمیں اپنی سیرت و صورت کو، کردار و گفتار کو اور گھر اور بازار
کو اسلام کے مطابق ڈھالنے، بنانے، سنوارنے کی توفیق نصیب فرمائے

وما علینا الا البلاغ



فلمیں اور ڈرامے

غضب ہے یہ "فلموں" کی وباد بھی
ہر ایک مبتلا ہے برا بھی بھلا بھی
کوئی اس کے آخر اثر سے بچا بھی
کہ چھوٹا نہ مجذوب سا باخدا بھی
تراے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

حضرت مجذوب رح

رقص گاہوں میں اس انداز سے پائل چھنکی
اس کی آواز میں آواز آذاں ڈوب گئی
اس قدر شور مچاتی رہیں عشرت گاہیں
جس میں مظلوم کی فریاد و فغاں ڈوب گئی

کہ اصل میں "تہذیب نو" ہے۔

دوسری چیز جو ہمارے معاشرے میں فلموں اور ڈراموں اور ناچ گانے کی کثرت کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے، وہ نئی نسل ہے اصل میں انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقال ہے، وہ جو کچھ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ خاص طور پر چھوٹے بچوں اور

نوجوانوں میں نقالی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے وہ فلموں اور ڈراموں میں مار دھاڑ، چوری چکاری اور عشق و فسق کے جو مناظر دیکھتے ہیں، اپنی عملی زندگی میں ان کی ریہرسل کرتے ہیں۔

آپ گلی کوچوں میں دیکھیں گے کہ چھوٹے چھوٹے بچے ٹرٹر کی آوازیں نکالتے ہیں، فلمی ایکٹروں کی طرح جھوم جھوم کر چلتے ہیں، اور رٹے رٹائے ڈائیلاگ بولتے ہیں۔

یہ سب کچھ انھوں نے کہاں سے سیکھا؟

کسی کنجر خانے میں؟

کسی ڈاکو اور بد معاش سے؟

نہیں! ہرگز نہیں!

معاف کیجئے گا یہ سب کچھ انھوں نے اپنے ابا اور امی کے پہلو میں تفریح کے نام پر غلاظت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے؟

فلمیں اور ڈرامے لہ

نَحْمَدُكَ يَا اللَّهُ وَنُصَلِّي عَلَى سَيِّدِنَا وَرَسُولِنَا الْكَرِيمِ أَمَا بَعْدُ
 فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا
 وَأَوْرَايَانِ إِلَى عورتوں کو فتنوں میں مبتلا کیا،
 پھر توبہ نہ کی، ان کے لئے دوزخ کا عذاب
 عَذَابُ الْحَرِيقِ ہے اور ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ
 الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ فِي الدُّنْيَا
 وَالْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ
 لَا تَعْلَمُونَ ۝ (سورہ نور)

بلاشبہ جو لوگ مسلمانوں میں فحاشی کا
 چرچا چاہتے ہیں، ان کے لئے
 آخرت میں دردناک عذاب ہے اور
 اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

إِذَا عَمِلَتِ الْخَطِيئَةَ فَمَنْ
 شَهِدَهَا كَرِهَهَا كَانَتْ كَمَنْ
 غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا
 فَرَضِيهَا كَانَتْ كَمَنْ شَهِدَهَا
 (البوداؤد)

جب زمین میں گناہ کیا جاتا ہے تو جو شخص
 موقع پر موجود ہو مگر دل میں اس سے نفرت
 کرے تو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے جو
 اس سے غائب ہے اور جو شخص وہاں سے
 غائب ہونے کے باوجود اس پر دل سے

لہ ایک ایسے اجتماع میں کی گئی تقریر جس میں پس پردہ بھی موجود تھیں

راضی ہو وہ (حکماً) اس شخص کی مانند ہے
جو موقع پر موجود ہے۔

محترم حاضرین و حضرات! یہ دور حقیقت میں فتنوں کا دور ہے، اس دور
میں ایمان اور ہدایت پر قائم رہنا واقعی بڑے کمال اور بڑی سعادت کی بات ہے،
قدم قدم پر گناہ کی دعوت ہے، گلی کوچوں، گھروں اور بازاروں میں فساد و ضلالت
کے داعی بیٹھے ہیں، کانوں میں گندگی اٹیلینے اور آنکھوں کے بہکانے کے ایسے
پرکشش طریقے ایجاد کر لئے گئے ہیں کہ کوئی صاحب کمال ہی بچ سکتا ہے اور کوئی
سعادت مند ہی نیکی کی راہ پر گامزن رہ سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضلالت و گمراہی کے غلبے کے دور میں دین پر
قائم رہنے والوں کے لئے جو بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں تو ان کی سچائی اور
واقعیت آج خود بخود سمجھ آ رہی ہے

جب ہر طرف عربانیت اور فحاشی ہو، سڑکوں پر جیبا باختہ اور بے حجاب حُسن
کی بچلیاں ہوں، رسالوں اور اخبارات میں نیم عریاں بلکہ بالکل عریاں تصویریں ہوں،
ٹی وی کی اسکرین پر میجان انگیز مناظر ہوں، تو اگر کوئی خوش قسمت انسان غلاظت
کے اس سیلاب سے اپنا دامن بچا لیتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و احسان
کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

افسوس صد افسوس کہ فحاشی

ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال اور عربانیت کے سیلاب

کی تندہی و تیزی میں سب سے اہم اور مؤثر رول ہمارے ذرائع ابلاغ کر رہے
ہیں۔ ابلاغ کا معنی ہے ایک بات دوسرے تک پہنچانا، یہ
جو آپ حضرات تقریر اور بیان کے آخر میں سنتے ہیں کہ خطیب صاحب

کہتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ "تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری ذمہ داری تو بس یہ تھی کہ ہم دین کی بات تم تک پہنچادیں۔ خواہ تم اس پر عمل کرو یا نہ کرو، تو ذرائع ابلاغ کا معنی یہ ہوا "لوگوں تک بات پہنچانے کے ذرائع"

ان ذرائع سے لوگوں تک اچھی بات بھی پہنچائی جاسکتی ہے اور بری بات بھی، ان ذرائع سے عوام کو اطاعت کا درس بھی دیا جاسکتا ہے اور بغاوت کا بھی، ان ذرائع سے فحاشی و عریانیت کی تعلیم بھی دی جاسکتی ہے اور شرم و حیا کی بھی۔ ان ذرائع سے ہم نوجوانوں کو محمد بن قاسم کی راہ پر بھی چلا سکتے ہیں اور جنگیز خان کی راہ پر بھی۔

ان ذرائع سے ہم معاشرے میں محبت کے پھول بھی بکھیر سکتے ہیں، اور نفرت کے کانٹے بھی۔

مگر افسوس یہ کہ آج کل ان ذرائع کا زیادہ تر غلط استعمال ہو رہا ہے اخبارات اور رسائل و جرائد نے عورت کے جسم کو، اس کے حسن کو، اس کے چہرے کو اور اس کی برہنگی کو اپنی تجارت کے بڑھانے کا ذریعہ بنا لیا ہے، کتنے ہی رسائل ہیں جو صرف چٹ پٹی خبروں، ننگی تصویروں، اور فحش کہانیوں اور خبروں کے ذریعے چل رہے ہیں، دنیا کے کسی ملک میں بھی بے حیائی کا کوئی واقعہ رونما ہو، یا کسی فلمی اداکار یا اداکارہ کا کوئی اسکینڈل ہو، یا کسی کھلاڑی کا معاشقہ ہو، ہمارے اخبارات اور رسائل سے مرتح مصاحفہ لگا کر چھاپنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اسکینڈل قوم کے علم میں نہ آیا تو قوم کتنی جاہل رہ جائے گی۔

ہالی وڈ میں کون کتنوں شادی کر رہا ہے
بیبٹی میں کون کس پر مڑ رہا ہے۔

ہانگ کانگ میں کون کس کے لئے ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہے۔
فلاں کی فلاں کے ساتھ شادی کے کیا نتائج برآمد ہوں گے
کتنے بچے پیدا ہوں گے۔

یہ شادی کامیاب ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس شادی کے ملکی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

شادی سے پہلے وہ دونوں کتنی صبحیں اور کتنی شامیں کٹھی گزار چکے ہیں۔

شادی سے قبل یہ جوڑا کتنے کامیاب اور نام کام معاشقے لڑا چکا ہے۔

شبِ عروسی دلہن کو چھنک آئی تھی یا نہیں آئی تھی۔

ان دونوں نے غسل کیسے کیا اور کہاں کیا۔

صابن اور تولیہ کون سا استعمال کیا

اس شادی کا رقبوں اور عشاق کی پوری جماعت کی صحت پر کیا اثر پڑا ہے

اور ان کے آئندہ کے عزائم اور منصوبے کیا ہیں

یہ سب کچھ تصویروں کے ساتھ چھاپنا صحافی حضرات اپنی صحافیانہ ذمہ

داری سمجھتے ہیں۔

عریانیت کو فروغ دینے میں اشتہار۔ بازوں
کا بھی کچھ کم حصہ نہیں ہے، دنیا کی کسی چیز کا

اشتہار بازی

اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

ملبوسات میں عورت

مصنوعات میں عورت

عطریات میں عورت

زیورات میں عورت

کاسمیٹک میں عورت

حتیٰ کہ وہ چیزیں جو خاص مردوں کے استعمال کی ہیں ان میں بھی عورت
ٹریکیٹر کا اشتہار ہوگا مگر ساتھ عورت کی تصویر بھی ہوگی
موٹر سائیکل کا اشتہار ہوگا تو بھی عورت کی تصویر۔

دولت کے ان پجاریوں نے قدرت کی ایک پاکیزہ تخلیق کو کھلونا بنا دیا ہے
اور اس کے ایک ایک عضو کی نمائش کر کے دولت کمائی جا رہی ہے۔
ماڈلنگ ایک نفع بخش کاروبار بن گیا ہے جس میں بڑے گھرانوں کی نوجوان
بیٹیاں اپنے جسم کی نمائش کا منہ مانگا معاوضہ وصولتی اور اس پر سرعام اتراتی پھرتی
ہیں۔

سب سے موثر کردار | مگر فحاشی اور عریانیّت کو فروغ دینے میں ان سب
سے بڑھ کر فلموں اور ڈراموں نے کردار ادا کیا ہے
جو کہ سینما گھروں میں بڑی اسکرین پر اور ذاتی گھروں میں چھوٹی اسکرین پر دیکھے
جاتے ہیں۔

اب وہ دور نہیں رہا جب فلمیں دیکھنے والے سینما گھروں میں جلنے
پر مجبور تھے۔ اب تو ہر گھر سینما گھر ہے
معاملہ صرف بازاروں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ شرفاء کے گھرانے بھی
فلموں اور ڈراموں کی لعنت سے محفوظ نہیں رہے۔ ہر گھر میں ٹی وی اور وی
سی آر موجود ہے جس پر لوگ چاہتے ہیں اور جو نسی چاہتے ہیں۔ فلم دیکھ لیتے
ہیں بلکہ ڈش انٹینا نے تو دنیا بھر کی غلاطت کو ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا
کر دیا ہے، بس ایک بٹن دبانے کی دیر ہے۔ یورپ کی غلیظت سے غلیظ فلمیں
اور عریاں سے عریاں پروگرام سامنے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

ان فلموں اور ڈراموں میں کتنے مناسدا اور کتنی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کے کتنے حکم ٹوٹتے ہیں۔ یہ سب کچھ یا تو ہمارے علم میں نہیں یا ہم سب کچھ جاننے کے باوجود خودکشی کا ارتکاب کر رہے ہیں، بلکہ خودکشی کو زندگی سمجھ بیٹھے ہیں اور ظاہر ہے جو شخص کو موت حیات، زہر کو تریاق اور بیماری کو شفا سمجھ لے، اس کے لئے تو بس دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنا نفع و نقصان سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

پھر بھی محض خیر خواہی کے جذبے آپ حضرات کے سامنے فلموں اور ڈراموں میں جو چند بڑی بڑی خرابیاں پائی جاتی ہیں، انہیں عرض کئے دیتا ہوں، شاید رب کریم ہم میں سے کسی کو ہدایت عطا فرمائے۔

وقت کا ضیاع | اگر آپ میری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ تو میری اس بات کی تصدیق

کریں گے کہ فلموں اور ڈراموں میں ضیاع ہی ضیاع ہے۔ حاصل کچھ نہیں ہوتا سب سے زیادہ جو چیز ضائع ہوتی ہے وہ وقت ہے۔ حالانکہ دنیا کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو روپے پیسے سے خریدی جاسکتی ہیں لیکن وقت روپے پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا۔ مگر ہمارے ہاں جتنی ناقدری وقت کی ہے، اتنی کسی اور چیز کی نہیں، دعوتوں میں، جلسے جلوسوں میں، محفلوں میں، گھر وں میں، بازاروں میں بے تماشا وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ جن کاموں میں ہم وقت ضائع کرتے تھے۔ اب ان میں ایک اور چیز کا اضافہ ہو گیا ہے اور وہ ہے ٹی وی!

کتنے ہی لوگ ہیں جو گھنٹوں ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فلمیں اور ڈرامے دیکھتے رہتے ہیں، ایک محلہ میں ہمارا آنا جانا ہے وہاں دیکھا کہ اگر ایک دو

چھٹیاں آجاتی ہیں تو بعض لوگ مسلسل بارہ بارہ گھنٹے بلکہ کئی تو چوبیس چوبیس گھنٹے پاکستانی اور انڈین فلمیں دیکھتے رہتے ہیں۔ نہ دینی فرائض کا خیال نہ دنیاوی ذمہ داریوں کا احساس حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر نماز پڑھتے کے لئے کہا جائے تو مصروفیت کا راور وقت نہ ہونے کا عذر پیش کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

نِعْمَتَانِ مَغْبُورَتَانِ فِيهِمَا كَثِيرٌ وَّوَعْمَتَانِ مَغْبُورَتَانِ فِيهِمَا كَثِيرٌ
مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاحُ۔ لوگ دھوکے میں پڑے ہیں۔ ایک
صحت اور دوسری فراغت۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں کتاب الرقاق کی ابتداء اسی حدیث سے کی ہے۔

جب تک انسان کو تندرستی اور فرصت حاصل رہتی ہے، وہ دھوکے میں پڑا رہتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں ہمیشہ تندرست رہوں گا اور مجھے ہمیشہ فرصت حاصل رہے گی، جو صحت اور فراغت اسے حاصل ہوتی ہے، اسے فضول کاموں میں ضائع کرتا رہتا ہے۔ اور شیطان اسے تسلی دیتا رہتا ہے، کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے، بعد میں عبادت کر لینا، ابھی تو تم جوان ہو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ تم بھی دنیا کے کچھ مزے چکھ لو، بعد میں توبہ کر لینا اور اپنی اصلاح کر لینا۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آتا ہے۔ جب وہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو عبادت کرنے کے قابل نہیں رہتا یا فرصت کے لمحات اس سے چھین لئے جاتے ہیں اور اسے توبہ اور اصلاح کی توفیق نہیں مل پاتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو نفس اور شیطان کے دھوکے میں نہ آؤ۔ وقت اور صحت کو فضول کاموں میں برباد نہ کرو، ورنہ

یہ بہت بڑی قیمتی چیز ہے۔ اس کی قدر کرو، اسے صحیح مصرف میں استعمال کرو، ورنہ کل پھٹاؤ گے مگر یہ پھٹتاو کسی کام نہ آئیگا۔

قرآن کریم میں ہے کہ قیامت کے دن عمر اور زندگی کو فضول کاموں میں ضائع کرنے والے جب جہنم میں پڑے ہوں گے تو چیخ چیخ کر کہیں گے۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذَا مَلِكًا صَالِحًا
عَمِلْنَا الْاَعْمَالَ
کام کریں گے پر خلاف ان کاموں کے کہ جو
کیا کرتے تھے۔ (سورہ فاطر)

تو اللہ جل شانہ فرمائیں گے :-

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ
فِيهِ مَنْ تَذَكَّرُ
کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر
اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل
کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا۔

آج تم مہلت عمل طلب کر رہے ہو

آج تم زندگی کے چند لمحات کی بھیک مانگ رہے ہو

آج تم دنیا میں دوبارہ جانے کی آرزو کر رہے ہو تاکہ تم نیک عمل کر سکو۔

تمہیں تو ایمان اور عمل صالح کے لئے اتنی زندگی دی گئی تھی جس میں اگر

تم چاہتے تو اللہ کو راضی کر سکتے تھے مگر تم نفس و شیطان کے بہکاوے میں

آکر وقت جیسا قیمتی سرمایہ دونوں ہاتھوں سے لٹاتے اور ضائع کرتے رہے،

(۱) جوانی تم نے ضائع کر دی۔ (۲) صحت تم نے

پانچ قیمتی چیزیں | ضائع کر دی، (۳) دولت تم نے ضائع کر دی

(۴) فراغت تم نے ضائع کر دی (۵) زندگی تم نے ضائع کر دی۔

حالانکہ یہ پانچ چیزیں وہ قیمتی کرنسیاں ہیں، جنہیں صحیح جگہ پر خرچ کر کے

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے اور اپنے آپ کو جنت کا حقدار بنایا جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں عمر بن مسعود اور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِغْتَنِمَ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے
 شَبَابِكَ قَبْلَ هَرَمِكَ غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے
 صِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو
 غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ محاجی سے پہلے، فرصت کو مشغولی سے
 قَبْلَ شُغْلِكَ پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔
 مَوْتِكَ)

یہ پانچ چیزیں بڑی قیمتی ہیں ان کی قدر کرنے والا اور انہیں صحیح مصرف میں استعمال کرنے والا کامیاب ہے اور ان کی ناقدری کرنے والا اور ان سے گناہوں کا پتارہ خریدنے والا ناکام ہے۔

ان منٹوں اور لمحوں کی صحیح قدر اس وقت ہوگی، جب زندگی

کا رشتہ ٹوٹ جائیگا

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے چند صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو اور ان کو تم معمولی سمجھتے ہو لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں تھوڑا سا وقت اور مل جاتا تو میں اس میں دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔

صحابہ کرام رضوانی ولنت کی قدر و قیمت جانتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے تابعی تھے اور جنہوں نے صحابہ کرام کو قریب سے دیکھا تھا وہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

أَدْرِكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ
 أَشَحَّ عَلَى عُمَرَةَ مِنْهُ عَلَى
 دَرَاهِمِهِ

میں نے ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جو اپنی عمر اور وقت کے بارے میں رزم و دنیا پر سے زیادہ بخیل تھے۔

ہم سونے چاندی اور روپے پیسے کے بارے میں بخیل اور کنجوس ہیں جیب سے ایک روپیہ نکالتے ہوئے ہماری جان پرین جاتی ہے۔ لیکن وقت کے معاملے میں ہم لوگ بڑے سخی ہیں۔ جہاں ایک منٹ میں کام ہو سکتا ہے ہم وہاں ایک ایک گھنٹہ ضائع کر دیتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ روپے پیسے کے معاملے میں بڑے دریا دل تھے، لیکن وقت کے معاملے میں بخل سے کام لیتے تھے۔

ان کی زندگیوں اللہ کے دین کے لئے وقف تھیں ان کے اوقات جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت و تبلیغ میں بسر ہوتے تھے۔

ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گزرتی تھیں ان کے گھنٹے اور منٹ دین کے تعلیم و تعلم میں لگتے تھے۔ ان کے منٹ اور لمحات اللہ کی یاد میں استعمال ہوتے تھے وہ ایک ایک سیکنڈ سوچ سمجھ کر گزارتے تھے مگر آج ہمارا کیا حال ہے راتیں فلمیں دیکھتے ہوئے اور دن سوتے ہوئے اور جگائیاں لیتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ کئی لوگوں نے جمعہ کی رات کو انہی لغویات و لہویات کے لئے وقف کر رکھا ہے،

کبھی فرصت ملے تو سوچئے کہ ہم زندگی جیسی قیمتی متاع کو کن فضولیات کی نذر کر رہے ہیں اگر قیامت کے دن زندگی عطا کرنے والے نے پوچھ لیا۔ اور ظاہر ہے اسے پوچھنے کا حق ہے کہ تم نے ہماری عطا کردہ زندگی کو کن کاموں میں گزارا۔ میری رضا والے کاموں میں یا ناراضگی والے کاموں میں، تو ہم کیا جواب دیں گے اور پھر یہ بھی سوچئے کہ ان فلموں سے ہمیں دین یا دنیا کا کون سا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

حضرت امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے کام بھی ہیں۔ وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں دین یا دنیا کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن میں یا تو دین کا نقصان ہے یا دنیا کا۔ تیسرے وہ ہیں جن میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے نہ دنیا کا نہ دین کا۔ اس کے بعد امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں، کہ جہاں تک ان کاموں کا تعلق ہے جو نقصان دہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے تو بچنا ضروری ہے اور اگر غور سے دیکھو تو کاموں کی یہ جو تیسری قسم ہے جس میں نہ نقصان ہے اور نہ نفع ہے، وہ بھی حقیقت میں نقصان دہ ہیں اس لئے کہ جب تم ایسے کام میں اپنا وقت لگا رہے ہو، جس میں کوئی نفع نہیں ہے حالانکہ اس وقت کو تم ایسے کام میں لگا سکتے تھے جس میں نفع ہو تو گویا کہ تم نے اس وقت کو برباد کر دیا۔ اور اس وقت کے نفع کو ضائع کر دیا۔“

(اصلاحی خطبات) کام کی ان قسموں کو سامنے رکھئے اور پھر بتائیے کہ فلمیں اور ڈرامے ان میں سے کون سی قسم میں شامل ہیں۔ ممکن ہے کوئی فلموں کا ریا ان کو معاذ اللہ پہلی قسم میں شامل کرے۔ مگر ایسا یقیناً نہ ہی کریگا جس کا دل خوف

خدا سے اور کھوڑی عقل و خرد سے خالی ہوگی وگرنہ سچی بات تو یہ ہے کہ فلموں اور ڈراموں کا دیکھنا ایسا عمل ہے جس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔

وقت کا بھی ضیاع ہے اور پیسے کا بھی

صحت کی بھی بربادی ہے اور آخرت کی بھی

گھر کی بھی تباہی ہے اور اولاد کی بھی

ملک کا بھی نقصان ہے اور قوم کا بھی۔

دوسری چیز جو ہمارے معاشرے میں فلموں

ڈراموں اور ناٹج گانے کی کثرت کی وجہ سے

نئی نسل کا ضیاع

ضائع ہو رہی ہے، وہ نئی نسل ہے۔ اصل میں انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے

نقال ہے جو کچھ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے اس کی نقل اُتارنے کی کوشش

کرتا ہے، اس نے مچھلیوں کو تیرتے دیکھ کر تیرنا سیکھا۔ پرندوں کو اڑتے دیکھا تو اڑنے

کی کوشش کی، _____ خاص طور پر چھوٹے بچوں اور نوجوانوں میں

نقالی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ زبان میں، بول چال میں، لباس میں معاشرے

میں جو کچھ وہ اپنے گرد و پیش میں ہوتا دیکھتے ہیں، وہی کچھ اسی انداز میں کرنے

کی خود کوشش کرتے ہیں۔

فلموں اور ڈراموں میں وہ مار دھاڑ دیکھتے ہیں تو وہ مار دھاڑ کرنے لگتے ہیں

اسلحہ کا بے تحاشا استعمال دیکھتے ہیں تو وہ بھی اسلحہ چلانے میں فخر

محسوس کرتے ہیں۔

چوری چکاری کے مناظر دیکھتے ہیں تو اپنی عملی زندگی میں ان پر عمل کرتے ہیں

معاشرے کی داستانیں دیکھتے ہیں تو وہ بھی پینگیں بڑھانے کی کوشش

کرتے ہیں۔

آپ گلی کوچوں میں دیکھیں گے کہ چھوٹے چھوٹے نیچے بڑی بڑی آوازیں نکالتے ہیں، فلمی ایکٹروں کی طرح جھوم جھوم کر چلتے ہیں اور لٹے لٹائے ڈائلاگ بولتے ہیں۔ یہ سب کچھ انھوں نے کہاں سے سیکھا

کسی کنجر خانے میں؟

کسی ڈاکو اور بد معاش سے؟

نہیں! ہرگز نہیں، معاف کیجئے گا۔ یہ سب کچھ انھوں نے اپنے آپ سے سیکھا اور اتنی کے پہلو میں تفریح کے نام پر غلاطت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے۔

کچھ عرصہ قبل اپنا برطانوی

ہے کوئی جو عبرت حاصل کرے معاشرہ یہ سن کر لرز اٹھا کہ

دس دس سال کے دو بچوں نے ایک دو سال کے بچے کو پیسے اغوا کیا، پھر اس معصوم کو پتھروں سے کچل کر مار ڈالا اور اس کے بعد اس قتل کو حادثے کا روپ دینے کے لئے اس کی لاش ٹرین کے آگے پھینک دی، جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ انھوں نے کسی فلم میں یہ منظر دیکھا تھا اور اس واردات سے ان کا مقصد اسی فلم کی نقالی کرنا تھا۔ اس واقعہ پر برطانیہ میں بڑی حیرت و پکار مچ گئی اور وزیر داخلہ سے مطالبہ کیا گیا کہ بچوں کو ایسی ویڈیو فلم دینے پر پابندی لگائی جائے۔ سرفے رپورٹروں میں کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں ایک بچہ سولہ سال کی عمر میں مختلف پروگراموں میں قتل کی تقریباً پچاس ہزار وارداتیں دیکھ چکا ہوتا ہے جس بچے نے صرف سولہ سال کی عمر میں قتل کی پچاس ہزار وارداتیں دیکھی ہوں اس کے ذہن میں قتل، مار دھاڑ اور خونریزی کا تصور راسخ نہیں ہو سکتا اور یہ سب کچھ

جڑنی ۱۹۹۳ء میں جو سرفے رپورٹ جاری کی گئی تھی، اس میں بتایا گیا تھا کہ پچاس سال میں ایک بچہ روزانہ اوسطاً اٹھائی گھنٹے ٹی وی کے سامنے گزارتا ہے۔

اس دوران وہ قتل کی کم از کم سچاس وارداتوں کے مناظر دیکھتا ہے۔ ان مناظر کے دیکھنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بچوں میں تشدد پسندی کا رجحان پندرہ فیصد بڑھا ہے اور جرمنی کے ایک تنہائی طلبہ اب مسلح ہو کر تعلیم گاہوں میں آتے ہیں۔ برلن پولیس کا کہنا ہے کہ شہر میں جو تشدد کے جرائم ہوتے ہیں ان میں سے پینتالیس فیصد وہ بچے کرتے ہیں، جن کی عمر چودہ سے اٹھارہ سال تک ہے، جبکہ پانچ فیصد جرائم چودہ سال سے بھی کم عمر کے بچے کرتے ہیں۔

اس اخلاقی بگاڑ کو دیکھتے ہوئے وہاں کے دس لاکھ افراد نے ایک محضر نامے پر دستخط کئے ہیں جس میں حکومت سے التجا کی گئی ہے کہ یہ مناظر ٹی وی پر نہ دکھائے جائیں۔

جنوبی افریقہ کی مجلس علماء نے "اسلام اینڈ ٹیلیویشن" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ ٹی وی میں ایک پروگرام میں "عورت کی آبروریزی" کا منظر دکھایا گیا تھا۔ بعد میں وہ منظر یوں حقیقت بن کر سامنے آ گیا کہ ایک بد معاش ہو بہو اسی طرح چھری چاقو لے کر ایک عورت کے گھر میں گھس گیا، اس کی آبروریزی کی اور رقم چھین کر بھاگ گیا جب پولیس تفتیش کے لئے اس عورت کے گھر آئی تو پولیس افسر نے ساختہ بول اٹھا:-

"ملزم نے یقیناً وہ ٹی وی ڈرامہ دیکھ کر ہی یہ واردات کی ہے جس میں منظر پیش کیا گیا تھا"

نئی نسل کے ضائع ہونے کا یہ صرف ایک پہلو میں نے

دوسرا پہلو | آپ حضرات کے سامنے پیش کیا ہے۔ دوسرا

پہلو بھی بڑا عبرت آموز ہے بشرطیکہ ہم عبرت حاصل کرنا چاہیں۔

وہ ماہیں جو فلموں، ڈراموں اور ٹاپ گانے کی عادی ہو جاتی ہیں، ان کے

بچے ان کی توجہ سے اور ان کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ابھی میں نے آپ کے سامنے جس سرفے رپورٹ کا ذکر کیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک جرمنی بچے کو اس کے ماں باپ چوبیس گھنٹے میں صرف آدھ گھنٹہ دیتے ہیں، جس میں کھانے کا وقت بھی شامل ہے۔ جب کہ ایک سالہ روزانہ اوسطاً آدھ گھنٹہ اپنے دوستوں سے فون پرگپ شپ کرتی ہے اور تقریباً پانچ گھنٹے ٹیلیوژن، سینما، تھیٹر یا دوسرے تفریحی مشغلوں میں گزارتی ہے۔

اندازہ کیجئے کہ وہ ماں جو بیوہ کاموں کو پانچ گھنٹے دے سکتی ہے۔ اپنے بچے کے ٹکڑوں کو بمشکل آدھ گھنٹہ دیتی ہے بلکہ ان خواتین کی اکثریت عیش و عشرت کی ایسی دلدادہ ہو گئی ہے کہ وہ بچوں کے جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتی صرف جرمنی میں چھبیس لاکھ جوڑے ایسے ہیں، جن کا کوئی بچہ نہیں۔ اس کی وجہ ان کی کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کے چکر میں پڑنا ہی نہیں چاہتے، انہیں بچے ایک بوجھ اور ایک دیال محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی سنگدل ماں باپ اپنے بچوں پر ناقابل بیان تشدد کرتے ہیں۔ بعض اوقات ماؤں کے علاوہ ان کے عاشق دوست یا دوسرے خاوند تشدد کرتے ہیں، تشدد کے ان واقعات میں چار سو سے چھ سو تک بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، ڈیوڈ بیٹسن نام کے ایک بچے کا واقعہ فرانسیسی پریس میں خوب مشہور ہوا ڈیوڈ پریس کی ماں اور ماں کا دوسرا شوہر مل کر سات برس تک ہر طرح سے ظلم کرتے رہے۔ ان سات برسوں میں ایک پورا سال ایسا بھی تھا جس میں اسے دیوار میں بنی الماری میں مقید کر کے رکھا گیا اور وہ معصوم پورا سال روشنی کی کوئی کرن تک نہ دیکھ سکا۔

بات صرف جسمانی تشدد تک محدود نہیں رہی بلکہ جنسی تشدد کے واقعات

بھی دل بلا دینے والے ہیں، ایک طلاق یافتہ خاتون ڈاکٹر نے اپنے ایک سفارتکار دوست کے کہنے پر اپنی چار سالہ بچی کو حیوانی خواہش کی بھینٹ چڑھا دیا اور حد یہ کہ اس کی نظروں کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔

آپ سوچیں گے کہ ان واقعات کا ظموں اور ٹی وی سے کیا تعلق ہے، تو سن لیجئے کہ ماؤں کے دلوں کو شفقت سے محروم کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اسی گرو کا ہے جسے آپ ٹی وی کہتے ہیں اور یہ بات صرف پاکستان کے مولوی ہی نہیں کہتے آپ کے مُرشد یورپ والے بھی کہتے ہیں، جن کی زبان سے نکلی ہوئی گپ بھی ہمارے ماں آسمانی وحی سے کم نہیں سمجھی جاتی۔

پیرس کی عدالت کے ایک ماہر نفسیات رونائی گھر کی گواہی | سالینجار کا کہنا ہے کہ اس طرح کے اکثر جرائم

کے پیچھے ٹی وی کا ہاتھ ہوتا ہے، فرانسیسی رسالے "لو یوان" نے ٹی وی پروگراموں کے ایک ہفتہ کے تجزیے کے بعد بتایا کہ صرف ایک ہفتے میں ٹی وی پر قتل کے چھ سو ستر، جبری آبروریزی کے پندرہ، جنسی بلبس اور ایذا رسانی کے ستائیس مناظر دکھائے گئے اور ایک دوسرے کے مطابق فرانسیسی بچہ سال میں بارہ سو گھنٹے ٹی وی سکرین کے سامنے اور نو سو گھنٹے سکول میں گزارتا ہے، اس سے آپ خود فیصلہ کر لیں کہ ان بچوں کا اصل مربی اور استاد کون ہے؟ ٹی وی یا کہ اسکول؟

کہیں اس خوش فہمی میں مہینتلا نہ رہے گا کہ جبرتی گھر کی خبر لیجئے | برطانیہ اور فرانس میں تو جرائم ہو رہے ہیں، مگر

ہمارا پاکستان اس سے محفوظ ہے، آج پاکستان میں بھی وہ سب کچھ ہو رہا ہے جس کا خبریں ہم اس سے پہلے یورپ کے بائے میں پڑھا اور سنا کرتے تھے صرف

کراچی کو دیکھ لیجیے، جہاں روزانہ دس بیس لاشیں اٹھ رہی ہیں۔

گلی گلی میں جنازے پڑھے جا رہے ہیں

نوجوانوں کو بیدردی سے قتل کیا جا رہا ہے۔

جنگل کے درندے بھی اتنے خوفناک طریقے سے اپنے جیسے درندوں کو

موت کے گھاٹ نہیں اتارتے ہوں گے۔ جتنے خوفناک طریقے سے کلمہ پڑھنے

والے مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو ذبح کر رہے ہیں۔

ایسے نوجوانوں کی نعشیں ملی ہیں جنہیں قتل کرنے سے قبل شدید اذیتیں دی گئی ہیں

ڈرل مشین سے جسم میں سوراخ کئے گئے

جسم کے نازک حصوں کو سگریٹوں اور آگ سے داغایا۔

مار مار کر ہڈیاں توڑ دی گئیں۔

بلیڈ سے جسم کو چیرا گیا اور مختلف نعرے لکھ دیے گئے۔

اور یہ سب کچھ کرنے والا کون ہے؟

مسلمان نوجوان!

وہ مسلمان نوجوان جس کی مدد کا انتظار کشمیر کے مظلوم بچے کر رہے ہیں۔

جس کی مدد کا انتظار بوسنیا کی مائیں بہنیں کر رہی ہیں۔

وہ مسلمان اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے لئے درندے کا روپ اختیار کر چکا ہے،

اسے تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں، اس کے ہاتھوں میں کتابیں نہیں کلاشکوفتے

جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان میں دس بارہ سال کے بچے بھی ہیں اور پندرہ

سال کے نوجوان تو کثرت کے ساتھ پکڑے گئے ہیں

قتل و غارت گری کے علاوہ بنکوں میں، گھروں میں، فیکٹریوں میں، چوراہوں

پر، سڑکوں پر، ڈاکہ زنی کرنے والوں میں بھی اکثریت نوجوانوں کی ہے۔

ان نوعمذبحوں کو قتل و غارت گری کس نے سکھائی ہے، ڈاکہ زنی کا راستہ کس نے دکھایا ہے۔

اگر سڑکے لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ اس میں سب سے زیادہ حصہ مار دھا^ط پر مبنی فلموں کا ہے۔ وہ جو کچھ سکرین پر مصنوعی انداز میں دیکھتے ہیں، اسے گلی کوچوں میں حقیقی انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کی زبانوں پر وہی ڈائلاگ ہوتے ہیں۔ وہ ایکٹروں جیسا لباس اور انہی جیسے جوتے پہنتے ہیں، انہی جیسی بالوں کی تراش خراش کرتے ہیں، انہی کی طرح منہ کو بگاڑنے اور انہی کی طرح چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تیسری چیز جو فلموں سے اور ٹی وی پروگراموں سے ضائع ہوتی ہے، وہ صحت اور

صحت کا ضیاع

تندرستی ہے، بینائی کمزور پڑ جاتی ہے، دماغ متاثر ہوتا ہے، زیادہ دیر بیٹھنے سے ہضم کا نظام بھی خراب پڑ جاتا ہے مگر ٹی وی کے رسیالوگ بڑے شوق سے اپنے ہاتھوں اپنی اور اپنے بچوں کی صحت تباہ کر لیتے ہیں، آپ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھیں گے کہ نظر کی کمزوری کی وجہ سے چشمہ لگاتے ہیں۔

رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا صحت کے لئے جو افادیت رکھتا ہے، اسے دنیا بھر کے ڈاکٹر اور حکماء تسلیم کرتے ہیں مگر گھر میں ٹی وی کی موجودگی میں رات کو جلد سونا تقریباً ناممکن ہے۔ رات کو بارہ ایک بجے تک جاگنے کا تو عام معمول بن چکا ہے اور بعض خصوصی مواقع پر رات بھر کی نیند قربان کر دینا بھی ایک عام سی بات ہے، اس بنا پر عقلمند لوگ اگر ٹی وی کو ٹی بی کہتے ہیں تو ہرگز غلط نہیں کہتے۔

جرمنی کے مشہور ڈاکٹر والٹر لوہر نے طویل تجربات اور تحقیقات کے بعد لکھا ہے کہ :-

”بعض چھوٹے چھوٹے جانور چوہا، چڑیا وغیرہ اگر ٹی وی کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو اس کی اسکرین کی شعاعوں کی تیزی سے کچھ دیر کے بعد یہ مر جائیں“

یہاں کراچی میں ایک لڑکی کی دماغ کی رگ پھٹ گئی، دماغی امراض کے مشہور اسپیشلسٹ ڈاکٹر جمعہ خان نے معائنہ کر کے بتا دیا کہ ”یہ دماغی رگ ٹی وی دیکھنے سے پھٹی ہے“

عکسی تصویر کا مشہور ماہر ڈاکٹر آل کر ڈب ”ٹی وی کی شعاعوں سے کینسر جیسے مہلک مرض کا شکار ہو گیا۔ اس مرض سے نجات کے لئے چھیا نوے دفعہ اس کا سر جبری آپریشن کیا گیا۔ مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا، اس کے بازو اور چہرے کا کافی حصہ کٹ کر گر گیا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے جان کنی کے عالم میں نہایت تلخی کے ساتھ کہا تھا۔

”گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو

بچوں کے جسموں میں رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے“

آنکھوں کے ایک مشہور ڈاکٹر ”این این سود“ نے نئی دہلی میں لکچر دیتے ہوئے بتایا کہ سینما اور ٹیلی ویژن دیکھنے سے آنکھوں کا مرض گلوکوما (GLUCOMA) ہو سکتا ہے۔ اگر آپ لوگ مولوی کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ وہ دقیانوسی ہے تو ان ڈاکٹروں ہی کی بات مان لیں کیونکہ یہ تو ماڈرن اور جدید تعلیم یافتہ ہیں۔ انھوں نے ٹی وی دیکھا بھی ہے اور اسے آزمایا بھی ہے، اس پر طویل تجربات کئے ہیں۔

دولت کا ضیاع | چوتھی چیز جو اس میں ضائع ہوتی ہے، وہ

دولت ہے، آج بازار میں قیمتی سے قیمتی ٹی وی سیٹ دستیاب ہیں، لوگ قرض اٹھا کر، پیسہ بچا کر، پیٹ کاٹ کر، رشوت لے کر، حرام مال لگا کر یہ سیٹ خریدتے ہیں۔

ان سے اگر اللہ کی رضا کے لئے، مسجد کی تعمیر کے لئے، مدرسہ کے طلباء کے لئے یا کسی فلاحی اور سماجی کام کے لئے کچھ دینے کے لئے کہا جائے تو اس انداز سے اپنی مسکینی اور غربت ظاہر کرتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ جو کچھ جیب میں ہے وہ بھی ان غریبوں کو دے دیا جائے۔

ہم نے ایسے ایسے لوگوں کو دیکھا جو زکوٰۃ خیرات لے کر بچوں کا پیٹ پالتے ہیں مگر گھر میں رنگین ٹی وی رکھتے ہیں۔

ٹی وی کے ساتھ اب وی سی آر رکھنے کا رواج ہو گیا ہے تاکہ جو نبی عریاں اور فحش فلم دیکھنا چاہیں وہ بلا روک ٹوک دیکھ سکیں۔

کئی لوگ اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے باہر کے مالک میں محنت مزدوری کے لئے جاتے ہیں۔ جب واپس آتے ہیں تو اور کچھ اپنے ساتھ لائیں یا نہ لائیں، ٹی وی اور وی سی آر ضرور لاتے ہیں، بلکہ حد تو یہ ہے کہ ہمارے حجاج کرام جب حج اور عمرہ جیسی مقدس عبادت سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں ٹی وی یا وی سی آر ہوتا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ لوگ حرمین شریفین ایمان لینے جاتے ہیں مگر سامان لے کر آجاتے ہیں۔ اور میں اسے تھوڑا سا بدل کر یوں کہتا ہوں کہ ایمان لینے جاتے ہیں اور شیطان لے کر آجاتے ہیں۔

وی سی آر کے لئے پھر ویڈیو کیسٹوں کی ضرورت ہوتی ہے بعض لوگ تو کرائے پر لے آتے ہیں اور بعض اپنی خریدتے ہیں، کئی حضرات نے تو سینکڑوں کی تعداد میں کیسٹیں گھروں میں جمع کر رکھی ہیں۔ پوری لائبریری ان کیسٹوں سے بناتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

ایک صاحب کے ہاں جانا ہوا۔ میں نے ایک جانب نظر ڈالی تو کیسٹوں کا ایک انبار تھا پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ تقریباً ایک ہزار ہیں اور کہنے لگے کیا کریں مولانا! بچے ضد کرتے ہیں، مجبوری ہے، کون جائیگا بازار بار بار۔

اللہ اکبر! سادگی دیکھئے، مجبوری ملاحظہ کیجیے، گویا بچے اگر گھر میں انگاروں کا ڈھیر لگانے کے لئے کہیں گے تو بھی یہ حضرت بامر مجبوری ان کی خواہش ضرور پوری کریں گے بلکہ اگر وہ ڈیڈی صاحب سے ان انگاروں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں گے تو یہ چھلانگ بھی لگا دیں گے، کیا کریں بچارے مجبور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ اے ایمان والو! خود بھی اس آگ سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں لیکن آج کے ماڈرن والدین خود بھی اس آگ میں جانے کی تیاری کر رہے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اسی آگ کا ایندھن بنانا چاہتے ہیں تو گویا یہ

خود تو ڈوبے ہیں تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے صنم

تویوں دولت ضائع کی جا رہی ہے ٹی وی پر، وی سی آر پر، کیسٹوں پر، بجلی کے بل کی ادائیگی پر اور پھر ان مردوں اور عورتوں کے بھاری بھرم معاوضوں پر، جوان میں کام کرتے ہیں۔

کافی عرصہ پہلے بعض اخبارات میں ایک فلم کے بارے میں اور اس کے صرف ایک سین کے اخراجات کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا

ہے کہ ان لغویات پر کتنا خرچ اٹھتا ہے اس رپورٹ میں نیا یا گیا تھا کہ ہالی وڈ میں ایک فلم "انڈی تھری" بنائی جا رہی ہے، جس میں صرف دس منٹ کا ایک سین بھی فلما یا گیا ہے، اس سین میں ایک اداکار کو ٹینک پر سوار دکھایا گیا ہے۔ اس سین کی فلم بندی دو ہفتوں میں مکمل ہوئی اور صرف اس ایک منظر کے فلمانے پر دو لاکھ ڈالرز روزانہ کا خرچہ آیا۔ یعنی کل خرچ اٹھائیس لاکھ ڈالر۔ اس فلم کی عکس بندی تین براعظموں کے چھ ممالک اور امریکہ کی چھ ریاستوں میں ہوئی ہے۔ اس فلم کے لئے تقریباً چھ ہزار چوہے اور ایک ہزار مشین روبوٹس استعمال کئے گئے۔ دوسرا اداکاروں میں ایک ہزار ساٹھ ایک عدد شیر، پانچ مگرچھ، دو کچھوے جن کا وزن تین سو پونڈ ہے، پچیس گھوڑے اور پانچ اونٹ شامل ہیں جبکہ اس فلم میں دو ہزار ایکٹرز نے کام کیا۔ اور ایکٹرز جو گرانقدر معاوضہ لیتے ہیں،

میں اور آپ شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ بعض فنکاروں کو ایک ایک فلم میں کام کرنے کا تیس تیس لاکھ ڈالر معاوضہ دیا جاتا ہے اور دن بدن ان کے معاوضوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ لوگ جو حج، قربانی اور مساجد و مدارس کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات پر ناک بھون چڑھتے ہیں۔ اور لوگوں کے جذبات اُبھارنے اور انہیں اپنا حامی بنانے کے لئے کہتے ہیں کہ اگر یہ ساری سماجی اداروں اور فلاحی اسپتالوں کی تعمیر پر خرچ ہوتا تو ہزاروں کا بھلا ہو جاتا۔

ایسے لوگوں سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو اس سُرملے کی تو فکر ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، نفوس اور اخلاق کے تزکیہ کے لئے خرچ ہوتا ہے لیکن اس خطیر رقم کا آپ کبھی بھولے سے نام بھی نہیں لیتے، جو

فحاشی اور عریانیت کی تزویج اور انسانی اخلاق اور کردار کو تباہ کرنے کے لئے
خرچ ہو رہی ہے۔ فلمسازوں کے لئے اپنے خزانوں کا منہ کھول دینے والے
سرمایہ دار انسانیت کے کوئی ایسے عنخوار نہیں ہیں کہ انہیں اپنے سرمائے کی
کوئی فکر نہ ہو بلکہ وہ اپنے خرچ کئے ہوئے پیسے سے کئی گنا زیادہ عوام کو فلموں
کے ٹکٹ اور ویڈیو کیسٹیں بیچ کر وصول کر لیتے ہیں۔

پانچویں چیز جو فحش پر ذکر اموں سے ضائع ہو
شرم و حیا کا ضیاع جاتی ہے وہ حیا ہے، حیا ایمان کا شعبہ

اور مسلمان کا زیور ہے۔ بخاری اور مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا:۔

الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

حیا ایمان کی شاخ ہے۔

حیا انسان کو بہت سارے گناہوں سے باز رکھتی ہے، عریانیت،
بدکاری، رشوت، فسق و فجور، بہتان تراشی، جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی،
ان تمام گناہوں کے ارتکاب سے انسان کو

حیا روک لیتی ہے اور جب حیا نہ رہے تو ان سب گناہوں کا کرنا اس کے
لئے آسان ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا لَمْ تَسْتَحْجِ فَأَصْنَعْ مَا شِئْتُ (بخاری و مسلم)

جب حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو۔

جب وہ رکاوٹ ہی نہ رہی جو آنکھوں کو جھکا دیتی ہے، جو قدموں کو
روک دیتی ہے جو دل میں طوفان سا برپا کر دیتی ہے تو اب جو چاہو کرو، تمہیں کوئی
روک نہیں سکتا۔

فلموں اور ڈراموں نے ہماری قوم پر جو سب سے بڑا ستم ڈھایا ہے وہ یہ ہے کہ اسے حیا سے محروم کر دیا ہے

مائیں فیشن کی دلدادہ بن گئی ہیں

بیٹیاں اچھلنے کودنے اور تھکنے ناچنے والی پتلیاں بن کر رہ گئی ہیں۔
بہنوں کے سر سے دوپٹے اتر گئے ہیں۔

بیویاں گھروں سے زیادہ کلبوں میں جا کر خوش ہوتی ہیں۔

حامدہ چمکی نہ تھی، انگلش سے جب بیگانہ تھی

اب ہے شمع انجن پہلے چراغِ حنا نہ تھی

ہمارے ہاں جو فلمیں بنتی ہیں ان میں جو موضوع سب سے زیادہ غالب ہے

وہ عشق مع الفسق ہے۔

کچے ذہن کے لڑکے جب ان عشقیہ داستانوں کو دیکھتے ہیں تو خود

ان کے ذہن پر بھی عشق کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور بعض کے ذہنوں پر تو کچھ اس طرح سوار ہو جاتا ہے کہ پھر اترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

ایسے ہی ایک نوجوان کا واقعہ ہمارے حضرت

علامہ محمد تقی عثمانی صاحب دامت

عشق کا بھوت

برکاتہم العالیہ کی کتاب "تراشے" میں مذکور ہے۔ جو کہ انھوں نے ۲۲ اپریل

۱۹۷۱ء کے روزنامہ مشرق کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"راولپنڈی کے قریب ایک لڑکے عمر فاروق نے تیرہ سال کی عمر میں

ایک فلم دیکھی تھی جب کہ وہ چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس وقت

سے وہ اس فلم کی ہیروئن کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور تسلیم ترک کر دی

تنگ آکر اس کے والد نے اسے گھر سے نکل جانے کی ہدایت کی،

اور وہ لاہور چلا آیا، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خوب دیر فاروق جس کی ماں سے ڈاکڑ یا بڑا افسردیکھنے کی متمنی تھی، اب وحشیوں کی طرح لاہور کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے اور محنت مزدوری کر کے جو پیسے حاصل کرتا ہے انہیں اپنی پسندیدہ ہیروئن کی فلمیں دیکھنے میں صرف کر دیتا ہے۔ اس نے مذکورہ ہیروئن کی ایک فلم ۶۳ مرتبہ اور ایک ۳۹ مرتبہ دیکھی ہے۔ وہ جب اخبار مشرق کے دفتر میں پہنچا تو اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے اپنا بایاں بازو دکھایا جس پر بیڈ سے مذکورہ ہیروئن کا نام کھودا ہوا تھا۔ اس سے قبل وہ بازو کو جلا کر بھی یہی نام لکھ چکا تھا جو اب مٹ رہا ہے؛

یہ ایک نوجوان عاشر کی داستان ہے جو اتفاق سے اخبار میں چھپ گئی ہے ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہماری فلموں اور ڈراموں نے ایسے عاشقوں کی پوری فوج ظفر موج تیار کر دی ہے جو کہ آپ کو گریز کالجوں کے سامنے، فیکلٹیوں کے سامنے، دوکانوں کے سامنے اور بازاروں میں سیٹیاں بجاتے، اشارے کرتے اور بندروں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ نوجوان بہنوں اور بیٹیوں کو دیکھ کر اور انہیں سنا سنا کر یہ وہی فحش گانے لاپٹے لگتے ہیں جو انھوں نے کسی فلم میں ہیرو کی زبان سے سنے ہوتے ہیں۔ ان پر عشق کا بھوت کچھ اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ یہ فکرِ این و آن سے فارغ ہو جاتے ہیں، نہ گھر کا خیال نہ بوڑھے والدین کا احساس۔ اپنی عزت بھی گنواتے ہیں اور خاندان کی بھی۔ ان کو جو نئے بھی لگتے ہیں اور ان میں سے بعض جیل بھی چلے جاتے ہیں، لیکن پرواہ نہیں کرتے۔

جس مکتب سے یہ عشق کا سبق سیکھ کر آتے ہیں۔ وہاں یہی سکھایا جاتا ہے کہ یہ جوتے یہ جیل کی کوٹھڑیاں یہ لوگوں کے طعنے یہ سب کچھ سماج کی دیواریں ہیں، جو تمہارے عشق کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

تم تو عقاب ہو یا دمخالف سے کیوں گھبراتے ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! منسنے کا نہیں
شقاوت کی انتہا | رونے کا مقام ہے کہ تفریح کے نام پر جو
 زہر ہماری آنکھوں اور کانوں کے ذریعے ہمارے قلب و دماغ داخل کیا جا رہا
 ہے۔ اس نے ہمیں حیوانیت کے کس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ہمارا نوجوان اپنی
 تمام ذمہ داریوں سے آنکھیں بند کر کے غلاظت بھری نالیوں میں اپنی جوانی کو
 ضائع کر رہا ہے، اسے نہ دوسروں کی بہن اور بیٹی کی عزت کا احساس ہوتا ہے
 اور نہ ہی اپنی عزت کا! حد تو یہ کہ بسا اوقات وہ غلبہ شہوت میں خونی رشتوں
 کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔

دارالافتاء والارشاد میں ایک شخص خود اپنے بارے میں فتویٰ معلوم کرنے
 کے لئے آیا اس نے بتایا کہ میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر ایک فحش پروگرام دیکھ
 رہا تھا، اچانک شہوت کی آگ بھڑک اُٹھی، آئہ تناسل میں انتشار پیدا ہو گیا اور
 میں نے جوش شہوت میں بے اختیار اپنی ماں کو پکڑ لیا۔

ایک دوسرا شخص اپنی شقاوت اور ویسا ہی قصہ لکھ کر لایا جس کا خلاصہ
 یہ تھا کہ میں اور میری بیوی اور میری بیٹی وی سی آر دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد
 بیوی بستر پر جا کر سو گئی تو میں نے اپنی بیٹی سے منہ کالا کیا اور مکمل طور پر کیا۔
 بیوی کو علم ہو گیا ہوگا اور اس نے مجبور کیا ہوگا کہ جاؤ مسئلہ پوچھ کر آؤ،
 ورنہ ایسے لوگ مسائل کے چکر میں کہاں پڑتے ہیں۔

ایک دوسرے شقی القلب باپ کی خبر یہاں کے اخباروں میں شائع ہوئی تھی جو کراچی جیسے تعلیم یافتہ شہر میں اپنی دو جوان بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہا وہ جب پکڑا گیا تو اس نے برملا اعتراف کیا کہ "اس نے فلاں فلمی پروگرام دیکھ کر اس گناہ کی جرأت کی"

بتلائیے! اب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات صرف یورپ میں ہوتے ہیں، ہمارے ہاں نہیں ہوتے۔

زہر تو بہر حال زہر ہے کافر کھائے گا تو بھی انجام ہلاکت ہوگا اور مسلمان کھائے گا تو بھی انجام ہلاکت ہوگا۔

اچھی اور سب سے اہم چیز جو فلموں اور ڈراموں میں **دین کا ضیاع** انہماک کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے وہ دین

ہے۔ یہ فلمیں اور ڈرامے کئی گنا ہوں کا مجموعہ ہیں، ان میں لگنے سے اللہ تعالیٰ کے احکام ٹوٹتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوٹتے ہیں انسان ان میں جتنا زیادہ منہمک ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، ان میں گانا بجانا ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

الْعِنَاءُ يُبْنِي النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُبْنِي الْمَاءُ السَّرْعَ (البورداؤد)

گانا نادل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

نضر بن حارث نے لوگوں کو حضور علیہ السلام کی دعوت سے روکنے کے لئے گانے بجانے اور رقص و سرود کی محفلوں کا انتظام کیا تھا۔

ان میں دوسری خرابی بے پردگی اور عریانیت ہے۔ مرد عورتوں کو اوڑھ

عورتیں مردوں کو بے حجابانہ دیکھتی ہیں۔

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"جب تم ازواجِ مطہرات سے کوئی کام کی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں تمہارے دل اور ان کے دل کی خوب

صفائی ہے" (سورۃ الاحزاب)

مانگنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اور جن سے مانگنا ہے وہ ازواجِ مطہرات یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانی مائیں، جن سے نکاح کرنا بھی حرام لیکن اس کے باوجود حکم یہ دیا گیا کہ جب ان سے کچھ سوال کرنا ہو تو پردے کے پیچھے سے کرو، اسی طرح دوسرے مقام پر ازواجِ مطہرات کو حکم دیا گیا کہ اگر پردے کے پیچھے سے بھی کوئی تمہارے ساتھ گفتگو کرے تو لوچدار پہچے میں ان سے گفتگو نہ کرو تاکہ کسی کے دل میں تمہارے متعلق کوئی غلط خیال پیدا نہ ہو۔

جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آنے کی، لوچدار آواز میں گفتگو کرنے کی اجازت نہیں تھی تو آج نوجوان لڑکیوں کو میک اپ کر کے ٹھمکے لگا کر نیم غریاں لباس پہن کر سکرین پر آنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

ان میں تیسری خرابی یہ ہے کہ انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ عبادت سے غافل ہو جاتا ہے، آنکھوں کی بھی بات ہے کہ کئی نمازی لوگ جنہیں فلموں اور ڈراموں کی عادت پڑ جاتی ہے، وہ ان میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ ان سے نمازیں متروک ہو جاتی ہیں، قضا ہونا تو عام سی بات ہے،

بیکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ایک شخص شطرنج کھیل رہا تھا اور ان کا لڑکا بیمار پڑا ہوا تھا۔ اثناءِ شغل میں کسی نے آکر اطلاع دی کہ لڑکے کی حالت بہت خراب ہے تو کہنے لگے اچھا آتے ہیں اور پھر شطرنج میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں پھر کسی نے آکر کہا کہ وہ مر رہا ہے، کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں اور یہ کہہ کر پھر شطرنج میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد کسی نے آکر کہا کہ لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے، کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں۔ یہ سوال موجب سب کچھ ہو گیا۔ لیکن ان کو اٹھنے کی توفیق نہ ہوئی، جب شطرنج کی بازی ختم ہوئی تو آپ کی آنکھیں کھلیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

یقین جانیئے کہ جیسے شطرنج وغیرہ کھیلنے والے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں اسی طرح فلموں کے رسیا بھی ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک شدید قسم کا نشہ ہوتا ہے اور وہ اس نشہ کو پورا کرنے کے لئے چوری چکاری سے بھی باز نہیں آتے۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے سیدھے سادھے انداز میں آپ حضرات کے سامنے فلموں اور ڈراموں اور ٹی وی وغیرہ کی چند موٹی موٹی خرابیاں بیان کر دی ہیں، جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ان میں ضائع تو بہت کچھ ہو جاتا ہے لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔

وقت ضائع ہوتا ہے

دولت ضائع ہوتی ہے۔

صحت ضائع ہوتی ہے۔

شرم و جیا ضائع ہوتی ہے

نئی نسل ضائع ہوتی ہے۔

دین ضائع ہوتا ہے۔

اگر اتنا کچھ ضائع ہونے کے باوجود بھی ہم ان چیزوں میں منہمک رہتے ہیں تو حقیقت میں بڑے خسارے کی بات ہے، یہ دنیا کا بھی خسارہ ہے اور آخرت کا بھی خسارہ ہے۔

یہ بات ذہن میں بٹھالیجئے کہ فحاشی اور عریانیت پر مبنی یہ پروگرام اور

آخرت کی تباہی

معصیت کے یہ آلات یقیناً ہماری آخرت کو تباہ کر رہے ہیں مگر چونکہ آخرت کا معاملہ تو اُدھار ہے۔ پردہٴ غیب میں ہے، اس لئے ہمیں یقین نہیں آتا شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں بھی اس تباہی کے کچھ منظر دکھا دیتا ہے۔ تاکہ بھولا بھٹکا انسان باز آجائے۔

کچھ عرصہ قبل مشہور رسالے ختم نبوت میں ایک شخص نے اپنے علاقے میں پیش آنے والا ایک واقعہ لکھ کر بھیجا تھا۔ صحت و خطا اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اس نے بتایا تھا کہ :

رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا: "آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو" بیٹی نے جواب دیا، امی! مجھے تو ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کروں گی۔

یہ کہہ کر وہ اُوپر چھت پر چلی گئی۔ کمرے میں ٹی وی رکھا تھا، اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہیں مجھے زبردستی کام کے لئے اٹھا کرنے لے جائے، دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا۔ ادھر ماں بیٹی کو آوازیں دیتی رہی، بیٹی نے ایک نہ سنی، کافی وقت گزر گیا

گھر میں سب مرد بھی آگئے، افطاری ہو گئی، لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نہیں نکلی، ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز نہ آئی، دل میں ڈر گیا، اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا انھوں نے دروازہ توڑا۔ اور اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اوندھے منہ پڑی ہے۔ اس کو دیکھا تو وہ مڑ چسکی تھی۔ اب حالت یہ ہوئی کہ لڑکی زمین کے ساتھ چمپی ہوئی تھی، اٹھانے سے نہیں اٹھتی تھی، سب اس کو اٹھا اٹھا کر تھکا گئے۔ اب حیران کہ کیا کریں۔ کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی۔ اس نے جو اٹھ کر ٹی وی کو اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی، اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا۔ آخر انھوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا، اول اس کو نیچے لائے اور غسل دے کر کھن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چار پائی توئس سے مس نہیں ہوتی، بالآخر انہوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے، اب انھوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھا کر گھرنے لگے، جوں ہی انھوں نے ٹی وی اٹھایا تو میت قبر سے باہر آ پڑی، انھوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آ پڑی۔ اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی انھوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کر دیا۔“

اب اس کا جو حشر ہوا ہو گا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (رسالہ ختم نبوت

عذابِ قبر | اسی سے ملنا جلتا ایک دوسرا واقعہ بیان کیا گیا ہے
دو دوست تھے ایک جدہ میں رہتا تھا اور دوسرا

ریاض میں، دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہی دیندار اور پرہیزگار تھے، ریاض
والے دوست کے گھر والوں نے بہت خندکی کہ وہ گھر میں ٹی وی لے آئے۔ اپنے بیوی
اوزنچوں کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا۔ کچھ دنوں کے
بعد اس کا انتقال ہو گیا، جدہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا،
ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس
جدہ والے دوست سے کہا۔

خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی کو نکال دیں کیونکہ
جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے، مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے
کیونکہ میں نے خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مزے لے لے
ہیں اور میں عذاب میں گرفتار ہوں۔

جدہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو
خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا ہے، گھر والے سن کر رونے
لگے، اس کا بڑا بیٹا اٹھا اور غصے میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے
ہو گئے اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا۔

جدہ والا دوست جب جدہ واپس پہنچا، تو اس نے پھر دوست کو خواب
میں دیکھا۔ اس بار وہ اچھی حالت میں تھا، اس کے چہرے پر ایک رونق تھی،
اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعا دی کہ اللہ جل جلالہ تجھے بھی مصیبتوں سے
نجات دلائے جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی۔

(رسالہ ٹی وی کی تباہ کاریاں)

محترم سامعین! فلموں اور ڈراموں میں جو قباحتیں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں وہ میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے بیان کر دی ہیں اور یہ خرابیاں ایسی ہیں کہ دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہیں۔ اگر آپ عزم کر لیں اور ہمت سے کام لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کا چھوڑنا کوئی مشکل نہیں، بیشک کچھ دنوں تک دل مچلے گا۔ آرزو اور امنگ بھی پیدا ہوگی۔ دوسرے جب آپ کے سامنے اس پروگرام کے دلچسپ مناظر بیان کریں گے تو دل میں حسرت بھی پیدا ہوگی کہ کاش میں بھی دیکھ لیتا، لیکن آپ تہیہ کر لیں کہ۔

آرزو میں خوں ہوں حسرتیں پا مال ہوں

اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

عزم و ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ میرے مالک نفس و شیطان کی تدبیریں اور چال بازیوں بہت سخت ہیں اور میں بہت کمزور ہوں۔ محض تیری رضا کی خاطر غلاظت کے ان اڈوں اور فحاشی و عریانی کے ان پروگراموں سے دور رہنے کا عزم کیا ہے تو ہی اس عزم پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادے۔ جب عزم بھی ہوگا اور کوشش بھی ہوگی اور اللہ سے دعا بھی ہوگی تو یہ کام جو بظاہر مشکل نظر آتا ہے، انشاء اللہ آسان ہو جائیگا، پھر آپ کی دیکھا دیکھی گھر کے دوسرے افراد بھی متاثر ہوں گے اور انشاء اللہ ان میں سے بھی کوئی نہ کوئی باہمت آپ کے نقش قدم پر چلنے والا پیدا ہو جائیگا۔

اور بھائی آخری بات یہ ہے کہ جب تک بچنے کی توفیق نہیں ہوتی اس وقت تک کم از کم دل سے تو ان چیزوں کو بُرا سمجھتے رہیں۔ اگر ہم نے دل سے بھی ان غلطیوں کو اچھا سمجھنا شروع کر دیا اور ان کے لئے جواز کے دلائل اور تاویلیں تلاش کرنے لگے گئے تو پھر ہمارا خدا حافظ ہے۔ وما علینا البلاغ

پاکیزگی

صفائی پوشاک و تن دیدنی ہے
مگر رُوح آلائشوں میں سنی ہے
خمیدہ ہے سردل میں کبر و منی ہے
شریفا نہ صورت ہے سیرت دنی ہے
یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

حضرت مجذوب رح

"اگر آپ گہری نظر سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں گے تو
 یقیناً اعتراف کریں گے کہ اسلام نے جہت پاکیزگی کا حکم دیا
 ہے، دل اور دماغ سے لے کر زبان کان اور نظر تک،
 لباس سے لے کر غذا تک، اعمال سے لے کر افکار تک،
 ماحول اور معاشرہ سے لے کر سیاست اور حکومت تک
 ہر شعبے کا ہر جہت کا اور ہر پہلو کا پاک ہونا ضروری ہے
 دل پاک ہو باطنی امراض سے
 دماغ پاک ہو فاسد خیالات سے
 نظر پاک ہو ممنوعات اور محرکات سے
 کان پاک ہو گانا بجانا اور غیبت اور چغلی کے سننے سے
 زبان پاک ہو یادہ گوئی سے
 لباس پاک ہو نجاست اور غلاطت سے
 غذا پاک ہو غیر کے حق کی آمیزش سے
 سیاست پاک ہو مکر و فریب سے
 ماحول اور معاشرہ پاک ہو ظلم و عدوان اور بے حیائی اور
 عریانیت سے"

پاکیزگی

نحمدہ و نصلی علی سیدنا و رسولنا الکریم اما بعد :
 فاعوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ اور اللہ تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے
 مَاءً لِّيَطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيَذْهَبَ کہ تمہیں اس پانی کے ذریعے پاک صاف
 عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ لہ کئے رکھے اور تم سے شیطانی وسوسہ
 (سورہ الانفال ، ۲۷) کو دور رکھے۔

وقال الله تعالى في مقامٍ آخر : —
 مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مَا يُرِيدُ لٰكِن يُّرِيدُ
 اللّٰهُ كُوْبِيَةً مِنْظُوْرًا نِهِيْٓنَ كِهٖ تَمَّ ٲر كُوْبِيَةً تَنَكِي ٲُالِيْ
 بَلَكِهٖ اللّٰهُ كُوْبِيَةً مِنْظُوْرًا هِيْٓنَ كِهٖ تَمَّ هِيْٓنَ ٲَاكٍ و
 صَاٲَ رَكَّهٖ اُوْرِيْهٖ كِهٖ تَمَّ ٲر اٰٲِنِيْ نَعْمَتٍ
 لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (المائدة) تام فرمائے اور تا کہ تم شکر کرو۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم

عن ابى مالك الاشعري قال ابو مالك اشعري رضى الله عنه
 قال رسول الله صلى الله عليه روايت ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 وَسَلَّمَ الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ نے فرمایا طہارت اور پاکیزگی ایمان کا
 نصف حصہ ہے۔ (مشکوٰۃ ، ۳۰)

گرامی قدر حاضرین ؛ یوں تو ہر مذہب ، ہر کلچر ، ہر تمدن ، ہر شہر اور ہر ملک

میں صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن جس جامعیت اور کاملیت کے ساتھ اسلام میں صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے، اتنا کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں دیا گیا۔

یورپی معاشرہ میں شہر اور محلے کے گلی کوچوں کی صفائی پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے مگر وہاں قلبِ نظر کی صفائی کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ بعض جوگی اور راہب باطنی صفائی اور تزکیہ پر بڑی محنت اور ریاضت کرتے ہیں لیکن وہ ظاہری صفائی پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔

کئی سائنسدان ماحولیات کی صفائی کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن انھوں نے اخلاق و معاملات کی صفائی پر کبھی لب کشائی نہیں کی، کئی ڈاکٹر اور حکیم صاف غذا اور صاف پانی کی اہمیت پر بڑے لیکچر دیتے ہیں مگر حلال غذا اور پاک پانی کی اہمیت کو انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔

اگر آپ گہری نظر سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں گے تو یقیناً اعتراف کریں گے کہ **ہمہ جہت پاکیزگی** ہمہ جہت پاکیزگی کا حکم دیا ہے۔ دل اور دماغ سے لے کر زبان کان اور نظر تک، لباس سے لے کر غذا تک، اعمال سے لے کر افکار تک، ماحول اور معاشرہ سے لے کر سیاست اور حکومت تک — ہر شعبے کا ہر جہت کا اور ہر پہلو کا پاک ہونا ضروری ہے۔

دل پاک ہو باطنی امراض سے

دماغ پاک ہو فاسد خیالات سے۔

نظر پاک ہو ممنوعات اور محرکات سے

کان پاک ہوں، غیبت اور چغلی کے سننے سے۔

زبان پاک ہو یا وہ گوئی سے
 لباس پاک ہو نجاست اور غلاظت سے،
 غذا پاک ہو غیر کے حق کی آمیزش سے
 سیاست پاک ہو مکر و فریب سے
 ماحول اور معاشرہ پاک ہو ظلم و عدوان اور بے حیائی و عریانیت سے
 آج کی نشست میں میں اپنی ناقص معلومات اور مطالعہ کی روشنی میں پاکیزگی کے بارے
 میں اسلامی تعلیمات آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا
 ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو پاکیزہ بننے پاکیزہ رہنے اور پاکیزگی کے ساتھ دنیا
 سے جانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

دل کی پاکیزگی | جب ہم پاکیزگی کی بات کرتے ہیں تو ہمیں تسلیم کرنے
 ہیں کوئی حجاب نہیں کہ اسلام نے سب سے زیادہ زور
 باطن کی صفائی اور دل و دماغ کی پاکیزگی پر دیا ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ
 کہا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ اور بعض دوسری سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں، آیات کی تلاوت، کتاب اللہ
 کے معانی اور مفہم کی تعلیم، حکمت کی تعلیم اور دلوں کا تزکیہ اور صفائی، فرمان باری
 تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
 بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ
 يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
 وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
 حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں
 پر کیا جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبران
 میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا
 ہے اور انہیں پاک و صاف کرتا ہے،

(آل عمران پک) اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

انبیاء کرام دلوں پر محنت کرتے ہیں اور انہیں گندے عقائد اور خیالات سے پاک کرتے ہیں کیونکہ جب دل پاک ہو جائے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے اور جب دل ہی پاک نہ ہو تو سارے جسم میں اور جسم سے صادر ہونے والے اعمال میں بھی فساد ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

فی الجسد مضغۃ اذا صلحت جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ صلح الجسد کلۃ واذا فسدت درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو فسد الجسد کلہ، الا وہی جاتا ہے اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

القلب

فرق

دنیا کے قانون سازوں، ریفارمروں، لیڈروں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ظاہر کو سنوارنے، ظاہر کو بنانے اور ظاہر کو قانون کے شکنجے میں جکڑنے میں لگے رہتے ہیں، نئے نئے قوانین بنائے جاتے ہیں تاکہ جرائم نہ ہوں، چوری نہ ہو، کینتی نہ ہو، ملاوٹ نہ ہو، اسمگلنگ نہ ہو، کسی کی عزت نہ لٹے، لیکن ہر قسم کے قوانین کے باوجود سب کچھ ہوتا رہتا ہے بلکہ تجربہ تو یہ ہے کہ قانونی بندشیں جتنی بڑھتی جاتی ہیں۔ اسی تناسب سے جرائم بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں قانونی پابندیوں کی بہتات ہے، مجرموں کو پکڑنے کے لئے جدید ترین گاڑیاں ہیں جرائم پر نظر رکھنے کے لئے ٹی وی کیمرے ہیں۔ پولیس کا وسیع نظام ہے، لیکن اس کے باوجود ہاں چوریاں بھی ہوتی ہیں۔ ڈکیتیاں بھی ہوتی ہیں، قتل و غارت گری بھی ہوتی ہے، غصب نہب اور دھوکہ دہی کے کیس بھی ہوتے ہیں بلکہ یہ سب کچھ ہمارے ہاں سے زیادہ ہوتا ہے، آخر کیوں؟ اسلئے کہ ان کی ساری توجہ ظاہر پر ہے،

باطن کو وہ اتنی اہمیت نہیں دیتے، جتنی اہمیت دینی چاہیے، لیکن
انبیاء کرام علیہم السلام زیادہ توجہ باطن کی درستگی پر دیتے ہیں۔ کیونکہ جب دل
بدل جاتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔

دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔

گویائی کا لہجہ بدل جاتا ہے۔

زندہ رہنے کا مقصد بدل جاتا ہے۔

حسوت بدل جاتی ہے۔

جلوت بدل جاتی ہے۔

دن بدل جاتے ہیں۔

راتیں بدل جاتی ہیں۔

فرد بدل جاتا ہے۔

معاشرہ بدل جاتا ہے۔

محلہ بدل جاتا ہے۔

شہر بدل جاتا ہے۔

پورا ملک بدل جاتا ہے

پاک صاف دل والا انسان

اگر پیرس اور لندن کی عشرت گاہوں میں بھی

چلا جائے تو دامن بچا کے لے آتا ہے اور

پاک دل والا بد قسمت شخص مکہ اور مدینہ کے بازاروں

سے بھی گزے تو نگاہ بھٹک جاتی ہے اور منکر و معصیت

کے کانٹوں میں الجھ جاتی ہے۔

حضرت فضیل رح فرماتے ہیں : —
 ”بعض لوگ جائے طہارت میں سے پاک آتے ہیں اور بعض لوگ خانہ
 کعبہ میں سے باہر آتے ہیں تو ناپاک ہو کر آتے ہیں“
 جب دل کا تزکیہ اور صفائی ہو جاتی ہے تو دل میں ایک الارم سا لگ
 جاتا ہے جو ہر معصیت پر، ہر گناہ پر خطرے کی گھنٹی بجا دیتا ہے
 متوجہ اور ہوشیار کر دیتا ہے کہ خبردار یہ خارزار وادی ہے،
 دامن بچا کر چلو

احتیاط سے قدم اٹھاؤ۔

پنچ کر رہو، کہیں ایسے نہ ہو کہ دامن تقویٰ تارتا رہو جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا

مَا لَآتَمُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ گناہ کیا ہے؟

جواب میں آپ نے گناہ نہیں گنوائے، یہ نہیں فرمایا کہ شراب پینا گناہ

ہے، زنا کرنا گناہ ہے،

چوری کرنا گناہ ہے، ڈاکہ زنی کرنا گناہ ہے۔

بہتان تراشی کرنا گناہ ہے، کم تو لانا گناہ ہے۔

یہ نہیں فرمایا۔ بلکہ بہت مختصر سا جواب دیا اور ایک اصول بتلادیا

فرمایا: —

مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ

جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کر دے جس کام کو تم بلا جھجک سرعام نہ کر سکو

وہ گناہ ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

یہ اصول اور قاعدہ جو آپ نے بیان فرمایا ہے۔

یہ ہر دل کے لئے نہیں ہے ورنہ تو کتنے ہی غنڈے اور بد معاش ہیں جو سرِ عام گناہ کرتے ہیں اور اس پر بالکل نادم نہیں ہوتے بلکہ یہ اصول ان دلوں کے لئے ہے جن کا تزکیہ ہو چکا ہو، جن دلوں میں خدا کا خوف اور آخرت کے محاسبہ کا ڈر پیدا ہو چکا ہو۔ ایسے انسانوں کے لئے ظاہری قانون کی کوئی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں بھی ہوں گے تو کسی کے مال میں، کسی کے باغ میں کسی کی زمین میں نا جائز تصرف نہیں کریں گے۔ انہیں قانون کا پابند بنانے کے لئے جیل کی کالی کوٹھڑیوں سے ڈرانے کی ضرورت نہیں، ان کے اندر کاسٹم آڈیٹک طریقے سے انہیں خود ہی قانون کی پابندی کرنے پر مجبور کر دے گا۔

جن کا تزکیہ ہو چکا تھا | آپ جانتے ہیں کہ شراب، زنا، بدکاری اور

چوری، ڈکیتی، عریضوں کی عادتِ ثانیہ اور ان کا مزاج بن چکی تھی، ان کی سوسائٹی میں چوری، ڈکیتی اور بدکاری کی داستانیں فخریہ پیش کی جاتی تھیں۔ شراب ان کی مہمان نوازی کا لازمی حصہ بن چکی تھی، مگر ابو داؤد میں ہے کہ جب حرمتِ شراب کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آخری آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب کے مفسد اور خرابیاں بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: فَخَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهَوْنَ کیا تم باز نہیں آؤ گے۔

تویہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیساختہ پکار اٹھے۔ اِنْتَهَيْنَا هُمْ بَانَئْ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، کہ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کا اعلان کر دیا، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ نکل کے دیکھو یہ کیسی آواز ہے، منادی کیا اعلان کر رہا ہے، میں گھر سے نکلا اور واپس آ کر بتایا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ شراب حرام ہو گئی ہے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اچھا اگر یہ بات ہے تو شراب گرا دو، اور

فرماتے ہیں کہ اس اعلان کے بعد اتنی کثرت سے شراب گرائی گئی کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔

چونکہ دل صاف ہو چکا تھا اس لئے یہ نہیں سوچا کہ آج محفل جمی ہوئی ہے، ساقی بھی ہے، پیانا بھی ہے، دوست و اجاب بھی جمع ہیں، آج پی لیتے ہیں، اس کے بعد نہیں پئیں گے بلکہ فرمایا کہ اٹھو اور مٹکا توڑ ڈالو، اب اس ام الحباثت کے قریب بھی نہیں جانا ہے، گھر میں اس کا وجود ہی ناقابل برداشت ہے۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ایک بار کسی کام کے لئے مکہ آئے وہاں ان کی آشنا ایک طوائف تھی جس کا نام عناق تھا، اگرچہ رات کا وقت تھا مگر عناق نے انہیں کسی طرح دیکھ لیا، اور انہیں دعوت دی کہ آج کی رات میرے ہاں گزارو، لیکن انہوں نے معذرت کر دی کہ اب زنا حرام ہو گیا ہے اس لئے میں تمہارے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا مگر عناق تو پیچھے ہی پڑ گئی اور شور و غل کرنے لگی، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے، تب جا کر ان کی جان بچی۔

میرے بزرگو اور دوستو! جب سم دل اور دماغ کی

باطنی امراض

پاکیزگی اور تزکیہ کی بات کرتے ہیں تو یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ دل کی پاکیزگی کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ

ہمارے دل میں کوئی شرکیہ عقیدہ نہ ہو، اگر ہمارے اندر ذرہ برابر بھی شرک ہو تو ہم پاک نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (سورہ توبہ پلہ) بیشک مشرک ناپاک ہیں۔ شرک کی گندگی جس شخص کے اندر ہوگی وہ جنت میں سرگز نہیں جاسکتا۔ شرک کے علاوہ بعض دوسرے باطنی امراض اور باطنی نجاستیں بھی ہیں، جن سے پاک ہونا ضروری ہے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں گا کہ چونکہ ہم شرک نہیں کرتے اس لئے ہمارا تزکیہ ہو گیا ہے اور ہم پاک صاف دل و دماغ کے مالک ہیں، اس

میں شک نہیں کہ شرک سے اپنا دامن بچانا اور شرکیہ توہمات اور عقائد سے محفوظ رہنا بہت بڑی سعادت ہے لیکن شرک کے ساتھ ساتھ دوسرے باطنی امراض سے بھی حفاظت ضروری ہے۔ خود پسندی، تکبر، بغض و حسد، خود غرضی، بخل، حرص و طمع اور بے غیرتی، یہ سب باطنی امراض ہیں اور ہم میں سے اکثر لوگ کسی نہ کسی انداز میں ان امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اندر مثلاً تکبر یا حسد نہیں ہے حالانکہ وہ ہوتا ہے، جب کہ تزکیہ نفس کمال درجہ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک کہ ہم ان رذائل سے اپنے آپ کو پاک نہ کریں۔

خود پسندی اور حرص و طمع کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

وَأَمَّا الْمُهْلَكَاتُ فَهِيَ
متبع و شح مطاع و اعجاب
المرء بنفسه و هي أشد هت
مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۵

تین چیزیں انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ (۱) ایسی خواہش جس کا انسان تابع بن کر رہ جائے (۲) ایسی حرص جس کی اطاعت کی جائے (۳) خود پسندی اور یہ ان تینوں میں سے زیادہ خطرناک ہے۔

اسی طرح شہرت پسندی کے بارے میں آپ نے فرمایا:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول
صلی اللہ علیہ وسلم من لبس
ثوب شھرة فی الدنیا البسه
اللہ ثوب مذلة یوم القیمة۔
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جس نے دنیا میں شہرت کا لباس
پہنا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن
ذلت کا لباس پہنائے گا۔
(مشکوٰۃ شریف)

تکبر | تکبر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم لا يدخل
الجنة من كان في قلبه مثقال
ذرة من كبر فقال رجل ان
الرجل يحب ان يكون ثوبه
حسنًا ونعله حسنًا قال ان
الله جميلٌ ويحبُّ الجمال
الكبر بطل الحق وغط الناس
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے
گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔
ایک شخص نے سوال کیا کہ انسان پسند کرتا ہے
کہ اسکے کپڑے اچھے ہوں اسکے جوتے اچھے
ہوں (تو کیا یہ بھی تکبر ہے) آپ نے فرمایا
کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے،
لہذا یہ تکبر نہیں بلکہ تکبر یہ ہے کہ حق کے مقابلہ
میں اترانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

ذرا غور فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات پر اور پھر جائزہ
لیجئے اپنے جذبات و خیالات کا! ہم میں سے کتنے ہیں جو خود پسندی، شہرت
پسندی اور تکبر سے بچے ہوئے ہیں، ہمارے اکثر تنازعات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ
خود پسندی اور تکبر ہے، اگر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ لیا جائے اور تواضع اختیار
کر لی جائے تو ہمارے نوے فیصد جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے جس شخص کے
دل میں تکبر ہوتا ہے اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے اور وہ نور ہدایت سے
محروم رہتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے۔

كذالك يَطْبَعُ اللهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ
مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ | سورہ نافر
اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور جاہل کے
پورے دل پر مہر کر دیتے ہیں۔

متکبر شخص کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور بالآخر یہ بد قسمت

انسان ذلیل و خوار ہو کر جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ سورہ غافر میں ہے :-

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ
لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ
عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ
جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ

اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ کو
پکارو، میں تمہاری درخواست کروں گا
جو لوگ میری عبادت سے جس میں دعا
بھی داخل ہے (تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب
ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

حَسَد تکبر کے علاوہ بغض و حسد بھی ایک خطرناک باطنی بیماری ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ
قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ
هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَخْلُقُ
الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلُقُ الدِّينَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں
(غیر محسوس طور پر) پہلی قوموں کی بیماری سرت
گر گئی ہے یعنی کینہ اور حسد جبکہ یہ بیماری
مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ
بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے

حاسد شخص حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی
کی عزت دیکھ کر جلتا ہے، کسی کا عہدہ دیکھ کر جلتا ہے، کسی کے پاس مال و دولت
اور اولاد دیکھ کر جلتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں اللہ ہی دیتا ہے، عزت و ذلت
عزبت و ثروت اور بلند یوں اور پستیوں کا مالک وہی ہے، یہ سب کچھ اس کے
علاوہ کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہے اور پھر کمال یہ کہ حاسد کی آرزو بس
یہ ہوتی ہے کہ وہ نعمت جو دوسرے کو حاصل ہے وہ مجھے حاصل ہو یا نہ ہو، اس کے
پاس نہ رہے گویا وہ خواہ مخواہ اپنے دل کو گندماورنا پاک کرتا ہے اور اپنی نیکیاں

بھی برباد کرتا ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :

أَيَاكُمْ وَالْحَسَدَاتِ الْحَسَدُ حَسَدٌ سَجُوَ اس لئى كى حسد نيكیوں كو اس
 طرء هړپ كر جانا هے ؤس طرء آك
 لكړیوں كو نكل جاتی هے ؤ

یہ تو وہ غلامتیں اور نجاستیں تھیں جن کا براہ راست

اسباب و سائل

دل سے تعلق ہے، علاوہ ازیں اسلام نے ان اسباب و سائل کو بھی حرام قرار دیا ہے جو دل کو ناپاک کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہم کانوسے جو کچھ سنتے ہیں اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھتے ہیں، اس کا دل پر اچھا برا ضرور اثر ہوتا ہے اگر پاکیزہ کلمات اور صاف ستھری باتیں سنیں گے تو دل میں پاکیزہ خیالات پیدا ہوں گے اور اگر گندی باتیں سنیں گے اور ممنوعات اور محرکات کی طرف دیکھیں گے تو دل میں گندے جذبات جنم لیں گے۔

اسی لئے ہمیں نظروں کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور نظریں تب پاک ہوں گی جب نظروں

آنکھوں کی پاکیزگی

کو جب کا کر رکھا جائے، کسی غیر محرم کی طرف نظر نہ اٹھائی جائے، فرمان باری تعالیٰ ہے

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بیشک اللہ تعالیٰ کو سب سے

ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

(سورہ نور پ ۱۸)

بد نظری سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور عبادت کی لذت و حلاوت ختم ہو جاتی

ہو جاتی ہے اور بد نظری زنا اور بدکاری کی پہلی سیڑھی ثابت ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدکاری کے انسا کے لئے سب سے پہلے اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا ہے۔ یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بد نظری سے بچیں، اور اپنی خواہشات کو قابو میں رکھیں۔ یہ بھی جتلا دیا کہ ہو سکتا ہے کسی دوسرے کو تمہاری نظروں کی خیانت اور غلاظت کا ظلم نہ ہو، تمہارا قریبی ساتھی تمہارا ہمسفر یہ سمجھ رہا ہو، کہ تم شفقت کی نظر سے دیکھ رہے ہو، لیکن اس مالک کو ہر چیز کا علم ہے جو دلوں میں پرورش پانے والے خیالات تک جانتا ہے۔ فرمایا:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ
 سینے میں چھپاتے ہیں اسے بھی جانتا ہے

تمہاری نظر جو اٹھی ہے یہ راستہ دیکھنے کے لئے اٹھی ہے۔ شفقت و محبت کے لئے اٹھی ہے؟ جذبہ ترحم کے لئے اٹھی ہے؟ یا شہوت پرستی کے جذبے سے اٹھی ہے؟ اس کا پورا پورا علم علیم بذات الصدور کو ہے۔

کیونکہ نظر نظر میں فرق ہوتا ہے، انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔

اور نیت میں بھی فرق ہوتا ہے، بہت پہلے کسی کتاب یا رسالے میں دیکھا تھا کہ نظر اٹھالی و نابین گئی، نظر جھکالی حیا بن گئی، نظر ترچھی کر لی آدا بن گئی، نظر سیدھی کر لی سزا بن گئی، انداز نظر میں تبدیلی کے ساتھ اصل فرق نیت سے بھی پڑتا ہے، ایک عورت کو باپ اور نظر سے دیکھتا ہے، شوہر اور نظر سے دیکھتا ہے، بیٹا اور نظر سے دیکھتا ہے، بھائی اور نظر سے دیکھتا ہے اور ایک بے غیرت انسان اور نظر سے دیکھتا ہے، ایک کے دل میں شفقت ہے، دوسرے کے دل میں محبت ہے، تیسرے کے دل میں عقیدت ہے، چوتھے کے دل میں اُلفت ہے، پانچویں کے دل میں غیرت ہے اور چھٹے کے دل میں غلاظت ہے، نجاست ہے

دیوتی ہے بے غیرتی ہے،

ہو سکتا ہے دنیا والوں کو ہماری گندی نیت اور بد نظری کا علم نہ ہو لیکن حق
حق تعالیٰ کو تو ہر چیز کی خبر ہے۔ سورہ نور کی جس آیت میں نظر جھکا کر رکھنے کا
حکم دیا گیا ہے، اسکے آخر میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے جو تم
کرتے ہو۔ (سورہ نور)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے رُوح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں چار باتیں

لکھی ہیں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ:

۱۔ تمہارے نظریں گھاگھا کر دیکھنے سے باخبر ہے۔

۲۔ بدنگاہی کرنے والا شخص جو اس خمسہ کے ذریعے جو لذت حاصل کرنے کی

کوشش کرتا ہے، اللہ کو اس کی بھی خبر ہے

۳۔ بد نظری کرنے والا اس سلسلہ میں ظاہری اعضاء کو جو استعمال کرتا ہے

اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے۔

۴۔ اور بد نظری سے اس کا جو کچھ مقصد ہو، حق تعالیٰ کی نظر سے وہ مقصد بھی

پوشیدہ نہیں مختصر یہ کہ

جو کرتا ہے تو چھپ کے اہل جہاں سے

کوئی دیکھتا ہے تجھے آسماں سے

نظر کی پاکیزگی اور نظر کی حفاظت وہ

عظیم عمل ہے جس پر رسول اکرم صلی

ایسا ثواب ایسا عذاب

اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت ہی نہیں سنائی بلکہ جنت کی ضمانت دی ہے
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا، تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، پہلی بات یہ ہے کہ بات کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولو، دوسری یہ کہ وعدہ خلافی نہ کرو، تیسری یہ کہ امانت میں خیانت نہ کرو، چوتھی یہ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، پانچویں یہ کہ نظریں نیچی رکھو، اور چھٹی بات یہ ہے کہ ہاتھوں کو ظلم سے بچائے رکھو۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ ہٹا لے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایسی عبادت سے عطا فرماتے ہیں جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

نفس کے تقاضے کے باوجود جب بندہ محض حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر نظریں ہٹا لیتا ہے یا جھکا لیتا ہے تو گویا زبان حال سے بارگاہ کبریا میں یہ عرض کرتا ہے کہ بہت گو دلو لے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

اور نفس کے ان چھوٹے تقاضوں کو دبانے ہی سے انسان کو تقویٰ نصیب ہوتا ہے، جیسا کہ عارف رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ از دحامِ تقویٰ روشن است

اس شعر میں مولانا رومی رحمہ اللہ نے یہ بتایا ہے کہ نفس کے تقاضوں اور گناہ کے جذبات تقویٰ کی بھٹی کے لئے ایندھن کی طرح ہیں۔ ان کو اگر خوفِ خدا کے چولہے میں ڈال کر جلاؤ گے تو اس سے تقویٰ کی بھٹی اور دحام روشن ہوگا۔

ایمان کی حلاوت اور نور دل میں محسوس ہوگا اور اگر ان تقاضوں پر عمل کر لیا تو یہ ایسے ہے جیسے ایندھن کا کھالینا، حالانکہ ایندھن جلانے کے لئے ہوتا ہے، کھانے کے لئے نہیں ہوتا، ایندھن کو جلا کر ہم اچھی اچھی غذا میں تیار کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی احمق شخص جلانے کے بجائے ایندھن کو کھالے تو یا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی، یا کم از کم اس کی صحت تو ضرور ہی متاثر ہوگی۔

ایک طرف تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کی پاکیزگی کی یہ فضیلت و عظمت اور ثواب بیان فرمایا ہے، دوسری جانب بد نظری پر بڑی سخت وعیدیں اور عذاب بتایا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا تو تم اپنی نظر میں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا۔

مسخ کا کیا طریقہ ہوگا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر یہ تو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس گناہ کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کی آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں، رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور چہروں پر نخوت سی پکیتی محسوس ہوتی ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ (بڑی نیت سے) دیکھنے والے پر بھی لعنت فرماتا ہے اور جسے (اس کی بے پردگی اور عریانیت کی وجہ سے) دیکھا جاتا ہے اس پر بھی لعنت کرتا ہے۔

بیشمار ایسے لوگ ہیں جو زنا اور بدکاری سے کسی نہ کسی وجہ سے بچے ہوئے ہیں لیکن وہ بد نظری سے محفوظ نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کئی

بوڑھے بھی اس مرض میں مُبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ جیسے زنا حرام ہے، اسی طرح زنا کے وسائل اور ذرائع بھی حرام ہیں، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزَنَاهُمَا النَّظَرُ
والاذُنَانِ تَزْنِيَانِ وَزَنَاهُمَا السَّمْعُ
وَاللِّسَانُ يَزْنِي وَزَنَاهُ النَّطْقُ
والْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزَنَاهُمَا
البَطْشُ لَه
آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے
اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سنا ہے
اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا
ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا
زنا (غیر محرم) کو چکڑنا ہے۔

بد نظری وہ گناہ ہے جس سے کبھی سیری نہیں ہوتی، آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں
دل پریشان رہتا ہے، عبادت میں دل نہیں لگتا، تلاوت میں، ذکر میں، استغفار
میں لذت نہیں آتی، صحت تباہ ہو جاتی ہے، دماغ کمزور ہو جاتا ہے، سُر میں
چکر آتے ہیں، دل پر گھبراہٹ مسلط ہو جاتی ہے، کام کاج میں بھی دل نہیں لگتا
اسی لئے خواجہ عزیز الحسن مجذوب فرماتے ہیں :

ڈال کر اُن پر نگاہِ شوق کو جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی
حسن فانی پر اگر تو جائے گا یہ منقش سانپے ڈس کھائیگا۔

دین و ایمان کو بچانے کے لئے اور دل کو پاک اور
کانون کی پاکیزگی صاف رکھنے کے لئے جیسے نظر کو پاک رکھنا

ضروری ہے، اسی طرح کانون کو بھی پاک رکھنا ضروری ہے۔

کانون سے اگر قرآن کی آیات سنی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث
سنی جائیں، اللہ والوں کی باتیں اور حکایتیں سنی جائیں، تو دل میں نور پیدا ہوتا

ہے، رقت پیدا ہوتی ہے، لطافت پیدا ہوتی ہے، خشیت پیدا ہوتی ہے اور
 طہارت پیدا ہوتی ہے اور اگر کانوں سے فحش گانے سنے جائیں۔ یا عینتیں اور
 چغلیاں سنی جائیں تو دل میں قسادت آتی ہے، نجاست آتی ہے،
 عداوت آتی ہے، عبادت سے بغاوت آتی ہے اور سچی بات یہ ہے
 کہ جو کان گانا سننے کے عادی ہو جائیں وہ قرآن سنیں تو ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا،
 ان کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو ان پر اکتاہٹ طاری ہو جاتی ہے، ان کے
 سامنے اللہ والوں کی باتیں اور حکایتیں بیان کی جائیں تو ان کے دل سکر جاتے
 ہیں، انہیں یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے انہیں کسی نے قید کر رکھا ہو اور جوں ہی
 گانا سنتے ہیں، ان کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے، وہ اگر ساری رات
 موسیقی کی کسی محفل میں جاگتے رہیں تو قطعاً تھکاوٹ یا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے
 لیکن اگر بہت تھوڑے وقت کے لئے انہیں ذکر و فکر کے حلقے میں شریک ہونا
 پڑے تو ان کی جان پر بن جاتی ہے۔

کانوں کو پاک رکھنے کے لئے اسلام میں گانے بجانے کو حرام قرار دیا گیا ہے
 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ طبلہ حرام ہے، شراب حرام
 ہے اور گانے بجانے کے آلات حرام ہیں۔ لہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا، گانا وغیرہ سنا گنا، ہے، اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے
 لطف اندوز ہونا کفر ہے۔ لہ

ہم موسیقی سے لطف اندوز ہونے والے پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگا سکتے،
 لیکن قرآنی آیات کے بجائے اس کا گانے بجانے میں لذت محسوس کرنا اس

بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر کفر کا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی بعثت کے دوسرے مقاصد بیان
فرمائے ہیں، ان میں سے ایک مقصد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمائے
ہیں کہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ :

» مجھے موسیقی کے آلات توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ «

ترمذی شریف میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت جب پندرہ چیزوں کی غاڑ
ہو جائے گی تو اس پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوں گی، ان پندرہ چیزوں میں سے
آپ نے ایک یہ بھی بتائی کہ جب گانے بجانے والیاں اور موسیقی کے آلات
عام ہو جائیں گے، «

آج ہم پر جو مصائب اور پریشانیاں تسلسل کے ساتھ آرہی ہیں، ان سے
کون انکار کر سکتا ہے، قتل و غارت گری ہے، بد امنی ہے، ڈاکہ زنی ہے، ظالم
حکمران ہیں، مہنگائی ہے، بیماریاں ہیں، عالمی طاقتوں اور کافروں کی سازشیں
ہیں۔ شہروں میں جنگلات، سے زیادہ خوف ہے، گھروں میں لڑائیاں ہیں۔
ان مصائب و آلام کے کچھ اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں، لیکن ایک
سبب تو وہی ہے جو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب
گانے والیاں اور موسیقی عام ہو جائے گی تو مصیبتیں نازل ہوں گی۔ آج گھر گھر
سے موسیقی کی آواز آتی ہے، ناچنے گانے والے اور والیاں اتنی عام ہو گئیں،
کہ ہمارے ماں جنھیں شرفاء کہا جاتا ہے، ان کی بہو بیٹیاں تاج گانا سیکھتی ہیں
اور اسے اپنے کلچر کا حصہ سمجھتی ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہماری وزیر اعظم کا بیٹا اور بیٹی سرعام

سرعام ڈانس کرتے ہیں اور اس چیز کو ان کی ذہانت اور کمال کی دلیل بتایا جاتا ہے
واہ میری قوم واہ! مغرب پرستی نے تیرے مزاج کو کس قدر بگاڑ کر رکھ دیا ہے کہ
تو بے حیائی کو اپنی ثقافت اور دیوثی کو اپنا کلچر سمجھنے لگی ہے۔

زبان کی پاکیزگی

آنکھ، کان کے ساتھ زبان کی پاکیزگی بھی ضروری ہے
یہ زبان اللہ تعالیٰ کا بہت بڑی نعمت ہے، انسان
بلا تکلف، اسکے ذریعے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے، زبان کا صحیح استعمال انسان کو اللہ
کا محبوب اور مقرب بنا دیتا ہے اور اس کا غلط استعمال انسان کو مبغوض اور مردود
بنا دیتا ہے۔ سو سال کا کافر جو جہنم میں جانے کا مستحق ہو چکا تھا۔ وہ اگرچے دل سے
صرف ایک بار اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ
اللهِ پڑھ لے اور پھر اس کا انتقال ہو جائے اگرچہ اس نے ایک نماز بھی نہ پڑھی ہو
ایک روزہ بھی نہ رکھا ہو، ایک پیسہ بھی اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا ہو، ایک حج
اور عمرہ بھی نہ کیا ہو، ایک بار جہاد میں نہ جاسکا ہو، تو وہ جنت کا مستحق ہو
جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک مرتبہ زبان سے "سُبْحَانَ اللهِ" کہتا ہے تو اس کے
میزانِ عمل کا آدسا پلٹا ہو جاتا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہتا ہے تو اس کے لئے جنت
میں ایک طویل و عریض درخت لگا دیا جاتا ہے۔ اگر کسی کی نماز کی غلطی درست کر
دی۔ تو وہ جب تک نماز پڑھتا رہے گا، اسے ثواب ملتا رہے گا۔ کسی پریشان انسان
کے دل کی تسلی کے لئے کوئی بات کہہ دی تو کہنے والے نے اپنے لئے جنت میں جانے
کا سامان کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من عزی شکلی کسی بردانی الجنّة؛ جس عورت کا بیٹا گم
ہو گیا ہے یا مر گیا ہو اسے جس نے تسلی دی، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں

جوڑا پہنائے گا۔ لہ

اس زبان سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے، استغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے۔ دعا کرتا ہے، امر بالمعروف کرتا ہے، نہی عن المنکر کرتا ہے، کسی کو دین کی کوئی بات سکھاتا ہے یا سیکھتا ہے تو اپنے درجات کو بلند کرتا ہے، اپنے آپ کو پاک رکھنے کا سامان کرتا ہے۔ لیکن اگر زبان کو ناجائز اور گندی باتوں کے لئے استعمال کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، کسی پر بہتان لگاتا ہے، کسی کا دل دکھاتا ہے، گالی بکتا ہے، گانے گاتا ہے تو وہ گویا اپنے لئے جہنم کا ایندھن اکٹھا کرتا ہے۔ حدیث میں ہے :

هَلْ يَكُتُ النَّاسُ فِي الْمَنَارِ
عَلَىٰ وُجُوهِهِمُ الْإِحْصَاءُ
السِّنْتَهُمْ ۗ

یعنی بہت سے لوگ اپنی زبان کے کڑوٹوں
ہی کی وجہ سے جہنم میں چہرے کے بل
گرائے جائیں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :

قال رسول الله صلى الله عليه و
سلم من يضمن لي ما بين
لحيييه وما بين رجليه اضمن
له الجنة ۗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو
مجھے اس چیز کی ضمانت دیدے جو دو
جھڑوں کے درمیان ہے اور جو دو ٹانگوں
کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی
ضمانت دیتا ہوں۔

ہم میں سے اکثر لوگ زبان کے استعمال میں بہت
غیبت اور بہتان زیادہ بے احتیاطی کرتے ہیں، بالخصوص غیبت

اور بہتان تراشی ایسا گناہ ہے، جس میں کئی اچھے خاصے نیک لوگ بھی ملوث ہیں حالانکہ

غیبت وہ گناہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا سے بھی بدتر گناہ قرار دیا ہے۔ لہ

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کرنے والا اگر اپنے جرم پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لے تو اس کا گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ لیکن غیبت ایک ایسا گناہ ہے جو اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے، جس کی غیبت کی ہو۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ چونکہ جس شخص کی برائی ہم کر رہے ہیں وہ برائی تو واقعاً اس کے اندر پائی جاتی ہے لہذا اسکے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے غیبت کی تعریف یہ بیان کی ہے :-
ذَكَرَكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ

تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں ایسی باتیں بیان کرنا جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔
ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر واقعی وہ عیب اس میں پایا جاتا ہو تو کیا اس

کا بیان کرنا بھی غیبت ہے، آپ نے جواب دیا :-

ان كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَتَدَّعَىٰ
اعتبته وَاذْا قَلْتَ مَا لَيْسَ
فِيهِ فَقَدْ بَحَثْتَهُ لَه
اگر واقعی وہ عیب اس میں موجود ہو تو اس کا اظہار غیبت ہے اور اگر جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ اس میں نہ ہو تو یہ بہتان تراشی ہے

جیسے غیبت اور بہتان تراشی سے زبان ناپاک ہوتی ہے، اسی طرح جھوٹ بولنے

جھوٹ اور فحش گوئی

لعن طعن کرنے، گالی گلوچ اور فحش گوئی سے بھی زبان ناپاک ہو جاتی ہے، ہم جس آقا و دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں وہ ان چیزوں سے بہت بچنے والے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
 علیہ وسلم فاحشًا ولا لعانًا فحش گوئی، لعن طعن، گالی گلوچ سے
 ولا سبًا یا کان یقول عند المعتبۃ پاک بھٹی، ناراضگی کے وقت بس یہ فرماتے
 حالہ تراب بمینہ، لہ تھے، اسے کیا ہو گیا ہے اس کی پیشانی
 خاک آلود ہو،

جب کہ ہم میں بعض کا یہ حال ہے کہ فحش گوئی ان کی عادت ثانیہ بن چکی ہے
 وہ بلا مقصد ایسے ہی گالیاں بکتے رہتے ہیں، دوست احباب کو، حیوانوں کو،
 پرندوں کو، یہاں تک کہ بے جان چیزوں کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ زبان ایسی گندی ہو
 گئی ہے کہ گندگی کے سوا کسی دوسری بات میں مزہ ہی نہیں آتا، بہت سارے
 ماڈرن نوجوان ہیں۔ جن کی زبانوں پر فحش گانوں کے بول رہتے ہیں وہ چلتے پھرتے
 کچھ نہ کچھ گنگناتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے کی عادت
 ہوتی ہے، یہ ساری باتیں زبان کو ناپاک کرنے والی ہیں، زبان کو پاک کرنے اور
 پاک رکھنے کے لئے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ زبان کو غیبت چغلی سے،
 بہتان تراشی اور عیب جوئی سے، فحش باتوں اور جھوٹ سے بچایا جائے، اسکے
 بعد یہ کیا جائے کہ زبان کو ذکر و فکر و تلاوت اور دعاء و استغفار میں مصروف رکھا
 جائے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم خاموش ہی رہا جائے کیونکہ حضور صلی
 اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: —

« جو چپ رہا اس نے نجات پائی، » لہ

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: —
 « خاموش رہا کرو کیونکہ خاموشی شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے

کاموں میں مددگار ہوتی ہے“ لہ

ہر وقت انا پشناپ بغیر سٹاپ بولتے رہنا بھی انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو بولتے وقت یہ سوچتے ہی نہیں کہ ان کی زبان سے کیا نکل رہا ہے، سچ نکل رہا ہے، جھوٹ نکل رہا ہے، کسی کی غیبت اور چغلی تو نہیں ہو رہی، کوئی ایسی بات تو زبان سے نہیں نکل رہی جس کی وجہ سے میرا ایمان خطرے میں پڑ جائے۔ یہ سوچنے کا انہیں موقع ہی نہیں ملتا وہ تو بس بولتے چلے جاتے ہیں، جب تک جاگتے رہتے ہیں بولتے رہتے ہیں، ہاں نیند آجائے تو پھر مجبور ہی ہے بلکہ بیداری میں زیادہ بولنے والے نیند میں کچھ نہ کچھ بڑ بڑاتے ہی رہتے ہیں

ایک اور بات بھی ذہن میں رکھیے گا وہ یہ کہ دماغ کو فاسد اور گندے خیالات اور وساوس سے بھی پاک رکھیں، دیکھیں۔ ایک تو ہمیں غیر اختیاری وساوسے جو خود بخود ذہن میں آجاتے ہیں، ان پر تو کوئی اختیار نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی چیز کا مکلف بنایا ہے جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو، لیکن جو چیز اسکے اختیار میں نہ ہو، اس کا وہ مکلف بھی نہیں،

دوسری قسم کے وساوس وہ ہوتے ہیں جو انسان جان بوجھ کر اپنے ذہن میں لاتا ہے، کسی گناہ کا تصور دل میں بٹھایا اور پھر مسلسل اسی کے بارے میں سوچتا رہا، کسی کو مجازی معشوق بنا لیا پھر اسی کے بارے میں سوچنے کو اپنا شغل بنا لیا، جن لوگوں کو خیالی پکا ڈپکانے اور گندی باتیں سوچنے کی عادت پڑ جاتی ہے ان کی بھی عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات تو وہ دماغی بیماریوں میں مبتلا ہو

جاتے ہیں۔ جن کا اثر ظاہری صحت اور جسم پر بھی ضرور پڑتا ہے، اپنی سوچوں کا رخ نیک کاموں اور جائز باتوں کی طرف موڑنے کی کوشش کیجیے اگر پھر بھی وساوس آئیں تو اللہ تعالیٰ سے وہی دعا کیجیے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے :

اللَّهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِي خَشِيَّتَكَ وَذِكْرَكَ
وَاجْعَلْ هَمِّي وَهَوَايَ فِيمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔

اے اللہ! میرے دل کے وساوس کو اپنے خوف اور ذکر سے بدل دے اور میرے خیالات اور خواہشات کا رخ اپنی مرضیات کی طرف پھیر دے، میں وہی کچھ سوچوں جو تو پسند کرتا ہے، میں ایسی چیزوں کی خواہش کروں، جن سے تو راضی ہوتا ہے۔ میرے قلب و دماغ میں وساوس کے بجائے تیری خشیت اور خوف آجائے!

لمبی دعا یاد نہ ہو سکے تو کم از کم اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
ہی پڑھ لیا کریں۔

غذا کی پاکیزگی | یہ نکتہ ذہن میں ضرور رکھیں کہ دل میں گندے خیالات عام طور پر اس وقت ضرور پیدا ہوتے ہیں جب انسان کی غذا پاک نہ ہو، حرام اور ناپاک غذا کھانے سے دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور اس ظلمت کے نتیجے میں دوسرے گناہ کرنے کے تقاضے اور شوق پیدا ہوتا ہے، ہمارے بزرگوں میں ایک مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ میں کھانے کے ایک دو لقمے کھائے تھے وہ کھانا کچھ مشتبہ تھا۔ اس کے حرام ہونے کا کچھ شبہ سا تھا۔ ان ایک دو لقموں کی ظلمت مہینوں دل میں محسوس ہوتی رہی، بار بار

خیالات دل میں آتے رہے، گناہ کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے اور گناہ کی رغبت ہوتی رہی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ پاک دل والے انسان تھے، ان کی ایمانی حس کمزور نہ تھی، اس لئے انہیں مشتبہ کھانے کے ایک دو لقموں کی ظلمت مہینوں دل میں محسوس ہوتی رہی، لیکن حرام کھا کھا کر چونکہ ہماری ایمانی حس کمزور پڑ چکی ہے۔ اس لئے ہمیں ظلمت کا احساس نہیں ہوتا۔ جب کہ یہ بات تو دیکھی بھالی ہے کہ حرام خوری کی وجہ سے انسان سے نیک اعمال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، اس کے دل میں ایسی قساوت اور ظلمت آ جاتی ہے کہ نہ تو اس پر قرآنی آیات اثر کرتی ہیں اور نہ ہی احادیث نبویہ کا اس پر کوئی اثر ہوتا ہے، جنت کے تذکرہ سے اس کے دل میں کوئی انگ پیدا نہیں ہوتی، اور جہنم کے تذکرہ سے کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا۔

ناپاک غذا استعمال کرنے کی وجہ سے اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ایسے شخص کا تذکرہ کیا ہے جو ملیا سفر کر کے آتا ہے، اس کے بال پر اگندہ ہیں اور جسم غبار آلود ہے وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتا ہے "یا رب یا رب" مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، پس اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ ۱۰

دنیا میں وہ دعا اور عبادت کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں وہ مغفرت اور بخشش سے محروم کر دیا جائے گا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ گوشت جو حرام سے پلا ہے، اس کے لئے جہنم زیادہ مناسب ہے۔ ۱۱

پاکیزہ غذا کا اثر | حرام کے برعکس پاکیزہ غذا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں نور اور رقت و لطافت پیدا ہوتی ہے، اللہ کا فرمان

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سننے سے عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا
اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

یہ حکم کسی ایک رسول کو نہیں بلکہ تمام انبیاء و رسل کو دیا گیا کہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ علماء نے اس آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ پاکیزہ غذا اور نیک اعمال میں گہری مناسبت ہے ورنہ کھانے کا حکم دے کر عمل صالح کا حکم دینے میں کیا تمک ہے، پاک روزی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کو پاک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔

ناپاک غذا کے دنیاوی اثرات | حرام اور ناپاک غذا کھانے سے انسان کا صرف دین ہی خراب

نہیں ہوتا بلکہ اس کی دنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے، رزق میں برکت نہیں رہتی، اولاد نافرمان ہو جاتی ہے، گھر سے سکون عنقا ہو جاتا ہے، اخلاق خراب ہو جاتے ہیں، صحت تباہ ہو جاتی ہے، طرح طرح کی بیماریاں آگھیرتی ہیں۔

ہمارے رحیم و کریم رب نے ہمارے لئے جن جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تو ان سے بچ کر رہنے میں ہمارا ہی فائدہ اور ہماری ہی بھلائی ہے۔ مثلاً ہمیں کتے کا جھوٹا استعمال کرنے سے منع کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ ناپاک ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے، کتے کے لعاب میں باؤ لاپن کے جراثیم ہوں، اور اس کا جھوٹا استعمال کرنے سے وہ جراثیم انسان کے جسم

میں داخل ہو جائیں۔

یا مثلاً ہمیں حکم دیا گیا کہ جب تک جانور کئے گوشت کو ذبح کے ذریعے سے پاک نہ کر لیا جائے تو اس کا گوشت استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اگر جانور طبعی موت مر جائے تو ظاہر ہے کہ عالم اسباب میں کسی نہ کسی بیماری کی وجہ سے اسے موت آئی ہوئی تو اس کا گوشت کھانے سے وہ بیماری کھانے والے میں منتقل ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اس کا خون اس کے جسم میں جم کر رہ جائیگا جس میں جراثیم بھی ہوں گے اور ہمارا رحیم و کریم مالک یہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے بندے جراثیم سے آلود گوشت کھائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ:

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

پس اسی جانور کا گوشت تم کھا سکتے ہو جس کو تم ذبح کے ذریعے پاک بنا

کر لو۔

یوں ہی ہمیں خنزیر کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ

فَإِنَّهُ رِجْسٌ

وہ سراسر گندگی اور نجاست ہے، دیوثی اور بے عزتی میں وہ اپنی مثال آپ ہے، اگر تم اسے کھاؤ گے تو اس کی نجاست اور دیوثی کے اثرات تمہارے اخلاق کو بھی متاثر کر سکتے ہیں

اور آج ہم یہ بھی سن رہے ہیں کہ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے، کہ خنزیر کا گوشت کھانے سے مقلد میں ایسا کینسر ہو جاتا ہے جو لا علاج ہے، غرضیکہ جتنی بھی ناپاک غذا ہیں، ان کے استعمال کرنے میں دینی نقصان تو ہے، دنیاوی نقصانات بھی بے شمار ہیں یہ الگ بات ہے کہ یہ نقصانات انسان کو آہستہ آہستہ سمجھ میں آ رہے ہیں، غرضیکہ دل و دماغ کو پاک رکھنے کے لئے

بمراض باطنی سے بچاؤ بھی ضروری ہے۔ اختیاری دسوس سے اجتناب بھی لازمی ہے، نظر، کان اور زبان کی حفاظت بھی ضروری ہے اور پاک غذا کا استعمال کرنا بھی لازمی ہے۔

ظاہری پاکیزگی | اسلام نے جہاں دل کے تزکیہ، دماغ کی تطہیر، اور نظر، کان اور زبان کی حفاظت کا حکم دیا ہے،

وہیں ظاہر کو بھی پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام میں نہ تو رہبانیت ہے، اور نہ ہی میلا کچھیلارہنا کوئی کمال کی بات ہے۔ جیسا کہ بعض خود ساختہ ملنگوں اور فقیروں نے سمجھ رکھا ہے اور یہ لوگ مہینوں غسل نہیں کرتے اور نہ ہی کپڑے بدلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا مجاہدہ اور ریاضت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ ان کی نری حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اس لئے اتارا ہے تاکہ عم غسل کریں اور اپنے آپ کو پاک صاف رکھیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جسم سے میل کچیل کو دور کرو، فرمایا: **ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ** اے پھر چاہئے کہ اپنے بدن سے میل کچیل کو دور کریں۔ ہمیں اپنا لباس بھی پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَتِيَابِكَ فَطَهَّرْ اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھیے

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اور پلیدی سے دور رہئے

یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے
قبائیں ایسے مسلمان تھے جو جسمانی صفائی کا خوب اہتمام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں ان کا خاص طور پر ذکر فرمایا:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا اس میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک صاف

رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوب پاک صاف رہتے تھے، آپ کے لباس پر پیوند تو ہوتے تھے مگر وہ میلا کچھلا نہیں ہوتا تھا۔ آپ بالوں میں گنگھی کرتے تھے، سُرمہ لگاتے تھے، خوشبو استعمال فرماتے تھے، دانتوں میں مسواک کرتے تھے اور صفائی کے یہ سارے انداز اور طریقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رض میں بھی پائے جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ جب سے اسلام قبول کیا، روزانہ ایک بار غسل کرتے تھے، سخت سے سخت حالت میں بھی صحابہ کرام رض کو صفائی کا خیال رہتا تھا، جب حضرت خلیب رضی اللہ عنہ گرفتار کر لئے گئے، اور مشرکین نے انھیں قتل کرنا چاہا، تو انہوں نے اس آخری وقت میں بھی صفائی کے لئے استرہ طلب کیا۔ حضرت ابوسعید خدری رض کے نزع کا وقت آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس کپڑے میں مرے گا، اسی میں اس کا حشر ہوگا، تو میں چاہتا ہوں کہ صاف ستھرے کپڑوں میں اللہ کے حضور پیش ہوں۔ اسلام نے نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کا طریقہ رکھا ہے، جنابت اور انزال کی صورت میں غسل کا حکم دیا ہے، جمعہ اور عیدین کے لئے غسل کرنا اچھے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ یہ تمام احکام اسی لئے دیئے گئے ہیں۔ تاکہ مسلمان پاک صاف رہیں۔

اگر آپ صرف پاکیزگی کے اعتبار ہی سے

پاکیزہ ترین مذہب

اسلام کا موازنہ دوسرے مذاہب سے کریں تو یقیناً تسلیم کریں گے کہ اسلام دنیا کا پاکیزہ ترین مذہب ہے، دنیا میں ایسے مذاہب

بھی ہیں، جن کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ جسم کے کسی بھی حصے سے بال نہ کاٹے جائیں۔ بتلائے جب بال نہیں کاٹے جائیں گے تو صفائی کیسے حاصل ہو سکے گی۔ انگریز بڑے مہذب اور صفائی پسند کہلاتے ہیں، لیکن ان کے ہاں وضو اور غسل جنابت کا کوئی تصور نہیں۔

ظاہری طور پر تو وہ لپا پوتی کر لیتے، پرفیوم بھی چھڑک لیتے ہیں، لیکن ان کے ہاں جو کچھ صفائی ہے وہ دکھانے کی صفائی ہے، حقیقی صفائی نہیں، ہفتوں اور مہینوں نہ لباس بدلتے ہیں، نہ غسل کرتے ہیں، استنجا، پانی سے نہیں کیا جاتا بلکہ ٹشو پیپر سے کیا جاتا ہے۔ اس سے خاک صفائی ہوگی کتے ہر وقت ان کے ساتھ لہتے ہیں کھاتے بھی ساتھ ہیں اور سوتے بھی ساتھ ہیں۔ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں، کھڑے کھڑے پیشاب کر لیتے ہیں۔ اور بعض بد سجت تو پتلون میں ہی فارغ ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ ہم احساس کسری کی وجہ سے ہر انگریز کو کوئی بالائی مخلوق سمجھ لیتے ہیں اور بعض دنیٰ الفطرت لوگوں کو ان کی بدبو سے بھی خوشبو آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی پاک صاف نمازی مسلمان کے لئے چند منٹ بھی کسی عام انگریز کے ساتھ کھڑا ہونا مشکل ہے، منہ سے شراب کے بھبھوکے اور جسم سے غلاظت کی بدبو اٹھتی ہے تو طبیعت متلانے لگتی ہے۔ ہندو پنڈتوں اور جوگیوں کو دیکھ لیں، صفائی کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا بلکہ ان کی سوج یہ ہے کہ مہینوں غسل نہ کرنے اور گندالہنے سے بھگو ان خوش ہوتے ہیں۔ غرضیکہ اس گئے گئے دور میں بھی آپ کسی لکھی سوسائٹی، کسی بھی معاشرہ اور کسی بھی مذہب والوں کے ساتھ مسلمانوں کا موازنہ کر کے دیکھ لیں۔ انشاء اللہ آپ پاکیزگی اور صفائی میں مسلمانوں کو پیش پیش پائیں گے اگرچہ بعض مسلمان گندے رہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے انہیں

گنہگار ہونے کا حکم دیا ہے

خاص طور پر ماحول کی صفائی کے اعتبار سے مسلمان
اور بالخصوص ہم پاکستان کے مسلمان بہت پیچھے

ماحول کی صفائی

ہیں، گلیوں اور بازاروں میں کوڑا کرکٹ ڈال دیا جاتا ہے، جہاں چاہتے ہیں پیشاب
کر دیتے ہیں

بعض جگہ لکھا ہوتا ہے کہ یہاں پیشاب کرنا منع ہے مگر ہمارے بھائی

مگر ہمارے بھائی ایسی جگہوں پر تو ضرور ہی پیشاب کرتے ہیں

گاڑیاں دھواں چھوڑتی ہوئی جاتی ہیں اور فضاء کو غلیظ کرتی ہیں

پانی صاف مہیا نہیں ہوتا

کھانے پکانے میں صفائی کا اہتمام نہیں ہوتا۔

یہ مسائل سارے مسائل ہمارے سامنے ہیں

اور صاف بات یہ ہے کہ اس معاملے میں یورپ والے ہم سے

آگے ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ کمزوری ہے یہ مسلمانوں کی کمزوری ہے

اسلام نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی۔

وہ مذہب جس میں پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔

کیا وہ ہمیں اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ہم جہاں چاہیں کوڑا کرکٹ

پھینک دیں۔

وہ دین جس میں یہ جامع اصول بتا دیا گیا ہے کہ

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ

اسلام میں نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے

اور نہ ہی خود کو

ایسا دین کیا ہمیں اجازت دے سکتا ہے کہ ہم گاڑیوں سے دھواں چھوڑ
کر عوام کی صحت کو نقصان پہنچائیں

وہ ابدی قانون جو ہمیں ایسے پانی سے ماتھ پاؤں دھونے کی اجازت
نہیں دیتا۔ جس کا رنگ، مزہ اور بو تبدیل ہو چکی ہو، کیا وہ ہماری حکومت
کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ عوام کو آلودہ پانی پینے کے لئے
فراہم کرے۔

اللہ کا وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس نے راستے میں پیشاب کرنے سے
اور دوسرے مسلمان کو تکلیف دینے سے منع کیا ہے
کیا وہ ہمارے لئے یہ جائز قرار دے سکتا ہے کہ ہم مسجدوں، دوکانوں
اور دوسروں کے مکانوں کی دیواروں کے پاس پیشاب کریں۔
ایسا کرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کے
اس عمل سے فضا خراب ہوتی ہے۔

ماحول خراب ہوتا ہے۔

گندگی اور غلاطت پھیلتی ہے

صحت تباہ ہوتی ہے۔

مسجد کی بے ادبی اور بے احترامی ہوتی ہے۔

دوسرے مسلمانوں اور عام انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے

مسلمان بدنام ہوتے ہیں، اسلام بدنام ہوتا ہے۔

کفار طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے شہر اور دیہات غلاطت کے نشانہ

ہوتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے تو ہمیں اس کی اجازت نہیں دی بلکہ اس
سے منع کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا

ہے کہ :

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَعْنَةُ الْمَلَائِكِينَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَّازِي
الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین
لعنت کے مقامات میں رفع حاجت سے
پرہیز کرو، دریاؤں کے گھاٹ، عام راستہ
اور سایہ کی جگہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵)

یعنی ان تین مقامات پر رفع حاجت کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی لعنت
کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ویسے ہی ایسی جگہ رفع حاجت
کرنا بڑی بے شرمی کی بات ہے، جہاں عام پبلک کی آمد و رفت رہتی ہے دوسری
وجہ یہ ہے کہ دریا میں رفع حاجت سے پانی آلودہ ہوگا اور اس کا پینا مضر صحت
ہوگا۔ انسان تو انسان حیوان کو بھی اپنے بول و براز سے پریشان کرنے کی اجازت
نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي جُحْرٍ لَهُ
سے کوئی جانوروں کے بل میں پیشاب کرے
جانوروں کے بل میں پیشاب کرنے سے ایک تو اس لئے منع کیا تاکہ کوئی موذی
جانور پیشاب کرنے والے کو ڈس نہ لے، دوسرے اس لئے تاکہ اس بل میں
رہنے والے جانوروں کو تکلیف نہ ہو،

ماحول کی صفائی کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ گھر، محلے، شہر اور پورے ملک
کو بھی صاف رکھنا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کی صفائی کا اس
قدر اہتمام تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات خود ہی صفائی کر لیا کرتے تھے
اور یہ تو آپ حضرات نے سنا ہی ہوگا کہ جب آپ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ

تشریف لائے تو شہر کے ماحول کی پاکیزگی کے لئے آپ نے کتوں کے مارنے کا حکم دے دیا تھا، کیونکہ کتوں کی وجہ سے بھی کئی ساری بیماریاں پھیلتی ہیں، خصوصاً باڈلاکتا تو جان تک کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔

خاندانی پاکیزگی | جب ہم پاکیزگی کی بات کرتے ہیں تو ازدواجی اور خاندانی زندگی کی پاکیزگی کو بھی فراموش نہیں کرنا

چاہیے

اسلام میں ازدواجی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ آپس بات سے لگائیے کہ قرآن کریم میں عام طور پر صرف اصول بیان کئے جلتے ہیں۔ جزئیات بیان نہیں کی جاتیں۔

مثلاً نماز جو دین کا ستون ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں سینکڑوں بار آیا ہے، لیکن نماز کی رکعات اور جزوی مسائل کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم تو ہے مگر زکوٰۃ کے نصاب اور فرضیت کی شرائط کا کوئی تذکرہ نہیں، یہی حال روزہ اور حج کا ہے کہ ان کی جزئیات قرآن میں مذکور نہیں، لیکن خاندانی اور ازدواجی تعلقات کی اسلام میں اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن کریم نے اس کے جزوی مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ اسلئے کہ یہ تعلقات پورے تمدن کی بنیاد ہیں۔ اگر گھریلو اور خاندانی زندگی پاک ہوگی تو اس کا اثر اولاد پر بھی پڑے گا۔ اور پورے معاشرہ پر بھی اسکے اثرات ظاہر ہوں گے۔ آج معاشرے کے بگاڑ کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری گھریلو اور خاندانی زندگی پاکیزہ نہیں رہی۔

ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے، جیا کے اٹھ جانے اور بے پردگی کے عام ہو جانے کی وجہ سے گھروں اور خاندانوں میں بگاڑ اور فساد آ گیا ہے۔

ٹی وی، وی سی آر، یورپ کی نقالی، فلموں اور ڈراموں نے ہمارے
خاندانی نظام کو تباہ کرنے اور گھریلو ماحول کو ناپاک بنانے میں خصوصی کردار ادا کیا ہے
تعلیمی ادارے | گھر اور خاندان کے بعد انسان، تعلیمی اداروں میں
کچھ سیکھ سکتا ہے اور اپنی تربیت کر سکتا ہے

مگر آج ہمارے اسکول اور کالج بھی پاک نہیں رہے۔

نصاب کو دیکھیں تو وہ لارڈ میکالے کا تیار کردہ ہے، جو ہمیں پڑھے لکھے
بابو تو ہیا کر سکتا ہے، لیکن دین کا درد رکھنے والے مسلمان بمشکل ہی فرام کر سکتا ہے
اسکول کے ماحول کو دیکھیں تو آپ کو ہر طرف گندگی نظر آئے گی۔

مخلوط تعلیم کی وجہ سے وہ وہ برائیاں ظاہر ہوتی ہیں کہ شرافت اور جیاء
سرپیٹ کے رہ جائے۔

اگر تعلیمی اداروں میں پاکیزگی ہوتی تو شاید ہمیں ملک سے محبت اور دین سے
تعلق رکھنے والے لیڈر مل جاتے لیکن آج ہمیں غدار وطن، غدار دین اور غدار
قوم لیڈروں سے واسطہ پڑتا ہے

ہماری سیاست میں جس قدر
سیاست کی پاکیزگی | گندگی آگئی ہے، شاید ہی کسی شعبے

میں ہو،

ضمیر فروشی

ایمان فروشی

قوم فروشی

اور ملک فروشی

وہ وہ کون سی فروشی ہے جو ہمارے لیڈروں میں نہیں پائی جاتی۔

عوامی بلکہ اب تو پارلیمانی زبان میں بھی ان کو ہارس، لفافے اور لوٹے کہا جاتا ہے

لوٹا کر ایسی ہماری سیاست کا لازمی جزو بن گئی ہے
پاکستانی قوم میں ملک سے محبت اور دین کا درد رکھنے والے افراد کی کمی نہیں
لیکن اسے لیڈر شپ ایسی ملی ہے جو نہ ملک سے مخلص ہے
نہ قوم سے مخلص ہے

اور نہ ہی اللہ اور رسول سے مخلص ہے
اگر ہماری سیاست گندگی سے پاک ہو جائے تو ہمارے بہت سارے
ملکی اور اجتماعی مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! اگر ہم
ہر شعبہ حیات میں پاکیزگی | پاکیزگی کے مفہوم کو وسعت دیں

تو زندگی کے ہر شعبے میں اس کی اہمیت اور ضرورت ہم کو محسوس ہوگی
باطن سے لے کر ظاہر تک اور گھر سے لے کر باہر تک کسی بھی جگہ پاکیزگی
کی اہمیت و عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دل کو پاک رکھنا ضروری ہے - شرکیہ عقائد سے تکبر و حسد اور خود پسندی سے
بخل اور کینہ جیسے باطنی امراض سے، - نظر کو پاک رکھنا ضروری ہے
ہر اس منظر کے دیکھنے سے

جس کے دیکھنے سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے
کان کو پاک رکھنا ضروری ہے -

غیبت اور چغلی سے - میوزک اور گانے سننے سے -
زبان کو پاک رکھنا ضروری ہے -
بہتان تراشی، فحش گوئی اور لعن طعن سے

دماغ کو پاک رکھنا ضروری ہے، اختیاری شیطانی وسوسے سے -
جسم اور لباس کو پاک رکھنا ضروری ہے -

نجاست اور گندگی سے، تجارت کو پاک رکھنا ضروری ہے
ناپ تول میں ڈنڈی مارنے اور جھوٹ اور وعدہ خلافی سے

ملازمت کو پاک رکھنا ضروری ہے

بددیانتی اور مجرمانہ خیانت سے -

عبادت کو پاک رکھنا ضروری ہے

ریا کاری اور شہرت پسندی کے جذبے سے

ماحول کو پاک رکھنا ضروری ہے آلودگی اور گندگی سے

گھر کو پاک رکھنا ضروری ہے

محرمات اور ممنوعات سے ملک کو پاک رکھنا ضروری ہے

غداروں، منافقوں اور اسلام دشمنوں سے -

سیاست کو پاک رکھنا ضروری ہے

ضمیر فرشتی، ابن الوقتی اور مفاد پرستی سے

تعلیم گاہوں کو پاک رکھنا ضروری ہے

لارڈ میکالے کے نصاب و نظام تعلیم سے

جب ان سب نجاستوں، غلاظتوں اور نجاستوں سے پاکیزگی نصیب

ہو جائے گی تو ہر فرد پاک ہو جائے گا۔

ہر گھر پاک ہو جائے گا۔ ہر محلہ پاک ہو جائے گا۔

ہر شہر پاک ہو جائیگا۔ پورا ملک پاک ہو جائے گا۔

اور پھر ہم دنیا میں جنت کے نظائے دیکھیں گے۔ کیونکہ

بہشت آن باشد کہ آزالے نہ باشد

کسے را با کسے کا لے نہ باشد

بہشت وہ ہے جس میں کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی کے ساتھ کوئی تعلق اور کوئی دشمنی نہ ہو۔۔۔۔۔ اور یقین کریں کہ ہر شعبے میں پاکیزگی کے بعد ایسی ہی کیفیت ہوگی۔

پہلے اپنی فکر کیجئے | لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک پورا ملک پاک نہیں ہو جاتا، ہم پاک نہیں ہوں گے۔ آپ سب سے پہلے اپنی فکر کیجئے، اپنی ذات کو، اپنے کردار کو، اپنے کاروبار کو، اپنے کانوں کو، اپنی زبان کو، اپنی آنکھوں کو اپنی تجارت اور ملازمت کو، اپنے گھر کو گندگیوں سے پاک کر لیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ دوسروں کو بھی دیکھا دیکھی توفیق مل جائے گی۔

ہماری معاشرتی زندگی کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ ہماری سوچ کا یہ انداز بن گیا ہے کہ چونکہ دوسرے قانون کی پابندی نہیں کرتے، لہذا میں بھی نہیں کروں گا۔

چونکہ دوسرے پاکیزگی کا اہتمام نہیں کرتے

لہذا میں بھی نہیں کروں گا۔

چونکہ دوسرے گلی اور بازار میں گندگی ڈالنے سے اجتناب نہیں کرتے،

لہذا میں بھی نہیں کروں گا۔

چونکہ دوسرے شہر کی دیواروں اور گلی کو چوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے

اسلئے میں بھی نہیں رکھوں گا۔

حالانکہ ہماری یہ سوچ قطعاً غلط اور لغو ہے۔

کبھی ہم نے سوچا کہ چونکہ شہر میں بیسیوں خاندان مناسب غذا سے محروم ہیں، لہذا میں بھی کھانا انہیں کھا دوں گا۔
چونکہ سینکڑوں افراد کو علاج معالجہ میسر نہیں اسلئے میں بھی اپنا علاج نہیں کراؤں گا۔

چونکہ ہزاروں انسانوں کو ڈھنگ، کالباس یہیا نہیں ہو سکا اس لئے میں بھی ڈھنگ، کاپیرا نہیں پہنوں گا۔
چونکہ لاکھوں مرد و زن گاڑی سے محروم ہیں اس لئے میں بھی گاڑی پر سوار نہیں ہوں گا۔

حیرت کی بات ہے کہ ان چیزوں میں تو ہم نے کبھی بھولے سے بھی دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ نہیں کیا۔ لیکن جب قانون کی پابندی، دین پر عمل اور طہارت اور نفاست کی بات آتی ہے تو ہم دوسروں کی کمزوریوں کو اپنی بے عملی اور بد عملی کے لئے بہانہ بنا لیتے ہیں۔ آپ خود عمل کریں اور دوسروں کو تلقین کریں، آپ کا عمل آپ کی تلقین میں جان ڈال دے گا۔ چراغ سے چراغ جلے گا۔ دیئے سے دیار روشن ہو گا اور آہستہ آہستہ سینکڑوں ہزاروں کو عمل کی توفیق مل جائے گی۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کی سوتج یہ بن جائے کہ اگر میں ٹھیک ہو گیا تو سب ٹھیک ہو جائیں گے، اگر میں نے صفائی کا اہتمام شروع کر دیا تو سب اہتمام کریں گے۔ اگر میں نے پاکیزہ زندگی کا آغاز کر دیا تو سب کی زندگی میں پاکیزگی آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح فکر عطا فرمائے اور زندگی کے ہر شعبے میں پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔